



# ژونگ

نفسیات اور محنتی علوم

شہزاد احمد



# ترتیب

## ابتدائیہ

نفسیات	کتاب اول
19	پہلا باب
37	دوسرا باب
59	تیسرا باب
86	چوتھا باب
105	پانچواں باب
120	چھٹا باب
134	ساتواں باب
152	آٹھواں باب

تختی علوم	کتاب دوم
186	نواں باب
235	دسواں باب

245	(۱) عرقیات	
252	(ب) کیمیاگری	
260	(ج) منزل	
264	(د) قرپ موت کی واردات	
269	(و) مرنے والوں کی کتاب	
283	(و) آئی چنگ	
294	ہم وقتیت	گیارہواں باب
309	اڑن طشتری سے اڑن کھولے تک	بارہواں باب
345	فعال متیلہ	تیرہواں باب
	کتابیات	

۲۴۵	عرقیات	۱
۲۵۲	کیمیاگری	۱
۲۶۰	منزل	۱
۲۶۴	قرپ موت کی واردات	۱
۲۶۹	مرنے والوں کی کتاب	۱
۲۸۳	آئی چنگ	۱
۲۹۴	ہم وقتیت	۱۱
۳۰۹	اڑن طشتری سے اڑن کھولے تک	۱۲
۳۴۵	فعال متیلہ	۱۳
	کتابیات	

۲۴۵	عرقیات	۱
۲۵۲	کیمیاگری	۱
۲۶۰	منزل	۱
۲۶۴	قرپ موت کی واردات	۱
۲۶۹	مرنے والوں کی کتاب	۱
۲۸۳	آئی چنگ	۱
۲۹۴	ہم وقتیت	۱۱
۳۰۹	اڑن طشتری سے اڑن کھولے تک	۱۲
۳۴۵	فعال متیلہ	۱۳
	کتابیات	

## ابتدائی

1951ء میں جب میں نے ایم اے تعلیمات میں داخلہ لیا تھا تو جناب سیف الدین سیف نے اس کی بہت مخالفت کی تھی اور مجھے کئی بار سمجھایا تھا کہ اگر تم شاعری میں دلچسپی رکھتے ہو تو تعلیمات مت پڑھو۔ یہ تمہارے اندر کے شاعر کو ہلاک کر دے گی، مگر مرے ذہن پر تعلیمات کا بھوت اس بڑی طرح سوار تھا کہ میں نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ سیف صاحب کو فلسفے میں کچھ دلچسپی تھی اور وہ کتابیں تو کم پڑھتے تھے مگر بحث مباحثے میں حصہ بہت لیتے تھے۔ اور ان کا نقطہ نظر منطقی اثباتیت (Logical Positivism) کا رویہ لئے ہوئے تھا اور انیسویں صدی کی عقلیت (Rationalism) ان کے ذہن پر بڑی طرح حاوی تھی، مگر پاکستان بننے کے بعد ان کی دلچسپی فلسفے میں کم ہوتی گئی اور وہ فلموں میں زیادہ سے زیادہ الجھنے چلے گئے۔ زندگی کے بارے میں جو نظریے انہوں نے پاکستان بننے سے پہلے تشکیل دیا تھا اس میں بہت کم تبدیلی آئی اور ان کی فلسفیانہ بحث بھی رفتہ رفتہ غائب ہوتی چلی گئی۔ مگر موا تعلیمات پڑھنا انہیں پھر بھی پسند نہ آیا۔ البتہ زندگی کے آخری چند برس میں جب انہوں نے میری ایک کتاب ”مومن انسان کا حیاتیاتی پس منظر“ پڑھی تو انہیں وہ کتاب دلچسپ لگی مگر اب وہ زندگی کے اس حصے میں تھے جب وہ نئے سفر کا آغاز کرنے کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔

کئی برس تک سیف صاحب کو میں نے ایک آنیڈیل شخصیت سمجھا تھا ان کے مباحثے کو سنا تھا اور ان کے فلسفیانہ سوالوں کو بہت سمجھنے کی سے لیا تھا۔ مجھے بعد میں اندازہ ہوا کہ خود سیف صاحب ان سوالوں کے بارے میں زیادہ سمجیدہ نہیں ہیں لیکن ان مباحثے نے میرے اندر تشکیک کا ایک طوفان اٹھا دیا تھا۔ ان دنوں میں نے تھوڑا بہت فلسفہ بھی پڑھنا



شروع کر دیا اور میں اپنی تفلیک میں بندھ ہونا چلا رہا تھا۔

زندگی کے اس حصے میں جب انسان کو یقین کی ضرورت ہوتی ہے اگر تفلیک جھٹلے پھولے لگتے تو یہ ایک طرح کی ہمد وقت لذت ہے، جو انسان کو ریڑھ ریڑھ کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ ایم اے نفسیات کرنے کے دوران میں بہت سی ذہنی لائقوں سے گزرا تھا۔ اور ان سب کی وجہ تفلیک کا رویہ تھا۔ حالات بھی ایسے تھے کہ برصغیر یا نیا تقسیم ہوا تھا۔ سرحد کے دونوں طرف معصوم انسانیت کا خون بہایا گیا تھا مگر خاص طور پر پاکستان میں مساجد میں کامیابیت شدت اختیار کئے ہوئے تھے۔ ہم بھی امر قمر سے ہجرت کر کے لاہور آئے تھے اور بے پناہ مالی مشکلات کا شکار تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اقدار کے سلسلے میں دایمہ فتنی کا رویہ خاصہ شدید ہو گیا تھا۔ جدید غزل کا آغاز بھی رو بہ بعد الطبیعیات کے طور پر ہوا تھا۔ حالانکہ غزل کسی باقاعدہ باہم الطبیعیات کے بغیر مشکل ہی سے سانس لے سکتی ہے۔

یہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ڈونگ کی کتاب ”جدید انسان روح کی تلاش میں“ (Modern Man In Search of A Soul) کس کے کہنے پر پڑھی تھی، مگر اس کتاب نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا اور یقین کا ایک دروازہ میرے اندر کھل گیا تھا۔ ایک بار پھر مجھے زندگی کا معنی محسوس ہونے لگی تھی۔ مذہب میں میری دلچسپی بڑھی تھی اور فلسفیانہ مباحث میں کھویا ہوا سکون مجھے کسی حد تک نفسیات اور خصوصاً ڈونگ کی وجہ سے واپس ملا تھا۔ نفسیات میں ایم اے کرنے کے بعد نوکری نام کی کوئی شے دور دور تک نہیں تھی۔ لہذا میں نے فلسفہ کا ایم۔ اے کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اقبال کے کلام کے سلسلے میں میرا رویہ معاندانہ تھا۔ حالانکہ اقبال کا بہت سا کلام خصوصاً شکوہ جو اب شکوہ مجھے زبانی یاد تھے۔ انہی دنوں مجھے اقبال کے پیچرز پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ اقبال کے کلام کے معانی کس قدر پہلو رکھتے ہیں۔ یہ محب اتفاق ہے کہ میں اقبال کے کلام سے ان کے فلسفے کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ بلکہ ان کے فلسفے نے ان کے کلام کے لئے میرے دل میں بے پناہ محبت پیدا کر دی تھی۔ جب سے اب تک میں ڈونگ اور اقبال کے شعر سے نکل نہیں پایا۔ 1951ء ہی کے دوران میں نے ولفلم شیکل (Wilhelm Stekel) کے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا جو ہمارے استاد کاظمی محمد اسلم صاحب کو بہت پسند آیا تھا۔ اگلے برس میں نے مذہبی واردات کے بارے میں ایک مختصر سا مضمون لکھا جو بعد میں دو بار Revise کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے فرانیز کے نظریے

دہلیت مرگ پر مضامین کا ایک سلسلہ لکھا۔ اور 1962ء میں یہ کتابی شکل میں شائع ہوا۔ یہ پاکستان بننے کے بعد اس قسم کے موضوعات پر پہلی کتاب تھی۔ اس کے بعد طویل عرصے تک میں نے کوئی مضمون نہ لکھا۔ روزگار کا سلسلہ ایسا تھا کہ یکم نہ یکم پڑھتا تھا مگر یکم لکھ نہ پاتا تھا۔ 1977ء کے قریب میں نے یکم یکم پچھلے مضامین ”دوسرا رخ“ کے ہم سے لکھے۔ ان پر مشتمل کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔

83-1982ء میں میں نے پھر سے نفسیات اور حیاتیات کے حوالے سے مضامین لکھنے شروع کیے۔ 1984ء میں مجھ پر دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا مگر مجھے کسی طرح پھر سے سانس لینے کے قتل بنا دیا گیا۔ کوئی ایک برس زندگی اور موت کی کشمکش میں گزرا۔ ان دنوں مجھے گھٹکھ کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ میری بیماری کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے جانبر ہونا بہت مشکل ہے، مگر مجھے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ محسوس نہ ہوا کہ میں کسی بہت بڑے خطرے سے دوچار ہوں۔ جب میں ہوتا نہیں تھا تو ذہنی طور پر یکم نہ یکم لکھتا رہتا تھا۔ پھر میرے ڈاکٹر نے مجھے اجازت دے دی کہ اگرچہ میں چل پھر تو نہیں سکتا لیکن اگر چاہوں تو تمہارا بہت لکھنے پڑھنے کا کام کر سکتا ہوں۔ میں نے کوئی چار پختے میں ایک کتاب لکھی ”سائنسی انتخاب۔۔۔“ لیکن اسے اسکاں تک ”اور آدمی سے زیادہ“ ذہن انسان کا حیاتیاتی پس منظر“ بھی مکمل کی۔ یہ کتاب اب ”ذہن انسانی حدود اور امکانات“ کے نام سے شائع شدہ ہے۔ پھر تراجم کا ایک سلسلہ شروع ہوا کیونکہ روزگار کا ذریعہ یہی تھا۔ میں نے آغاز تو اشفاق احمد صاحب کے ادارے اردو سائنس بورڈ سے کیا مگر زیادہ کام مجھے سراج منیر مرحوم کے ادارے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ملا۔ اس دوران ڈونگ سے میری دلچسپی پھر سے بیدار ہوئی۔ اس کی ایک وجہ تو ڈاکٹر محمد اجمل صاحب کی ایک کتاب تھی، جس کا میں نے اردو ترجمہ ”نفسی طریق علاج میں مسلمانوں کا حصہ“ کے نام سے کیا۔ سراج منیر سے میرا تعلق خالصتاً علمی حوالے سے تھا۔ وہ جن علوم کو بہت اچھی طرح سے جانتے تھے، مجھے ان کے بارے میں ابتدائی علم بھی نہیں تھا۔ لہذا میں نے عقلی علوم اور سیرت میں مطالعے کی حد تک دلچسپی لینی شروع کی۔ اس زمانے میں آر تھر کوسٹر (ARTHER KOESTLER) اور کولن ویلسن (COLIN WILSON) میرے محبوب لکھاری تھے۔ خصوصاً آر تھر کوسٹر کے لکھنے کا انداز مجھے بے حد پسند تھا اور میں اس سے بہت متاثر بھی ہوا تھا۔ اردو میں مجھے حسن عسکری صاحب کی

نثر بہت اچھی لگتی تھی۔ اگرچہ ان کے سوا سے مجھے اتفاق نہیں تھا۔ اسی دوران نظریاتی طبعیات میں مجھے کمری دلچسپی پیدا ہوئی۔ اگرچہ میں ریاضی نہیں جانتا تھا مگر اب ایسی کتابیں بازار میں آنے لگی تھیں، جو مجھ جیسے غیر ریاضی دان کی سمجھ میں بھی آ سکتی تھیں۔ ادیبوں اور شاعروں کے حلقے میں ڈاکٹر وزیر آغا صاحب کے علاوہ کوئی ایسا نہیں تھا جس سے میں اس سلسلے میں باقاعدہ گفتگو کر سکتا۔ یہاں میں ڈاکٹر محمد افضل سابق وزیر تعلیم کا ذکر بھی کرنا چاہوں گا جنہوں نے مجھے بعض کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیا تھا۔ طبعیات کا مطالعہ کرتے کرتے مجھے ڈاکٹر عبدالسلام کے بعض مضامین پڑھنے کا موقع ملا۔ وہ صرف سائنس دان ہی نہیں ہیں، تیسری دنیا کے ممالک کے درد کو بھی پوری طرح محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کی پیمائش کو ختم کر کے انہیں ترقی یافتہ بنانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ میں نے ان کے چند مضامین کا ترجمہ کیا، جو ”ادب اور حقیقت“ کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں میں نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے خصوصاً وہ مضامین منتخب کئے جو پاکستان کی ترقی کے لئے رہنما ثابت ہو سکتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر ان کی درد مندی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کاش ہم ان کے سائنسی اور اقتصادی نظریات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

آج کل شاعری اور سائنس کا مطالعہ میرے دو محبوب کام ہیں۔ جب میں پریشان ہوتا ہوں یا ڈپریشن کا شکار ہوتا ہوں، تو فزکس پڑھتا ہوں۔ اسے پڑھتے ہوئے مجھے دیباہی لطف آتا ہے جیسا اچھی شاعری پڑھنے سے آسکتا ہے۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مسائل، جو مجھے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں، میں ان کو جھٹک دیتا ہوں اور مجھے اپنے سامنے پھیلی ہوئی کائنات کی وسعت اور بے کناری کا شدید احساس ہوتا ہے، میں محسوس کرتا ہوں کہ اتنے بڑے کاسموس میں میری زمین کی میرے نظام شمسی کی اور کائنات کی کیا حیثیت ہے! ایک طرف تو مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور دوسرے طرف میں محسوس کرتا ہوں کہ امکانات کا ایک لامتناہی سلسلہ میرے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اور میں اکیلا نہیں ہوں۔ کسی حد تک میں خوش قسمت بھی ہوں کہ میں اس کے بارے میں چند باتوں کو جانتا ہوں۔ پھر مجھے یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ میرے اندر بھی ایک کائنات ہے اور یہ کائنات مجھے کسی طرح اس کائنات سے کم وسیع و عریض محسوس نہیں ہوتی۔ جو میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور لامحدود ہے۔ انسان کے طور پر میں، جہانگیر کبیر اور جہانگیر صغیر کے بارے میں آنکھیں رکھنے والی میں شاید واحد دانشور مخلوق ہوں۔

اگر میرے سوا کوئی موجود ہے، تو مجھے اس کا علم نہیں ہے اور شاید وہ میرے بارے میں بھی نہیں جانتی۔ میری خواہش ہے کہ میں کبھی طبیعیات پر کوئی کتاب لکھوں۔ وہ طبیعیات جس نے مجھے نئی زندگی دی ہے اور اب تو وہ میری شاعری کا ایک موضوع بھی ہے۔

میں نے یہ کہانی اس سلسلے میں بیان کی کہ اس پس منظر کو کسی حد تک سمجھا جاسکے۔ جس کے حوالے سے مجھے ڈونگ پر کتاب لکھنے کا خیال آیا۔ فرانیٹز کے بارے میں میری ایک کتاب "فرانیٹز کی نفسیات کے دو دور" 1994ء میں شائع ہوئی تھی اور اسے پسند کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ مطالبہ بھی ہوا تھا کہ میں ڈونگ پر بھی کچھ لکھوں۔ کوئی ایسی کتاب جو ڈونگ کے بنیادی خیالات کو بیان کر سکتی ہو۔ ڈونگ کا ذکر تو کسی نہ کسی حوالے سے اردو ادب میں آتا ہی رہتا ہے مگر ڈونگ کے بارے میں بہت کم مواد موجود ہے۔

یہی حال فرانیٹز کا بھی تھا۔ اس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ میں نے کوشش کی تھی کہ فرانیٹز کو ان حوالوں سے بیان کروں، جنہیں فرانیٹز کے سلسلے میں سند ملتا جاتا ہے۔ میں نے اپنے طور پر فرانیٹز کی کوئی ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ اس پر تنقید کرتے ہوئے بعض استدلال میں نے اپنے طور پر کئے تھے۔

اگرچہ فرانیٹز پر میری اس کتاب کو مجموعی طور پر پسند کیا گیا مگر چند دوستوں نے یہ بھی کہا کہ فرانیٹز پر کتاب لکھنے کی ضرورت کیا تھی۔ وہ تو فرسودہ ہو کر متروک (OBSOLETE) ہو چکا۔ ان کی خدمت میں میں سوائے اس کے اور کیا عرض کر سکتا تھا کہ فرانیٹز مٹی کے تیل کا چولہا نہیں ہے جو OBSOLETE ہو جائے۔ اگر اب تک ارسطو فرسودہ قرار نہیں دیا گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم فرانیٹز کے سلسلے میں یہ فیصلہ صادر کر دیں۔ امریکا میں دونوں طرح کے دوسرے موجود ہیں ایک طرف تو اب بھی فرانیٹز کی جذباتی مخالفت ہوتی ہے اور دوسری طرف اس کے جنسی نظریات پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔ ان نظریات کو بھی تسلیم کیا جانے لگا ہے جن کا تعلق انسان کے نفس کی بجائے اس کے جسم سے ہے۔ مثال کے طور پر اب ایسے لوگ بھی میسوں میں موجود ہیں جو فرانیٹز کی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کے انزال (ORGASM) کے دو ذریعے ہیں۔ پہلی دو تین دہائیوں میں اس معاملے میں فرانیٹز ٹھیک کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

بمروقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ بلور طیب فرانیٹز اپنی پیشہ

ورانہ اخلاقیات کا پوری طرح پابند تھا۔ اس کے بارے میں کوشش کے باوجود کوئی قابل ذکر سکیڈل (SCANDAL) بھی دریافت نہیں کی جاسکی۔ ڈونگ کے بارے میں البتہ یہ کہا جانے لگا ہے کہ اس کے جنسی تعلقات اپنی موت سے مریضوں کے ساتھ تھے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کی زندگی میں ایسی کوئی سکیڈل مشہور نہ ہو سکی، ورنہ یاد لوگ ڈونگ damage کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتے۔ میں اس بحث میں نہیں چڑنا چاہتا کہ اس میں سچائی کس قدر ہے۔ صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی فانی زندگی اور نفسیاتی نظریات میں کوئی لازمی رشتہ موجود نہیں ہے۔

ڈونگ پر کتاب لکھنا میرے لئے فرائیڈ سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔ فرائیڈ پر لکھنے کا کام میں نے طالب علمی کے زمانے میں شروع کیا تھا اور اسے لکھنے میں مجھے کئی برس لگ گئے تھے۔ ڈونگ پر کچھ لکھنے کا خیال مجھے دیر تک نہ آیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ فرائیڈ کی نفسیات اس قدر پہلو دار نہیں تھی جیسی کہ ڈونگ کی تھی۔ اور موضوعات کے لحاظ سے بھی وہ بے حد متنوع ہے اور اس کے موت سے پہلو ایسے ہیں، جو ابھی تک واضح نہیں ہیں۔ ڈونگ کو یہ دعوے بھی نہیں ہے کہ وہ سب باتوں کا مضمون پوری طرح سمجھتا ہے۔ اجتماعی لاشعور کا نظریہ ایسا ہے کہ اس کی مبہوتی ہی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے مضمون تک کلی رسائی کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اس کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس کو شاید ہم کبھی بھی دریافت نہ کر سکیں۔ پھر ڈونگ نے دنیا کا کوئی موضوع چھوڑا بھی نہیں ہے۔ اساطیر سے لے کر جدید طبیعیات تک اس نے سبھی موضوعات پر خالص فرسائی کی ہے اور مجھے ذاتی طور پر یہ دعوے بھی نہیں ہے کہ میں ڈونگ کو پوری طرح سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں نے بہتر چاہا کہ میں ان ماہرین کے نقش قدم پر چلوں، جو ڈونگ کو دوسروں سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں ہم نے ڈونگ کو سمجھنے کے لئے دو بنیادی کتابیں پڑھی تھیں۔ ایک تو جیکوبی (JACOBI) کی کتاب تھی۔ (THE PSYCHOLOGY OF C.G. JUNG) اور دوسری فرائیڈ فورڈم (FRIEDA FORDHAM) کی کتاب

(An Introduction to Jung's Psychology)۔ اس کا دیباچہ بھی ڈونگ نے خود لکھا تھا اور اس میں یہ کہا تھا کہ فرائیڈ فورڈم نے اس کے خیالات کو صحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ فرائیڈ فورڈم کے ساتھ قدم بہ قدم چلنے کی کوشش

کروں۔ کتب کا پہلا حصہ ”ڈونگ کی نفسیات“ اسی کتب پر انحصار کرتا ہے۔ بیکنہی کی کتب اگرچہ بعد میں کھسی گئی تھی اور بہت زیادہ ILLUSTRATED بھی ہے، مگر وہ ایسے لوگوں کے لئے ہے جو ڈونگ کی پیچیدگیوں کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا موجودہ کتب کو ڈونگ کے سلسلے کی ایک ابتدائی کوشش ہی سمجھنا چاہئے۔ مجھے تو یقین ہے کہ میری اس کتب کے بعد ڈونگ کے بارے میں زیادہ ADVANCE تقریریں کھسی جاسکیں گی۔

موجودہ کتب کا دوسرا حصہ ڈونگ اور عقلی علوم کے باہمی رشتے سے متعلق ہے۔ جب فرانز نے لاشعور کو متعارف کروایا اور اس کو ایک سائنسی موضوع کی شکل دی تو یہ گویا اپنی ذات کے اندر بھانکنے کی ایک پیچیدہ کوشش تھی۔ یہ واقعہ اس زمانے میں رونما ہوا جب نفسیات کو زیادہ سے زیادہ میکانیکی اور شماراتی بنیادوں پر استوار کیا جا رہا تھا۔ نیوٹن (NEWTON) کے اجمال میں انسان کے ایسے خواص ذمعوٹے چارہے تھے جو طبعیاتی بنیادوں پر سمجھے اور سمجھائے جاسکیں۔ امریکا کے اندر کدواریت (BEHAVIORISM) کا کتب فکر اور روس میں پاؤلو (PAVLOV) وہ ایسے ذریعے تھے جو انسان کو کسی طرح کی بھی باطنی اہمیت دینے کو تیار نہ تھے۔ یہ گویا سائنس کے اندر منطقی اثباتیت (LOGICAL POSITIVISM) تھی۔ جس کی موجودگی کو فلسفے، سائنس اور نفسیات بھی میں محسوس کیا جا رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا انسان کو روبوٹ (ROBOT) حلیت کر دیا جائے گا مگر خود سائنس کے اندر رد عمل ظاہر ہوا اور ہائیزن برگ کا اصول لا یتقن بدوئے کار آیا۔ فرانز نے ایک بار پھر باطن کی اہمیت کو واضح کیا اور اس سارے عمل کے رد عمل کے طور پر عقلی علوم کے بارے میں دلچسپی کا احیا بھی ہوا۔ ڈونگ خاص طور پر اس میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اجتماعی لاشعور کی دریافت کے ساتھ ہی یہ ناگزیر تھا کہ عقلی علوم تک رسائی حاصل نہ کی جائے۔ چنانچہ بہت سے روایتی محققین ڈونگ کو سائنسدان نہیں مانتے وہ اسے فلسفی اور پیغمبر تو کہتے ہیں مگر پیچیدہ عمل دانفور نہیں سمجھتے۔ یہ انسان کو سمجھنے کا ایک میکانیکی رویہ ہے جس کا مقابلہ ڈونگ نے بڑی بہادری سے کیا ہے اور میرے خیال میں اس کاؤ پر اس نے کامیابی بھی حاصل کی ہے۔

اندروں جنی اور بروں جنی کی انسانی تقسیم بھی اسی حوالے سے کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کا مطالعہ آپ آئندہ صفحات میں کریں گے مگر خود نفسیات کے اندر رویوں کا جائزہ لینے ہوئے، ڈونگ نے خود کو اور اؤلر کو اندروں میں کہا ہے۔ مگر فرانز کو بروں جنی کے کھاتے میں

ڈال دیا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے ڈوگک یہ بھی بھول گیا کہ انسان کے نفس کے اندر سب سے زیادہ اندروں بنی کارہیں فرائیز نے انجام دیا تھا۔ جس نے لاشعور کو سائنسی حوالے سے اہمیت دی تھی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ لڑنے پر چونکہ نفسیات کو ایک عملی عمل کے طور پر دیکھنے کی کوشش کی تھی اس لئے اسے جہوں میں سمجھ دیا جائے۔ مگر یہ بات احتمالی حیرت انگیز ہے کہ ڈوگک یہ سائنس کی بات نظر انداز کر گیا۔ شاید وہ فرائیز کو لاشعور دریافت کرنے کا کریڈٹ دینے کو تیار نہیں تھا۔ فرائیز اور ڈوگک کے مابین آویزش محض نظریاتی سطح پر ہی نہیں تھی۔ اس میں بہت سے ذاتی عوامل بھی شامل تھے اور جذبات کو بھی عمل دخل تھا۔ لہذا ہم ڈوگک کی تنقید کو سو فیصد معروضی نہیں سمجھ سکتے۔ خود فرائیز بھی کئی بار ڈوگک سے متاثر ہوا تھا مگر اس نے بھی کھل کر اس کا اعتراف نہ کیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ فرائیز بہت حد تک اس سائنسی رویے کا نمائندہ تھا جو بیسویں صدی کے آغاز میں موجود تھا، مگر ڈوگک اس سائنسی رویے کی نمائندگی کرتا ہے جو اب نظریاتی سائنس کے اندر رواج پائے ہوا ہے۔ اس رویے کو تبدیل کرنے میں ڈوگک نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ میں نے عقلی علوم کا حوالہ ڈوگک کی زندگی میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس باب کا عنوان ”ڈوگک اور عقلی علوم“ رکھا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہو گیا تھا کہ خود ان عقلی علوم کو جن میں ڈوگک کی دلچسپی ہے اس حوالے سے بھی دیکھا جائے کہ انہیں عام طور پر کیا سمجھا جاتا ہے اور ڈوگک نے ان کی کیا توجیہ کی تھی۔ اس باب کا عنوان ”عقلی علوم اور ڈوگک“ ہے۔ بظاہر ڈوگک کی نفسیات خاص نکھری نکھری نظر آتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ ایک فروخت (INDIVIDUATION) کی حامل ہے۔ منزل کے مختلف جسے اگرچہ اپنی صورت اور نوعیت میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں مگر آخر کار ایک ہی بنیادی کل بناتے ہیں۔ جسے اس کی مجموعی کارکردگی کی مدد سے جانا جاتا ہے۔

ڈوگک کی معروف ترین اصطلاح آرکی ٹائپ (ARCHETYPE) کا میں نے ترجمہ نہیں کیا، حالانکہ ڈاکٹر محمد اجمل صاحب نے اس کا ترجمہ نخست مثل کیا تھا اور پھر ڈاکٹر سبیل احمد خان صاحب نے اسے قبول بھی کر لیا تھا مگر مشکل یہ آپدی کہ یہ ترجمہ مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ سو میں نے یہی بہتر چنا کہ خود ڈوگک کی اصطلاح ہی استعمال کر لی جائے۔ اس کتاب کا مقصد اصطلاح سازی بھی نہیں ہے یہ صرف ایک کوشش ہے کہ ڈوگک کو اردو میں اس طرح

عقل کیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے مفہیم تک رسائی حاصل کر سکیں۔ مجھے ڈاکٹر عبدالسلام کی یہ بات بھی یاد تھی کہ زیادہ تر اصطلاحات کو ان کی بین الاقوامی صورت ہی میں قائم رکھا جائے، تاکہ پڑھنے والا ایک ہی بات کے لئے کئی اصطلاحوں کے پکر میں نہ پڑے۔ بقول ڈاکٹر عبدالسلام عربی اور فارسی میں بھی اب یہ رجحان موجود ہے کہ وہاں عام طور پر سائنسی اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر RELATIVITY کو اضافیت نہیں کہا جاتا۔ ریلی تجویزی کہہ دیا جاتا ہے۔ مردان اور حقیقت میں جو وہابچہ خود ڈاکٹر عبدالسلام نے اردو میں لکھا ہے اس کا مطالعہ اس سلسلے میں کیا جاسکتا ہے۔

”فرائیض کی نفسیات کے دو دور“ میں میں نے کوئی ذخیرہ سو صفحات کے حواشی لکھے تھے اور کوشش کی تھی کہ جدید حقیقت نفسیات میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کے بنیادی معانی اردو میں عقل کر دیے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ کچھ مختصر احوال معروف نفسیات دانوں کے بھی لکھ دیے گئے اور بعض سائنسی اصطلاحات کی تشریح بھی کر دی گئی ہے۔ موجودہ کتب میں میں اس سارے عمل کو دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے محض ڈونگ اور عقلی علوم کے باب میں چند حواشی لکھے گئے ہیں۔ باقی حوالوں کے لئے فرائیض کی نفسیات کے دو دور دیکھی جاسکتی ہے۔ عقلی علوم اپنے طور پر اتنا بڑا موضوع ہے کہ اس پر درجنوں کتابیں اردو میں بھی ہونی چاہئیں۔ اس کے حق میں اور اس کے خلاف بحث ساملو موجود ہے۔ ہم مشرق والوں کا قدرتی جھکاؤ عقلی علوم کی طرف ہے۔ مگر اس سلسلے میں معروضی مطالعے کا فقدان ہے۔ عام کتابوں میں صرف قصے کہانیاں ہی نظر آتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اس سلسلے میں بھی ہمیں مغرب کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ مشرق والوں نے تو اس سربائے کو بھی ضائع کر دیا ہے جو ان کے لئے طرہ امتیاز ہو سکتا تھا۔ ہمیں زندگی کے سلسلے میں زیادہ سمجیدہ رویے کی ضرورت ہے اور ایسا یہ ہے کہ یہ کام اب ہم مغرب کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتے۔ ہم اب اس صورت حال میں ہیں جس میں قرون وسطیٰ کے دوران مغرب تھا۔ مگر مغرب نے مشرق سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا تھا۔ کاش ہم بھی یہ کام کر سکیں۔ علم کسی کی میراث نہیں ہے یہ ساری انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔

میں نے اس کتب میں کوشش کی ہے کہ چیزوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معروضی رویہ اختیار کیا جائے مگر ہر جگہ یہ ممکن نہیں تھا۔ مشرق میں رہنے والوں کا مزاج بھی



کچھ ایسا ہے کہ ہم بار بار موضوعی رویہ اختیار کرتے ہیں۔ کبھی موقفہ ہوا تو عقلی علوم پر زیادہ تفصیل سے لکھنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال میں نے جو مواد اس کتب میں جمع کیا ہے وہ ایسے مافقہ سے لیا گیا ہے جو مغرب سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان کے دل کے کسی گوشے میں مشرقی رویوں کے لئے گنجائش موجود ہے۔

مجھے خوشی ہوگی اگر آپ اس کتب کے بارے میں مجھے کچھ بتانا چاہیں۔

۷ نومبر ۱۹۹۶ء

شہزاد احمد

31- ڈی آفیسر کلاونی

تازی روڈ لاہور

مہمانی 54810

فون- 6660233

کتاب اول

نفسیات

## تعارف

اس باب میں کوشش کی گئی ہے کہ سی جی (کارل گسٹاڈ) ڈونگ کی نفسیات کو بہت ہی سادہ زبان میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اس طرح کا سادہ اختصار یوں لگتا ہے کہ جیسے پوری دنیا کا نقشہ کانڈ کے ایک ورق پر کھینچ دیا گیا ہو، اس میں نفسیات کی صحیح نوعیت کے بارے میں اس قدر کم معلومات فراہم کی گئی ہیں، جیسی کہ زمین کے نقشے میں سمندروں اور براعظموں کے بارے میں فراہم کی جاتی ہیں۔ تاہم نقشہ ایک آغاز تو ہے، ایک ایسا خاکہ ہے جس کے اندر بعد میں حاصل ہونے والی معلومات سے رنگ بھرا جا سکتا ہے۔ اگر یہ خاکہ دھندلایا ہوا اور غیر واضح ہو تو اس سفر کی بعد کی منازل اس کو واضح اور روشن کر سکتی ہیں۔ لہذا یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ پہلے باب کو اسی بیان کی روشنی میں پڑھا جائے اور اگر قاری ضرورت محسوس کرے تو بعد میں اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

ڈونگ کی نفسیات، سب سے پہلے تو ڈونگ کے ان تجربات پر مبنی ہے، جو انسانوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ اس میں ہر طرح کے لوگ ہیں عام (نارل) لوگ، نوروٹک (عصبانی) مریض (NEUROTICS) اور نفسی (انتہائی) مریض (PSYCHOTICS)۔ یہ کسی طرح کا نفسی امراض مطالعہ (PSYCHO-PATHOLOGY) نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں وہ تجربات (EMPIRICAL) مواد ضرور استعمال کیا گیا ہے جو امراضیات (PATHOLOGY) کی مدد سے حاصل ہوا ہے۔ مگر اس کے نظریات اس کے اپنے الفاظ میں "انسانوں کے ساتھ نئے سائنسی تجربات کی بنیاد پر ایک تشکیل (FORMULATION) بنانے کی کوشش ہیں اور اس کے بارے میں بعض تجاویز ہیں"۔ مگر کوئی ایسا سادہ فارمولہ نہیں ہے، جس سطح تک اسے لایا جائے، اگر

ایک نقطے پر توجہ مرکوز کی جائے تو اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ وضاحت ہو جاتی ہے وہ نفس اعمال کا تپا ہوا جس پر یہ مشتمل ہے نظموں سے اور جمل ہو جاتا ہے۔ اگر پری میٹن (PRECISION) یا قطعیت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور ذہنی تجربت کی تعریف کو متعین کرنے کی سعی کی جائے، تو وہ بہت کچھ ضائع ہو جاتا ہے، جو قدرتی طور پر اس سے متعلق ہے۔

ذہن (MIND) اور ذہنی عوامل کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈونگ نے سائیکی (PSYCHE) یا نفس اور سائی ٹک (PSYCHIC) کی اصطلاحات برتی ہیں۔ ذہن اور ذہنی عوامل کی اصطلاحات اس لئے استعمال نہیں کی گئیں کہ ان کا تلازمہ بنیادی طور پر شعور (CONCIOUSNESS) کے ساتھ ہے۔ مگر نفس اور سائی ٹک کی اصطلاحیں شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ معروف لاشعوری مظہر عام طور پر وہ لوگ تسلیم نہیں کرتے، جو اس سے بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی تعلق ایگو (EGO) کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر وہ شعور میں غل میں ہیں، جیسے مثال کے طور پر اس وقت ہوتا ہے جب سخت جذباتی تپان ہو اور وہ اپنے سبب کے حساب میں بہت بڑا ہو، کوئی ایسا شخص جو ان کی لاشعوری تحریک کے بارے میں آگاہی نہ رکھتا ہو، ان کی نوعیت کو نہ سمجھ سکے گا ہم کہتے ہیں ”مجھے معلوم نہیں میرے سر پر کون سا بحوث سوار تھا“ لاشعوری اظہارات (MANIFESTATION) محض امراض تک محدود نہیں ہیں، بارہل انسان بھی مسلسل ایسے محرکات سے زیر اثر ہوتے ہیں جن کے بارے میں ان کو قطعاً کوئی علم نہیں ہوتا۔

نفس کے لاشعوری پہلو شعور سے بالکل مختلف ہوتے ہیں، مگر وہ شعور کے لئے تبدیلی (COMPENSATORY) ہوتے ہیں۔ ڈونگ کے مطابق شعوری ذہن لاشعوری نفس پر انحصار بھی کرتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ یہ شعوری نفس شعوری ذہن سے پہلے وجود رکھتا ہے۔ اور وہ اپنے افعال شعور کی شراکت میں یا اس کے بغیر انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کے برعکس جو ذہن کو ثانوی اظہار یا ثانوی مظہر (EPIPHENOMENON) یا متعین کے اندر بحوث (GHOST IN THE MACHINE) سمجھتے ہیں، ڈونگ نفس کی حقیقت پر اصرار کرتا ہے۔ یہ کسی بھی طرح طبیعی یا جسمانی سے کم نہیں ہے اور اپنی ساخت (STRUCTURE) رکھتی ہے اور اپنے خاص قوانین کے تحت کام کرتی ہے۔

”جو کچھ بھی میں تجربہ کرتا ہوں، نفس ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جسمانی تکلیف بھی ایک نفسی واقعہ ہے۔ جس کا تعلق میرے تجربے کے ساتھ ہے۔ میرے نفسی تاثرات جو کچھ بھی وہ مجھ پر وارد کرتے ہیں انکس (SPACE) میں موجود ایسی اشیاء جو میرے اندر داخل نہیں ہو سکیں، یہ بھی ایک نفسی تخیل (IMAGE) ہے اور یہی میرے شعور کے فوری معروض ہیں۔ میرا نفس حقیقت کو تبدیل بھی کرتا ہے، بھٹکتا بھی ہے اور یہ بھی کچھ اس حد تک کرتا ہے کہ مجھے یہ حسیں کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ مجھ کو نظر آتا ہے، اصل میں کیا ہے۔ پھر میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ رنگ، ہوا کا ارتعاش (VIBRATION) یعنی فکس فکس تعداد (FREQUENCY) یا یہ کہ رنگ ایک طول موج (WAVE LENGTH) ہے جس کی فکس فکس لمبائی ہوتی ہے۔ کچھ بات تو یہ ہے نفس تخیل میں اس قدر شدید ہیں کہ ہم ان چیزوں کی ماہیت میں داخل ہی نہیں ہو سکتے۔ ہمارا تمام علم نفس سے مشروط ہے، کیونکہ وہی ایک تو فوری ہے اور احتمالی طور پر حقیقی ہے۔ یہاں ایک ہی حقیقت ہے، جس کا حوالہ نفسیات دان دے سکتے ہیں۔ یعنی نفس حقیقت۔“

Modern Man in Search of A Soul- Basic Postulates on Analytical Psychology).

اس سلسلے میں یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ نفس حقیقت کئی طریقوں سے اپنے آپ کو ہم پر مسلط کرتی ہے۔ ایسی بھی بیماریاں ہیں جو نفسی اسباب سے پیدا ہوتی ہیں، مگر وہ بظاہر مکمل طور پر جسمانی بیماریاں معلوم ہوتی ہیں۔ تاہم ان کی کوئی نامیاتی وجہ نہیں ہوتی۔ ڈرامائی ہسٹریائی فالج اور اندھے پن سے لے کر سردرد اور معدے کی تکلیفوں تک بہت سی پھوٹی پھوٹی بیماریاں اسی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جو شے بھی انسان دیکھتا ہے، اس کا آغاز اس کے نفس سے ہوتا ہے۔ کوئی ایسی شے جو اس نے ابھی سوچنی ہے، وہ اس نے کسی خواب میں یا ویژن (VISION) میں دیکھی ہوتی ہے۔ ہماری امیدیں اور خوف ممکن ہے حقیقت کے اندر اپنی بنیاد رکھتے ہوں۔ دوسرے ان کو پچھانتے ہیں، وہ ممکن ہے سب کے سب غلط فہمی کی پیداوار ہوں مگر ان سے جو خوشی یا دکھ حاصل ہوتا ہے، وہ دونوں صورتوں میں ایک جیسا ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم تجربہ کرتے ہیں وہ ہمارے لئے تو حقیقی ہی ہوتا ہے اگر دوسروں کے لئے نہ بھی

ہو اور اس کی ایک اپنی جواز نگاری (VALIDITY) ہوتی ہے، جو حقیقت کے برابر ہونے کے باوجود اس سے مختلف ہوتی ہے، جسے عام طور پر حقیقت سمجھا جاتا ہے۔

نفس کی حقیقت کے بارے میں یہ رویہ اس چیز سے بے حد برعکس ہے جس کو ڈونگ "مسوائے رویے کے کچھ نہیں" (NOTHING BUT ATTITUDE) کا نام دیتا ہے۔ جو یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ وہ نفسی اعتبارات کو مسلسل کم درجہ دیتے چلے جاتے ہیں۔ خاص طور پر وہ تجربات جن کو آسانی کے ساتھ بیرونی واقعات کے ساتھ نہیں جوڑا جاسکتا۔ ان کے بارے میں کبھی کبھی "تخیل کے علاوہ کچھ نہیں" کا نام دیا جاتا ہے یا پھر مضموری یا داخلی (SUBJECTIVE) سمجھا جاتا ہے۔ ڈونگ اس کے برعکس داخلی یا نفسی عمل کو بیرونی یا ماحولیاتی عمل کے برابر درجہ دیتا ہے۔

ڈونگ کا نظریہ نفس ایک ایسے نظام سے متعلق ہے جو حرکی (DYNAMIC) ہے۔ ایک مستقل حرکت ہے، مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ میں خود ہی باقاعدگی پیدا کرتا ہے، وہ اس عمومی نفسی توانائی کو لیبیڈو (LIBIDO) کا نام دیتا ہے۔ لیبیڈو کے تصور کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ وہ ایک چھپی ہوئی طاقت ہے، بلکہ اس کا وہی مطلب ہے جو طبیعیات میں طاقت (FORCE) کا مطلب ہے۔ یہ سادہ الفاظ میں مشاہدہ شدہ منظر کو بیان کرنے کا ایک پاسولت طریقہ ہے۔

لیبیڈو دو مخالف قطبین (POLES) کے درمیان بہتا ہے اس کا موازنہ دل کے انقباض قلب (DIASTOLE) اور انقباض قلب (SYSTOLE) سے کیا جاسکتا ہے، یا پھر بجلی کے متغی اور مثبت پول کے برقی سرکت سے۔ ڈونگ عام طور پر اسے متضاد قطبین کے اعداد (OPPOSITES) کا نام دیتا ہے۔ اعداد کے اس جوڑے کے مابین جس قدر زیادہ کھنچاؤ ہو گا اسی قدر زیادہ توانائی بھی ہو گی۔ ایک دوسرے سے مخالفت کے بغیر کوئی توانائی بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بہت سی سطحوں پر بہت سے تضادات کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر آگے کی طرف بڑھتے ہوئے جو توانائی کی پیش قدمی ہے، اور مراجعت (REGRESSION) یعنی پیچھے کی طرف جانا۔ شعور اور لاشعور، بیرونی (EXTROVERSION) اور دوروں بینی (INTROVERSION) فکری اور محسوساتی وغیرہ۔ خدا کا کام باقاعدگی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ (یہ بات ہیرکلائیٹس (HERACLITUS) نے کئی سو برس پہلے دریافت کی تھی۔ اس کی بہت

سلو سی مثال اس طریقہ کار میں موجود ہے کہ وہ رویہ جو ایک خاص انسانی طرف جاتا ہو، آہستہ آہستہ ایک ایسی شے میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بالکل مختلف ہوتی ہے۔ شدید غصے کی کیفیت سکون میں بدل جاتی ہے۔ نفرت اکثر اوقات پسندیدگی بن جاتی ہے۔ ڈونگ کے نزدیک ہاتھ کی پیدا کرنے والا یہ تفاعل (FUNCTION) فطرت انسانی کے اندر پیداؤشی طور پر موجود ہے اور نفسیاتی عوامل کے کام کرتے رہنے کے لئے لازمی ہے۔

لیڈو کی قدرتی حرکت آگے کی طرف اور پیچھے کی طرف ہے۔ اس کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ یہ حرکت سمندری لہروں سے مماثل ہے۔ ڈونگ آگے بڑھنے والی حرکت کو جو شعور کے مطابقت کو پورا کرتی ہے پیش قدمی (PROGRESSION) کہتا ہے۔ پیچھے کی طرف جانے والی حرکت جو لاشعور کے مطالبے کو پورا کرتی ہے اس کا نام مراجعت (REGRESSION) رکھا گیا ہے۔ پیش قدمی کا تعلق اپنے ارد گرد سے ثبت تعلق پیدا کرنا ہے اور مراجعت اپنی اندرونی ضروریات سے مطابقت پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ مراجعت (بعض تقریبات کے برعکس) پیش قدمی کی ایک نارمل رفتی ہے، جس طرح سونا جاگنے کے ساتھ متعلق ہے۔ جب تک لیڈو بغیر کسی رکاوٹ کے اپنا کام کرتا رہتا ہے تو قانون ENANTRIOD ROMIN کہ تحت یہ ضروری ہے کہ یہ مراجعت بالآخر پیش قدمی میں تبدیل ہو جائے، مراجعت کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ دوسری چیزوں کی طرح توجہ کا ایک وقفہ گزارنے کے بعد غنیمت کی حالت کی طرف واپس چلی جائے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پہلی منزل کی طرف لوٹ جائے مگر ایسا ہونا ضروری نہیں کہ یہ کوئی نلکہ بات ہی ہو، یہ پہلی کی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کوشش کی جائے کہ لیڈو کو کسی حتمین اور سخت چینل (CHANNEL) میں ڈالا جائے یا اگر اجناس (REPRESSION) کے عمل نے کوئی رکاوٹ پیدا کر دی ہو یا کسی وجہ سے شعوری ہم آہنگی (ADJUSTMENT) پیدا نہ ہو رہی ہو۔ (۱) ہمارے حالات ہمارے لئے بہت ہی مشکل ہو گئے ہوں) تو پھر قدرتی پیش قدمی کی حرکت ہمارے ناممکن ہو جاتی ہے۔ لیڈو جب واپس لاشعور کی طرف ہوتا ہے تو وہ بالآخر اس بری طرح افزوہ توانائی سے بھر جاتا ہے، جو اپنا اخراج چاہتی ہے۔ شاید اس وقت لاشعور کسی رخنے کے ذریعے فنتاسیا (PHANTASY) کی صورت اختیار کرتا ہے یا پھر تخیلاتی طلبات پیدا ہوتی ہیں یا پھر اس کا اعداد بچکانہ انداز میں یا پھر حیوانی کردار میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ وہ پوری طرح شعور پر مسلط

ہو سکتا ہے، مگر اس صورت میں یہ نہایت شدید دھماکہ ہو گا یا ممکن ہے سائی کو کس (PSYCHOSIS) پیدا ہو جائے۔ جب یہ ہوتا ہے تو ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی ڈیم ٹوٹ جائے اور مختلف زمین پر سیلاب آ جائے۔ اختلال صورت حال میں جب لیبڈو اپنا اخراج پانے میں پوری طرح ناکام ہو جاتا ہے تو پھر زندگی کی ہم اہمی سے گریز کیا جاتا ہے۔ یہ صورت اختلال یا سائی کو کس میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ امراضیاتی مراجعت ہے اور نارمل مراجعت نہیں ہے۔ جو زندگی کے لئے ضروری ہے۔ انسان مشین تو نہیں ہے، جو عیش ہی اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اسے اپنے آپ سے بھی تو ہم آہنگی پیدا کرنی ہوتی ہے اور اپنی اندرونی دنیا سے بھی مطابقت پائی ہوتی ہے۔ منکوی طور پر وہ اپنی اندرونی دنیا کی طرف ہی رجوع کر سکتا ہے اور اپنے آپ سے یکاگرت پیدا کر سکتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے اپنے ماحول کی صورت حال سے بھی چٹنا ہوتا ہے۔

لیبڈو ایک قدرتی توانائی ہے، وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مقاصد زندگی کے حصول کے لئے صرف ہوتی ہے، لیکن اس کی کچھ مقدار جو قاتلو ہو جبلی ہدف حاصل کرنے پر بھی صرف کی جاتی ہے تاکہ پیداواری کاسوں میں لنگی جائے یا پھر ثقافتی ہدف حاصل کئے جائیں۔ توانائی کا یہ رخ اس وقت متعین ہوتا ہے جب بنیادی طور پر اس تبدل کو ممکن بنایا جائے، جس میں جبلی دلچسپیوں اور فطری معروض میں مطابقت پیدا ہوتی ہو۔ یہ انتقال (TRANSFER) محض ارادہ کرنے سے نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے حصول کا راستہ خاصہ پیچیدہ ہے۔ لاشعور کے اندر ایک مدت تک وضع حمل (GESTATION) کی صورت میں رہنے کے بعد، علامات یا سبیل (SYMBOL) جب جنم لیتا ہے تو وہ لیبڈو کے جانب نظر ہوتا ہے اور وہ لیبڈو کی توانائی کے بننے کے لئے جھٹل جاتا ہے۔ سبیل بھی شعوری سطح پر سوچا نہیں جاتا، وہ تو منکشف ہوتا ہے یا وجدان سے پھوٹا ہے مگر اکثر خواب کے اندر ظاہر ہوتا ہے۔

اس توانائی کی ایک مثال جو ہوتی تو جبلی ہے مگر ثقافتی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہے، ٹونگ واٹ شان ڈس (WATCHANDIS) کی بھاری تقریب کا حوالہ دیتا ہے جو زمین میں ایک سوراخ نکالتے تھے اور نسائی عضو مخصوص کی نقل میں اس کے ارد گرد جھاڑیاں ڈال دیتے تھے اور نیزے پتھر میں لے کر اس کے ارد گرد ٹاپتے تھے اور اپنے اعضائے ناسل کو شوت کے ساتھ اوپر اٹھاتے تھے اور پلی نیوا پلی نیوا داتا (3)



(PULLINIRA PULLINIRA WATAKA) پکارتے تھے۔ اس تقریب کے دوران شرکاء میں سے کسی کو اجازت نہیں ہوتی کہ وہ کسی عورت کی طرف دیکھے۔ یہ رقص جو موسم بہار کے دوران ہوتا ہے۔ غیر معمولی اہمیت کا حامل خیال کیا جاتا ہے۔ رقص کرنے والے اپنی حرکات اور ادائیگی ادائیگی کے ساتھ اپنے آپ کو وہد کی حالت میں لے آتے ہیں۔ یوں وہ ایک سحرانگیز عمل میں شرکت کرتے ہیں، وہ زمین عورت کو گتین کرتے ہیں، دوسری عورتوں کو اس لئے دور رکھا جاتا ہے کہ تاکہ ان کے لیڈو کا رخ عام جنسی عمل کی طرف نہ ہو جائے۔ زمین کے اندر کیا گیا سوراخ محض عورت کی فرج کا قلم البدل نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ایسی علامت ہوتی ہے جو زمین عورت (EARTH WOMAN) کی نمائندگی کرتی ہے، جسے عمل ٹھہرانا ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی علامت ہے جو لیڈو کو کالیا پلٹ کرتی ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کی جانی چاہئے کہ ڈونگ سہل (علامت) کے لفظ کو خاص معنوں میں استعمال کرتا ہے اور یوں وہ سہل اور سائن (SIGN) یعنی اشارے میں امتیاز کرتا ہے۔ سائن کسی حقیقی چیز کی نمائندگی کرتا ہے یا اس کا قلم البدل ہوتا ہے، جب کہ سہل کے معانی وسیع تر ہیں اور وہ نفسی حقیقت کو بیان کرتا ہے، جو بہت زیادہ قطعیت کے ساتھ بیان نہیں کی جاسکتی۔ واٹ شین ڈس زمین کے اندر جو سوراخ بناتے ہیں اس کے بارے میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ عورت کی فرج کا نمائندہ ہے۔ مگر اس کے زیادہ گہرے معانی بھی ہیں۔ یہ سائن سے بڑی چیز ہے، یہ ایک سہل بھی ہے۔

پڑانے زمانے کے لوگوں کے نزدیک جنس میں اور زمین کھودنے میں ایک گہرا تعلق ہے، جیسے کہ بہت سے افعال جیسے خاک کھیلنا، پھیلیاں پکڑنا، جنگ کرنا وغیرہ رقص اور سحر کی تقریبات کی مدد سے تیار کئے جاتے ہیں جس کا صاف اور کھلا مطلب یہ ہے کہ لیڈو ان لازمی اعمال کے لئے تیار کیا جائے۔ جس تفصیل کے ساتھ یہ تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، وہ یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قدرتی توازن کو نیا راستہ دکھانے کی ضرورت ہے۔ لیڈو کی یہ کالیا پلٹ (Transmutation) پڑیہ سہل یا علامات تہذیب کے آغاز ہی سے ہو رہی ہے اس کی وجہ کوئی ایسی شے ہے جو انسان کے اندر دور تک چلی گئی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ جنسی توازن کے ایک حصے کو الگ کر سکیں۔ پھر ہم نے ارادہ بھی تو تشکیل دے دیا ہے مگر یہ ہمارے خیال سے کہیں زیادہ کمزور ہے اور ہمیں اب تک اس امر کی

ضرورت رہتی ہے کہ ہم علامت کی طاقت کے لئے زیادہ توانائی کا رخ تبدیل کریں۔ ٹوئنگ بعض اوقات اسے اتر فیت کا قائل (Transcendent Function) بھی کہتا ہے۔ ٹوئنگ کا نظریہ لاشعور زیادہ مثبت ہے، ان نظریات کے مقابلے میں جو اس سے متعلق ہر شے کو ایسا مدفن سمجھتے ہیں جو قابل اعتراض بھی ہے اور غلط بھی ہے۔۔۔ بلکہ وہ اسے ہمارے اندر کے حیوان سے حیوان سے متعلق سمجھتے ہیں۔ یعنی وہ سارے کا سارا ایسا مواد ہے جس کو بھلا دینا ہی اچھا ہے۔ یہ درست ہے کہ چیزیں لاشعور کا حصہ بن چکی ہیں اور ہر کچھ ابھر کر شعور میں آتا ہے بکھراؤ کا شکار ہے اور بے شکل ہے، مگر لاشعور تو شعور کا رحم (Matrix) اور اس میں زندگی کے نئے امکانات کے جراثیم موجود ہیں۔ نفس کے شعوری حصے کا موازنہ اس جزیرے سے ہو سکتا ہے جو سمندر کے باہر ابھر آیا ہو۔ ہمیں تو صرف وہی حصہ نظر آتا ہے جو سمندر کے باہر ہے مگر اس سے کہیں وسیع تر مگر نامعلوم منطقہ تو نیچے پھیلا ہوا ہے۔ اس کی مماثلت بہت حد تک لاشعور سے ہو سکتی ہے۔

یہ جزیرہ انگو (EGO) ہے۔ وہ جانتا ہے، ارادہ کرتا ہے، اپنے لئے میں، استعمال کرتا ہے اور شعور کا مرکز ہے۔ لیکن وہ بھی کچھ جس کا تعلق شعور سے ہے، جو کچھ میں اپنے بارے میں اور دنیا کے بارے میں جانتا ہوں یا جو کچھ میں کر سکتا ہوں یا جس پر مجھے اختیار حاصل ہو سکتا ہے، پیشہ ہی مکمل طور پر شعوری نہیں ہوتا۔ میں بھول جاتا ہوں یا اس مواد کو جان بوجھ کر دبا دیتا ہوں، جو مجھے پسند نہیں ہوتا یا جو معاشرتی سطح پر قابل قبول نہیں ہوتا۔ (دبانے کا یہ عمل یعنی اجباس یا REPRESSION ایک مسلسل عمل ہے، جس میں جان بوجھ کر توجہ ہٹائی جاتی ہے۔ تاکہ وہ خیال، احساس یا واقعہ جسے اجباس کے عمل میں سے گزرنا ہے کم از کم شعور سے خارج کر دیا جائے اور ہم اس قتل نہ رہیں کہ اسے دوبارہ یادداشت میں لائیں۔ دبا دینے کا عمل Supression جسے بعض اوقات اجباس سمجھ لیا جاتا ہے۔ کسی بھی شے سے لازمی طور پر توجہ ہٹاتا ہے، مگر اس مقصد سے کہ کسی دوسری چیز پر توجہ کی جائے، اس صورت میں دہائی ہوئی چیز اپنی مرضی سے دوبارہ شعور میں لائی جاسکتی ہے۔) مجھے ایک طرح کا حس اور آک بھی ہوتا ہے کہ میرے پاس شعور تک جانے کی قوت کی کمی ہے اور مجھے ایسی شے کا تجربہ ہوتا ہے، جسے میں جزوی طور پر سمجھ سکتا ہوں یا جس کے بارے میں مجھے مکمل علم حاصل نہیں ہو پاتا ہے یہ ذہنی شعوری اور انکالت (Subliminal Perceptions) اجباس اور بھولی ہوئی یادداشتوں

کے ساتھ مل کر ایک ایسا سرابی علاقہ (Shadow Land) تشکیل دیتے ہیں، جو انگو سے لے کر لاشعور تک پھیلا ہوا ہوتا ہے، مگر اس کا تعلق حقیقت میں انگو کے ساتھ ہونا چاہئے یا اگر ہم اپنے دوسرے علاقہ طے کو استعمال کریں تو یہ وہ علاقہ ہے، جو ہمیشہ ہی پانی کی سطح کے نیچے نہیں ہوتا اور اسے دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ٹوٹک اس سرابی علاقے کو ذاتی لاشعور (Personal Unconscious) کا نام دیتا ہے اور اسے اجتماعی لاشعور (Collective Unconscious) سے تمیز کرتا ہے اس کی مدد سے وہ نفس کے اس حصے کو واضح کرنا چاہتا ہے، جو مکمل ترین معنوں میں لاشعور ہے۔

ذاتی لاشعور کا تعلق فرد کے ساتھ ہے کہ بچپن کی تحریکات اور خواہشات کے اجنباس سے صورت پذیر ہوتا ہے اور اس میں کشفی (Subliminal) اور اکت اور لائقاد بھولے ہوئے تجربات شامل ہوتے ہیں اور ان سب کا تعلق صرف ذاتی لاشعور ہی سے ہوتا ہے۔

ذاتی لاشعور کی یادداشتیں اگرچہ پوری طرح انسانی ارادے کے بس میں نہیں ہوتیں، کیونکہ وہ دہائے جانے کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہیں، مگر ان کو دوبارہ یادداشت میں واپس لایا جاسکتا ہے۔ (مثلاً خواب میں) مگر کبھی وہ خود اپنی مرضی سے بھی شعور میں آجاتی ہیں اور بعض اوقات اخلاقی تلازمہ یا کوئی حادثہ ان کو پھر سے روشنی میں لے آتا ہے۔ بعض اوقات وہ خواب اور فتنسیا (Phantasy) میں بہرہ بھر کر آتی ہیں، مگر بہاؤات خاص طور پر اس وقت جب وہ نیورس (Neurosis) کی وجہ سے پریشانیاں پیدا کر رہی ہوں، تو پھر ان کو نکھود کر باہر نکالنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ٹوٹک کا طریق کار یادداشتوں کے اس سلسلے کے بارے میں تفصیلی (Analytical) ہے، اس کے بارے میں ہم بعد میں تفصیل سے بات کریں گے۔

اپنے کام کی ابتدائی منازل میں ٹوٹک علاقائی ٹسٹ (Association Tests) کو بروئے کار لا کر یادداشتوں تک رسائی حاصل کرتا تھا۔ اس علاقائی ٹسٹ سے ایک خاص نفسی تفہیل سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ خیالات کے اندر یہ رجحان پلایا جاتا ہے کہ وہ کس بنیادی مرکزے (Nuclei) کے ساتھ تلازمہ بناتے ہیں اور پھر یہ علاقائی خیالات جو بری طرح رنگ آمیزی کا شکار ہوتے ہیں۔ ٹوٹک ان کو کمپلکس یا ابھمن (Complex) کا نام دیتا ہے۔ یہ مرکزہ ایک طرح کا نفسیاتی مقناطیس (Magnet) ہوتا ہے جس کے اندر یہ توانائی قندرتی ہوتی ہے اور وہ خود کار طریقے سے اپنی توانائی کے تاب سے

خیالات کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ کپیکس کے مرکزے میں دو اجزاء ہوتے ہیں۔ رخیلی (Dispositional) اور ماحولیاتی۔۔۔ اس کا تعین صرف تجربے سے نہیں ہوتا بلکہ فرد کے اس رد عمل سے ہوتا ہے جو وہ اپنے تجربے کے بارے میں رکھتا ہے۔

کپیکس شعوری چیز بھی ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جزوی طور پر شعوری ہو، اس صورت میں ہم اس کے بارے میں کچھ تو جان سکتے ہیں مگر اس کی نوعیت کے بارے میں پوری آگاہی نہیں ہوتی۔ یہ ممکن ہے کہ وہ لاشعوری ہو۔ اس صورت میں ہمیں اس کے بارے میں آگاہی حاصل نہیں ہوتی اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ موجود بھی ہے۔ مگر دونوں صورتوں میں خاص طور پر اس وقت جب کپیکس لاشعوری ہو اس کا کردار ایک آزاد شخص کی طرح ہوتا ہے اور اس کے بارے میں وہ خیالات اور اثرات جن میں وہ گھرا ہوتا ہے۔ شعور کی سطح پر آتے اور غائب ہوتے رہتے ہیں اور ان پر ہمارا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اگرچہ نفسی مواد کے بارے میں انہیں بیان کرتے ہوئے کوئی واضح امتیاز بنیادیت حد تک مصنوعی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ کچھ کپیکس ایسے ہوتے ہیں، جن کا تعلق ذاتی لاشعور سے ہوتا ہے اور کچھ اجتماعی لاشعور سے تعلق رکھتے ہیں، یہ نفس وہ اہم ہے جو تمام انسانیت کے لئے مشترک ہے۔

ذاتی لاشعور کے مقابلے میں اجتماعی لاشعور، لاشعور کی کہیں زیادہ گہری پرت ہے یہ ایک انجنا مواد ہے، جس سے ہمارا لاشعور ابھرتا ہے، اگر ہم جبلتی (Instinctive) کردار کا مشاہدہ غور سے کریں۔ تو ہم اس کے موجود ہونے کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ جبلت کی تعریف کچھ یوں کی جاسکتی ہے۔ جبلت کسی عمل کے لئے ایسی انگلیخت (Impulse) ہے جس میں کوئی شعوری تحریک (Motivation) موجود نہیں یا زیادہ کچھ یہ ہو گا۔۔۔ چونکہ بہت سی ایسی لاشعوری تحریکات موجود ہیں، جو عمل طور پر ذاتی یا فنی ہیں لہذا ان پر جبلت کی اصطلاح کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جبلتی عمل وہ ہے جو موردی ہو اور لاشعوری ہو، اور وہ ہمہ گیر طور پر باقاعدگی سے ہر جگہ وقوع پذیر ہوتا ہو۔ جبلت کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے اور تسلیم کیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے کہ ہم بعض مخصوص حالات میں عمل کے ایک خاص خاکے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ لہذا ہم یہ سمجھتے ہیں اور زندگی میں یہ تجربہ کرتے ہیں کہ ہمارا کردار تاریخ سے متعین ہوتا ہے۔ یہ کہنے سے ڈرنا کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ تجربہ اپنے طور پر موردی

ہے بلکہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ دماغ انسان کے قدیم تجربات کے اثرات کی بنا پر صورت پذیر ہوا ہے۔ اگرچہ ہماری وراثت (Inheritance) فعلیاتی (Physiological) راستوں پر مشتمل ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمارے آپ وہجہ کے ذہنی عمل نے ان راستوں کو تخلیق کیا۔ اگر فرد کے اندر یہ نشانات دوبارہ ابھر کر شعور میں آتے ہیں، تو وہ ایسا صرف ذہنی عمل ہی کی شکل میں کر سکتے ہیں اور یہ اعمال اسی صورت میں شعوری بن سکتے ہیں کہ وہ فروخت (Individuation) کے حوالے سے ابھر آئیں اور یوں وہ انفرادی آکسپ (Acquisition) محسوس ہوں، وہ بہر حال پہلے سے موجود نشانات (Traces) ہیں، جو محض انفرادی واردات (Experience) سے بروئے کار آتے ہیں۔ ہر متاثر کرنے والی واردات اسی نوعیت کا تاثر ہوتا ہے۔ ایک قدیم اور لاشعوری (سندرا کی تہہ میں)۔

یہ رہنما نئے ایک لازمہ (Necessity) بھی کہا جاسکتا ہے۔ زندگی کو اس انداز میں دیکھنا اور اس کی تفہیم اس طرح کرنا کہ اس کے ساتھ ان کی گزری ہوئی تاریخ مشروط ہو جائے ڈونگ اسے آرکی ٹیپ (Archetypal) کا نام دیتا ہے۔ آرکی ٹیپ (Archetype) فہم (Apprehension) کی پہلے سے موجود شکلیں (Forms) ہیں۔ وہ شعور سے پہلے موجود تھیں، یا پھر ان کو وجدان کی خلق یا مادرِ زاد (Congenital) حالت بھی کہا جاسکتا ہے۔۔۔۔ جس طرح جبلتیں (Instincts) انسان کو زندگی میں ایک خاص کردار پر مجبور کرتی ہیں۔ وہ مخصوص طور پر انسانی کردار ہوتا ہے۔ اسی طرح آرکی ٹیپ انسان کے وجدان اور فہم کو ان کوششوں کی طرف لے جاتی ہیں جو خصوصی طور پر انسانی ہوتی ہیں۔

آرکی ٹیپ لاشعوری ہوتے ہیں، لہذا ان کا صرف اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے۔ مگر ہم بعض مخصوص ایجنس یا تمثال کے ذریعے ہی اس سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایجنس یا درختوں کے اندر وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک زمانے میں ڈونگ ان کو اولین یا قدیم ترین تمثال (Primordial Image) کے نام سے پکارتا تھا (یہ اظہار یہ اس نے جیکب برک ہارٹ Jacob Burckhardt سے لیا تھا)۔ مگر اس کے بعد، اس نے آرکی ٹیپ کی اصطلاح کھنسی شروع کر دی اور اس میں جامع طور پر شعور اور لاشعور دونوں پہلو شامل تھے۔

اب ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اولین تمثال یا آرکی ٹیپ اس وقت ابھرے تھے جب ہزاروں برس پہلے انسان کا دماغ اور انسانی شعور حیوانی سطح سے اوپر اٹھ رہے تھے (ڈونگ تو یہ

بھی کتا ہے کہ یہ مفروضہ بنانے میں ہمارے رستے میں کوئی شے حائل نہیں ہے کہ بعض آدمی ٹانگس خود جانوروں کے ہاں بھی موجود ہیں۔ آرکی ٹائپ نتیجہ ہیں ان تحریکات کا جو بار بار وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ جس طرح سورج روز لگتا ہے اور روز غروب ہوتا ہے۔ یا موسموں کی تبدیلی جو پت بھڑ اور ہمارے صورت میں بار بار ظہور پذیر ہوتی ہے، یا پھر پادشہ جو حارہ (Torrid) کے منطقے میں بست ہوتا ہے، یا پھر پیدائش اور موت، یا سائنسی کی تلاش، خوراک کی جستجو یا خطرات سے فرار، یہ ہر حال فنتاسیا (Fantasies) ہے، تجربے کا اور اعلیٰ تصور نہیں ہے جو ہلکی رہ گیا ہو۔ اس میں خاص طور پر شکست و فتح، امید و بیم، خوشی اور غم کا وہ تاثر ہے جو ہمارے اباؤ اجداد کا تھا، وہ لوگ جنہوں نے ابھی بولنا نہیں سیکھا تھا وہ شکاری جن کا تعلق پتھر کے قدیم زمانے سے بھی پہلے کے زمانے سے ہے اور جن کے ذہن کی صلاحیت کم از کم ہماری ذہنی قابلیت کے اسکلنی طور پر قریب تھی، اس ذہن پر ظاہر ہو چکے تھے۔

آرکی ٹائپ کا تجربہ تشنل اور جذبہ (Emotion) دونوں سطحوں پر ہوتا ہے اور ان کے اثرات خاص طور پر ایسے حوامل میں نظر آتے ہیں جو اہم انسانی صورت حال ہے۔ مثلاً پیدائش اور موت، قدرتی رکاوٹوں پر قابو پانا زندگی کا کوئی عارضی زمانہ مثلاً لڑکپن، اختلال خطرات، یا مرعوب کرنے والے تجربات۔ ان حالات میں کوئی آرکی ٹائپ تشنل، ایسے تجربات سے متعلق جو کسی اور نے (Auvegne) عام میں ہوئے ہوں، وہ جدید انسانوں کے خواب میں ور آتے ہیں۔

خواب کے مسائل سے متعلق مسائل یا خوابوں کی توجیہات (Interpretation) بعد میں زیر بحث لائی جائیں گی، مگر فی الحال اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ڈونگ خوابوں کو نفس کی قدرتی اور اضطرابی پیداوار سمجھتا ہے، اور وہ اس قائل ہیں کہ ان کو سنجیدگی سے لیا جائے اور وہ خود بھی اثرات پیدا کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں، خواہ نہ ہی اس کا اندازہ ہو اور نہ ہی اسے سمجھا جائے۔ خوابوں کی زبان علامتی ہے اور وہ مسلسل تناثیل (Analogies) کا استعمال کرتی ہیں۔ لہذا وہ اکثر اوقات غیر واضح ہوتی ہیں اور بظاہر ان کا کردار معانی سے عاری ہوتا ہے۔

انسانی لاشعور کے جدید ہونے کا ایک ثبوت عام انسانوں کے خوابوں میں اساطیر (Mythologies) کے تشنل کا ہونا ہے۔ یہ وہ تشنل ہیں جن کا شعوری سطح پر اسے کبھی کوئی تجربہ نہیں ہوا ہو، یہ ثابت کرنا بعض اوقات بہت مشکل ہوتا ہے کہ ایسا کوئی علم کیا موجود رہا،

تھا (یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس بات کا امکان بہرحال موجود ہے۔ عقلی نسیان بحہ Cryptomnesia) بعض طرح کی ذہنی بیماریوں میں اسطری تھیل کی حیران کن حد تک مماثلت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر اسے کسی طرح بھی فرد کے ذاتی تجربے کے ساتھ متعلق نہیں کیا جاسکتا۔

ڈونگ اس سلسلے میں ایک مریض کی مثال دیتا ہے جو ایک ذہنی ہسپتال میں تھا اور ۱۹۰۶ء میں اس نے اس مریض میں دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ یہ شخص پاگل تھا اور کئی بار تو وہ بے حد پریشان ہو جاتا تھا مگر جب وہ ذرا سکون میں ہوتا تھا تو وہ اپنے کچھ ڈون (Vision) بتایا کرتا تھا اور بہت ہی غیر معمولی ملاحتی تھیل اور خیالات بیان کیا کرتا تھا۔ ۱۹۰۰ء تک ان ملاحتوں پر کوئی روشنی نہ ڈالی جاسکی۔ پھر ڈونگ کو یونانی پے پی راس (Papyrus) شے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ان تحریروں کو حال ہی میں پڑھا گیا تھا (Deciphered) اور ان میں بھی وہی مواد موجود تھا۔ اس بارے میں ڈونگ کہتا ہے۔

”اس مریض کا وہ ڈون جو اس نے ۱۹۰۶ء میں دیکھا تھا اور وہ یونانی متن جو ۱۹۰۰ء میں تصحیح کیا گیا تھا ان کے درمیان اس قدر زیادہ زمانی فاصلہ موجود ہے کہ ان کو عقلی نسیان کے دمرے میں نہیں لایا جاسکتا اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ میں نے ان خیالات کو بھل کر لیا تھا۔“

ڈونگ نے اسطریا دیو (MYTH) کے مطالعے پر بہت وقت صرف کیا کیونکہ وہ ان کو انسان کا بنیادی اظہار خیال کرتا تھا۔ جب کوئی دیو بن جاتی ہے اور لفظوں میں بیان کر دی جاتی ہے تو یقیناً شعور نے اس کی صورت مگر کی ہوتی ہے لیکن اسطری کی روح وہ تخلیقی اجج جس کا اظہار ان کے ذریعے ہوتا ہے اور وہ جذبات جو وہ بیان کرتی ہے یا چٹکتی ہے اور اس کے موضوعی مواد (Subject Matter) کا بہت بڑا حصہ بھی لا شعور ہی سے آیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ عام طور پر یہ لگتا ہے کہ اسطری قدرتی واقعات کو بیان کرتے ہیں۔ جیسے کہ مثال کے طور پر سورج کا طلوع ہونا یا غروب ہونا یا موسم بہار کا اپنی تمام تر زرخیزی کے ساتھ لوٹ آنا مگر ڈونگ کے خیال میں اس سے کہیں زیادہ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ خود انسان نے ان چیزوں کا تجربہ کس طرح کیا ہے۔ چنانچہ سورج کا طلوع ہونا سمندر میں سے کسی

خداوند ہیرو (God hero) کی پیدائش بن جاتا ہے۔ وہ اپنا رتھ (Charlot) آسمان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلاتا ہے، اور پھر شام کے وقت اڑدھاماں (Dragon Mother) اس کو چیں دینے کے لئے تیار کھڑی ہوتی ہے۔ جب وہ اڑدھاماں کے بیٹ میں جاتا ہے تو پھر وہ سمندر کی گہرائی کا سفر کرتا ہے، اور پھر بادِ شب (Serpent Of Night) سے خوفناک لڑائی کے بعد اگلی صبح وہ پھر سے پیدا ہو جاتا ہے، یہ بہت وسیع جگانے پر پھیلا ہوا اساطیری موضوع (Theme) ہے جو بدیہی طور پر سورج کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کے عمل کی عکاسی بھی کرتا ہے اور اس کے جواز کو بھی بیان کرتا ہے مگر اس کے ساتھ جو جذباتی مواد وابستہ ہے وہ اسے محض بیان کی سطح سے بہت اوپر اٹھا دیتا ہے۔ قدیم انسان اپنی ذات اور اپنے ماحول کے مابین واضح امتیاز نہ کر سکتے تھے۔ وہ بقل لیوی (Levy Bruhz) کی صورت حال میں رہتے تھے، جسے پراسرار شراکت (Participation Mystique) کہا جاسکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بیرونی دنیا میں ہوتا تھا وہی کچھ باطن میں بھی ہوتا تھا اور جو کچھ باطن میں ہوتا تھا وہی کچھ بیرونی دنیا میں بھی وقوع پذیر ہوتا تھا۔ چنانچہ ہیرو اس شے کا اظہار ہے، جو ان کے اندر وقوع پذیر ہو رہی ہے، جیسے کہ سورج طلوع ہوتا ہے اور آسمان پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا جاتا ہے اور رات کو آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ ان عوامل کا انعکاس (Reflection) بھی ہے اور ان کی وضاحت بھی ہے۔

چونکہ اساطیر اجتماعی لاشعور کا بلاواسطہ اظہار ہیں۔ لہذا وہ سب لوگوں اور سب زمانوں میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جب انسان تخلیق کے اساطیر کے اس عمل سے بیگانہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کا تعلق اپنی ذات کی تخلیقی قوت سے کٹ جاتا ہے۔ مذہب، شاعری، نوک و ریش اور پریوں کی کہانیاں اس صلاحیت پر انحصار کرتی ہیں، تمام مذاہب میں آرکی ٹائپ ہی اپنی نوعیت کا مرکزی مواد ہیں، مگر اساطیر کی طرح شعور نے بھی اس مواد کی صورت گری میں حصہ لیا ہے، قدیمی مسکوں (Cults) یہ فصران مذاہب سے کہیں زیادہ موجود ہے، جو اعلیٰ سطح کے ہیں اور زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اجتماعی لاشعور کا زیادہ بلاواسطہ اظہار اس وقت ہوتا ہے جب آرکی ٹائپ یا قدیم ترین قماشیں یا تو خوابوں میں آتے ہیں یا ذہن کی غیر معمولی حالتوں میں یا پھر نفسی طور پر مریضانہ فنتاسیا (Fantasy) میں۔ پھر ان قماشیں میں اپنی ہی قوت اور توانائی ہوتی ہے۔ وہ حرکت بھی



کرتی ہیں اور بولتی بھی ہیں، انہیں اور اک بھی ہوتا ہے اور ان کے مقاصد بھی ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں بھاتی ہیں اور ہمیں عمل کی طرف لے جاتی ہیں حالانکہ وہ مکمل طور پر ہمارے شعوری ارادوں کے خلاف ہوتا ہے۔ وہ تجزیاتی اور قہیری دونوں ہی عوامل کو تیز تر کر دیتی ہیں۔ وہ آرت کا شاہکار بناتی ہیں اور اجتماعی، بیزچال کو بھی فروغ دیتی ہیں، کیونکہ یہ وہ چھپا ہوا غزائے جس سے انسانیت نے بیش اور ہر طرح بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ وہیں سے اس کو دہتا اور بھوت پرست (Demons) ملے اور وہیں سے ان اعلیٰ خیالات کا حصول بھی ہوا ہے جس کے بغیر انسان انسان نہیں کہلا سکتا لہذا ڈونگ کے خیال میں لاشعور کوئی کوڑا دان نہیں ہے، جس میں انسان اپنا کوڑا کرکٹ پھینکتا ہو، بلکہ وہ تو شعور کا منبع ہے جس سے انسان کی قہیری تجزیاتی انگلیں جنم لیتی ہیں۔

اجتماعی لاشعور کی تعریف کرنا (Define) ناممکن کو ممکن بنانے کے مترادف ہے، نہ تو ہم اس کی حقیقی حدود کا اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی اصل فطرت کو جان سکتے ہیں، جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ محض یہ ہے کہ ہم اس کے مظاہر (Manifestations) کا مشاہدہ کریں، ان کو بیان کریں، اور جہاں تک ممکن ہو ان کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ڈونگ کی نفسیات کا زیادہ حصہ یہی کچھ ہے۔ آرکی ٹائپ کے بارے میں وہ کہتا ہے۔ ”بلاشبہ ہمارا خیال بھی انہیں پوری طرح اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا کیونکہ اس نے کبھی ان کو انکوار نہیں کیا۔“ تاہم یہ ممکن ہے کہ بہت سی اشکال کو ایک دوسرے سے الگ کیا جائے۔ خاص طور پر وہ جو خواہوں اور کمائیوں میں بار بار ظاہر ہوتی ہیں اور انسانوں کے لئے خصوصی اہمیت رکھتی ہیں، اور جن کا تعلق تدریجی متوازیوں (Parallels) کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے، اس تعلق میں وہ اساطیر بھی شامل ہیں جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ گہرے حقیقی مطالعے کے بعد ڈونگ نے بعض ایسے آرکی ٹائپس کی نشاندہی کی ہے جو انسانی خیالات اور کردار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان نام پر سونا (Persona) سلیا، شیڈو (Shadow) انیا (Anima) اور اپنی سس (Animus) یا پھر پڑھا (Old Wiseman) دھرتی ماں (Earth Mother) اور سلف یا ذات (Self) رکھا ہے۔

یہاں ایک بار پھر ہمیں یہ یاد کرنا ہے کہ جب ہم اجتماعی لاشعور کے آرکی ٹائپس کی بات کرتے ہیں تو ذہن کے اندر کوئی الگ الگ خاتمے بنے ہوئے نہیں ہوتے اور آرکی ٹائپ کے

ذاتی یا انفرادی پہلو ہی ہو سکتے ہیں۔ اپنا تفصیل مشروط ہے اس طویل تجربے کے ساتھ جو مرد، عورت یا عورتوں کے بارے میں رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ ذاتی تجربہ بھی منسلک ہے جو انسان عورت یا بہت سی عورتوں کے بارے میں رکھتا ہے۔ مگر بعض آدمی ٹائپ ذاتی ہونے سے کہیں زیادہ اجتماعی ہوتے ہیں اور دوسرے، پر سونا اور شیڈو کی طرح زیادہ تر ذاتی عناصر کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ بات اس وقت واضح ہوتی ہے جب ان آدمی ٹائپس کو زیادہ تفصیل میں بیان کیا جائے مگر اس تفصیل میں جانے سے پہلے ہمزہ ہو گا کہ ہم ڈونگ کی تحریروں کا مطالعہ شعوری ذہن کی ساخت کے حوالے سے کریں۔

## حواشی

۱۔ لاشعور کے موجود ہونے کی تصدیق اب جامع طور پر طرزاتی ٹسٹ (Association Test) پر مبنی مطالعے سے کی جا سکتی ہے۔ اس کا مواد ہائپنوس (Hypnosis) تارکوسس (Narcosis) اور تحلیل خواب (Dream Analysis) سے حاصل ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وہ عوامل جن میں دو شخصیت (Dual Personality) تعامل فرماتیں (Functional Disturbances) اور ذاتی اور اعصابی لتور (Disorder) کا اجناس (Dissociation) مگر اس بحث کو موجودہ کتب میں شامل کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اگر مزید مطالعے کی ضرورت ہو تو (Essence Of Psychology) کو دیکھا جائے۔ ڈونگ کے Collective Papers جلد ۱۔

۲۔ لوبڈو ایک لاطینی لفظ ہے جس کا مطلب مکمل طور پر جنسی معافی کا حاصل ہونا نہیں ہے (اگرچہ اسے اکثر اوقات انہی معافی میں استعمال کیا جاتا ہے) اس کا مطلب عمومی معنیوں میں خواہش، آرزو یا انگیزش (Urge) ہوتا ہے۔

۳۔ اس کا لاطینی ترجمہ Non Fossa Non Fossa, Sed Cunnus رکھا گیا۔ میں لاطینی تو نہیں جانتا ایک دوست کے ساتھ ملی کر انداز کیا گیا اس کا مطلب یہ بنتا ہے 'لا لجز' لا لجز' جاگ فرج۔

### The Psychological Foundations Of Belief In Spirits

(Collected Work) جلد آٹھ - کپلکس کے موجود ہونے کا اندازہ ملازمت کے تجربے کی مدد سے بہت آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ اور یہ تجربہ کیا بھی بہت سادہ انداز میں جاتا ہے۔ جس شخص کا امتحان لینا مقصود ہو، تجربہ کرنے والا اس کے سامنے بعض الفاظ پڑھتا ہے اور جو امتحان دے رہا ہو اسے فوری طور پر یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں کیا آتا ہے یہی اس کا ملازمہ ہے۔ رد عملی وقت (Reaction Time) وہ وقت جو تجربہ کرنے والے کے لفظ پڑھنے اور امتحان دینے والے کے جواب کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی پیمائش ایک شاپ وایچ کی مدد سے کی جاتی ہے۔ عام طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ عام سادہ سے لفظ کے رد عمل میں بس تھوڑا سا وقت لگے گا اور مشکل اور کیمپ الفاظ کے رد عمل کے لئے زیادہ وقت درکار ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وجہ سے رد عملی وقت میں جو فرق پڑتا ہے وہ دوسری اہم وجوہات سے کہیں زیادہ مختلف ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض سادہ تحریر کی الفاظ کے رد عمل کو بڑے کاروائے کے لئے طویل وقت کی غیر معمولی ضرورت پڑ جاتی ہے مگر جاتی سادہ الفاظ کے رد عمل میں کوئی وقت بالکل ہی نہیں لگتا۔ جب امتحان دینے والے کی انفرادی نفسیات کا مطالعہ کمرہ میں کیا جائے تو یہ کھلتا ہے کہ طویل وقت کے وقفے کی وجہ کوئی ایسی جذباتی مداخلت ہوتی ہے جس کا تعلق یا تو محرک لفظ سے ہوتا ہے یا پھر دینے جانے والے جواب سے، جذبات کا انحصار بیشہ اس حقیقت پر ہوتا ہے کہ محرک لفظ کا واسطہ کسی کپلکس کے ساتھ ہے۔

۴۰ اگر بالکل ہی ٹھیک ٹھیک بات کی جائے تو کپلکس کا تعلق دونوں منطقوں یا اقلیموں سے ہوتا ہے۔ مادر کپلکس (Mother Complex) مثل کے طور پر اپنی دیر تک ذاتی ہوتا ہے، جب تک اس کا تعلق ہماری جسمانی ماں سے ہو اور اس وقت اجتماعی ہو جاتا ہے جب اس کا تعلق آرکی ٹائپ ماں (Archetypal Mother) سے ہوتا ہے۔

۴۱ کرسٹوف جیکب برک ہارٹ (Christoph Jacob Burckhardt) (۱۸۱۸-۸۷) سوس آرٹ اور کلچر کا تاریخ دان تھا وہ ایک پروفیسر پادری کا بیٹا تھا اس نے برلن اور یون کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۸۳۳ء کے بعد سے وہ ہسٹل یونیورسٹی میں لکچر دینے لگا اور پھر ۱۸۵۸ء میں تاریخ کا پروفیسر بنا دیا گیا اس کے تین برس بعد وہ زیورخ (Zurich) چلا گیا اس کا اہم ترین کام The Civilization Of The Renaissance In Italy (اٹلی میں نشاۃ ثانیہ کی تہذیب) ہے۔

(۱۸۶۰ء) یہ بعد میں نکلی جانے والی تاریخوں کے لئے ایک مثالی نمونہ بن گیا کیوں کہ اس نے جامع انداز میں اور بڑے منظم طریقے سے اس عہد کا تجزیہ کیا تھا۔

کئی بھی شے جو پڑھی گئی ہو، دیکھی گئی ہو، یا سنی گئی ہو اور بعد میں بھول جائے، پھر وہ لاشعوری طور پر ظاہر ہو جائے۔

شہر لہذا نرمل جیسا آہلی پورا، جو سچ (Sage) گھاس کے خانہ دان سے تعلق رکھتا ہے۔ ہنوبی یورپ، شام اور افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ اس کے پھل، پھولوں کے پتھروں کے اندر ہوتے ہیں۔ ایک کانڈ جو قدیم باشندے اس پودے کی ذمخروں سے بناتے تھے اور 2400 قبل مسیح میں بھی مصر میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کانڈ پر نکلی ہوئی قدیم دستاویز یا خطوط۔

## نفسیاتی اقسام

شعوری ذہن میں کے بارے میں ڈونگ کا حصہ زیادہ تر اس کی کتب نفسیاتی اقسام (Psychological Types) میں موجود ہے۔ انسانوں کی جماعت بندی مختلف اقسام میں کرنا طویل تاریخ رکھتا ہے۔ کوئی دو ہزار برس ہوئے ایک یونانی طبیب جالینوس (Galen) نے انسانوں کو مزاج کے لحاظ سے چار اقسام میں تقسیم کرنے کی کوشش کی تھی، اور اس بیان میں جو اصطلاحات استعمال ہوئی تھیں (اگرچہ نفسیاتی اعتبار سے وہ غیر متعلق ہیں) دوسری مزاج (Sanguine) بلغمی مزاج (Phlegmatic) صفراوی یا گرم مزاج (Choleric) سوداوی مزاج (Melancholic) پر مشتمل تھیں اور یہ اب ہماری روزمرہ کی گفتگو کا حصہ ہیں۔ ایسی بہت سی کوششیں موجود ہیں، جن میں جدید علم کو یہ نظر رکھتے ہوئے اقسام بنائی گئی ہیں، مثال کے طور پر کرسچ مر (Krestchmer) کی تشکیل دی ہوئی تقسیم ہے، اور پھر ڈونگ کی کی ہوئی تقسیم جس میں اس نے انسانوں کو درون میں (Introvert) اور بیرون میں (Extrovert) میں تقسیم کیا ہے، اب تک خاصی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اگرچہ اسے پوری طرح سمجھنا نہیں گیا۔ ڈونگ زندگی کے بارے میں دو مختلف رویوں میں امتیاز کرتا ہے، یہ دو طریقے ہیں جن کے ذریعے اپنے ارد گرد کے حلقے میں رد عمل ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں ڈونگ کا خیال ہے کہ یہ تقسیم خاصی واضح ہے اور ہر جگہ اس کی کارفرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔ وہ کہتا ہے :

”انسانوں کی ایک پوری جماعت ہے جو کسی خاص صورت حال کے رد عمل میں یوں گریزاں ہو جاتی ہے۔ جیسے وہ اسے نہیں کہہ رہی ہو اور پھر اس کے بعد وہ کسی رد عمل

کا انحصار کرتی ہے۔ دوسری طرف ایک ایسی جماعت بھی ہے جو اس صورت حال میں آگے آتی ہے اور اس کا یہ رد عمل فوری ہوتا ہے اور انہیں اس بات کا پورا یقین ہوتا ہے کہ ان کا رد عمل درست ہے۔ چنانچہ پہلی جماعت کا کردار ایسا ہے کہ وہ مسموم (Object) کے سلسلے میں منفی رد عمل رکھتا ہے اور دوسرے کا رد عمل مثبت ہوتا ہے۔ پہلی جماعت دروں جنوں کی ہے اور دوسری جماعت بیرون میں روپے کی حامل ہے۔<sup>۴۰</sup>

(جدید انسان روح کی تلاش میں)

بیرون جنی کا رویہ اس امر کا فراز ہے کہ لیبیدو (Libido) کا رخ باہر کی طرف ہے، انسان واقعات میں دلچسپی لیتا ہے، پھر اسے لوگوں اور چیزوں کے ساتھ تعلق بھی عزیز ہوتا ہے اور وہ ان پر انحصار بھی کرتا ہے، جب یہ رویہ کسی کی عادت بن جاتا ہے تو ڈونگ اسے بیرون بین (Extrovert) کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہ قسم بیرونی عناصر سے اثر قبول کرتی ہے اور اپنے ماحول سے بے حد متاثر ہوتی ہے۔ بیرون میں قسم معاشرتی یا سوشل ہوتی ہے اور غیر ماحول میں بھی انجینیت محسوس نہیں کرتی۔ وہ خواہ مرد ہو یا عورت دنیا سے اس کے تعلقات بہتر سطح پر ہوتے ہیں اور جب وہ اس سے اختلاف بھی رکھتی ہو تو اس کے باوجود بھی اس کا تعلق کمزور نہیں پڑتا، گریز ان ہونے کی بجائے (جیسی کہ اس کی مخالف قسم ہوتی ہے) وہ لڑتا اور الجھتا پسند کرتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ دنیا اس کی مرضی کے مطابق ہو جائے۔

درون جنی کے رویے میں اس کے برعکس، لیبیدو کا رخ اندر کی طرف ہوتا ہے اور توجہ ذاتی عناصر پر مبذول ہوتی ہے۔ اثر انداز ہونے والا عنصر یا منفی ضرورت ہوتی ہے۔ جب یہ رویہ عادت کی شکل اختیار کرے تو ڈونگ اس کو درون بین (Introvert) کے نام سے پکارتا ہے۔ اس قسم کو دوسروں کے ساتھ رشتوں اور چیزوں پر اعتبار نہیں ہوتا، اور یہ غیر سوشل ہوتی ہے اور عمل کی بجائے فوض (Reflection) پر زیادہ توجہ مبذول کرتی ہے۔ اس قسم کے افراد دوسروں کو کم اہمیت دیتے ہیں، اور اپنی مخالف اقسام میں مثبت قدروں کی بجائے منفی اقدار تلاش کرتے ہیں اور اس عادت کی وجہ سے بیشتر غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایک خاص وقت گزرنے پر ان کے ہاں کوئی معاندانہ فلسفہ بھی تشکیل پا جاتا ہے، وہ نفسیاتی تصادم

(Conflict) کے بھی شکار ہو جاتے ہیں، زندگی کے ہارے میں ان کا رویہ مختلف ہوتا ہے اور ان کی اقدار (Values) بھی جدا گانہ ہوتی ہیں۔

مغرب میں ہم بیروں جینی کے رویے کو فزیت دیتے ہیں اور اسے اچھی اچھی اصطلاحوں کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں، وہ بہت چلتا پھرتا ہے، معاشرے سے چوری طرح مربوط ہے۔ جبکہ اردوں بین کے رویے کو ہم خود پندی بلکہ اکثر اوقات افسردہ دلی (Morbidly) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مشرق میں کم از کم ماضی قریب تک اردوں جینی کا رویہ کہیں زیادہ مروج رویہ تھا اس بنیاد پر ہم مغرب کے نصف کرے کی بادی اور تکنیکی ترقی کو بھی بیان کر سکتے ہیں اور اس کے برعکس مشرق کی بادی غربت ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی روحانی ترقی بھی ہے۔

نفسیاتی اقسام میں ڈونگ ان دونوں رویوں کے اثرات کو تاریخی حوالے سے بیان کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ان رویوں نے کس طرح نفسیات، تعلیمات اور مذہبی ارتقاء میں حصہ لیا۔ پھر وہ ان کے اثرات شاعری، جمالیات اور پلاٹر نفسیات میں بھی تلاش کرتا ہے، اس کے خیال کے مطابق نفسیات کے مختلف مکاتب فکر میں جو فرق ہے۔ اور خاص طور پر فرائیڈ (Adler) اور خود اس میں، وہ بنیادی رویوں کا فرق ہے۔ فرائیڈ کا رویہ بیروں جینی کا رویہ ہے کیونکہ وہ کردار سازی کے لحاظ عمل کو باہر کے لوگوں اور واقعات سے متعلق کرتا ہے۔ فلاں کا رویہ اردوں جینی کا رویہ ہے، کیونکہ وہ باطنی رویے کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور حصولِ قوت کے ارادے (Will To Power) کی بات کرتا ہے۔ خود ڈونگ کے رویے کو بھی اردوں جینی کا رویہ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جس عنصر میں ڈونگ کی دلچسپی سب سے زیادہ ہے اس کا تعلق اندرونی دنیا سے ہے۔ خاص طور پر اجتماعی لاشعور سے۔

اس کوشش میں کہ انسانوں کو ایسی اقسام میں تقسیم کیا جاسکے جو پہچانی جاسکتی ہوں۔ ڈونگ کا تعلق شعور کی نفسیات سے ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو بیروں میں یا اندروں میں کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شعوری سطح پر اس کا تعلق ایک قسم سے ہے یا دوسری قسم سے۔ ایک متوازن رویے میں اندروں میں اور بیروں میں کے رویے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مگر اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک رویہ کو ترقی مل جاتی ہے مگر دوسرا لاشعور میں رہ جاتا ہے مگر یہ لاشعوری رویہ کبھی نہ کبھی اپنا اظہار ضرور کرتا ہے اگرچہ یہ اظہار کمتر سطح کا ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص جو عام طور پر خاموش طبع اور تنہائی پسند ہو یعنی اندروں میں ہو وہ کسی ایسی بات پر جس میں اس کو واقعی دلچسپی ہو بہت زیادہ سرگرمی دکھائے مگر اس کے باوجود بھی اس کا تعلق اپنے ارد گرد سے ویسا گہرا نہیں ہو گا۔ جیسا کہ ایک بیروں میں کا ہوتا ہے۔ وہ کسی ایسے خاص شخص سے نایاب چرچے کے بارے میں بات کرے گا۔ جس کو ان سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں ہو گی یا وہ کسی اکتائے ہوئے مسلمان کو قدیم مخطوطے (Manuscripts) دکھائے گا۔ جس کو یہ اندازہ بھی نہیں ہو پائے گا کہ اس کو ڈکھاؤ میں رکھ کیا ہے۔

دروں میں تفریق ابتدائی زندگی ہی سے واضح ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس بات یقین کرنے کے جواز بھی موجود ہیں کہ ان کو پیدا کنٹی سمجھ لیا جائے۔ ایک ہی خاندان میں دروں میں اور بیروں میں بچے دیکھے جاسکتے ہیں۔ بعض اوقات مؤخر الذکر قسم کے لئے خاص الجھن کا باعث ہوتے ہیں جو اپنے ایسے بہن بھائیوں سے جو زیادہ میل جول رکھنے والے ہوں خاصہ پریشان رہتا ہے۔

”سب سے پہلے جس علامت سے ایک بیروں میں بچے کو پہچانا جاسکتا ہے جو اپنے ماحول کے ساتھ اس کا مطابقت پیدا کرتا ہے اور یہ بھی کہ وہ مختلف چیزوں کو کیا اہمیت دیتا ہے اور ان پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ چیزوں کے سلسلے میں شرمیلہ پن بہت کم ہوتا ہے۔ وہ بڑے احمق کے ساتھ چیزوں کے درمیان رہتا ہے اور حرکت کرتا ہے۔ اس کا اوراک بہت تیز ہوتا ہے مگر احمق (HAPHAZARD) ہوتا ہے۔ ظاہر کہ اس صورت میں اس کی پیش قدمی بیروں میں بچے سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہوتی ہے کیونکہ وہ کم محتاط ہوتا ہے اور اصولی طور پر بے خوف اور بڑبڑ ہوتا ہے۔ بظاہر وہ اپنے اور اشیاء کے درمیان میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتا فقط وہ آزادی کے ساتھ ان سے کیل سکتا ہے اور ان کی مدد سے تربیت حاصل کر سکتا ہے جو جس کام کا بھی ارادہ کرے اسے آخر تک لے پاسکتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے وہ خطرات بھی منہ لے لیتا ہے، ماحول اس کے لئے اشتیاق کا باعث بن جاتا ہے۔“

اس قسم کے بچے والدین اور اساتذہ میں بہت مقبول ہوتے ہیں، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ماحول سے مطابقت پیدا کر چکے ہیں اور ان کو ذہن تر سمجھا جاتا ہے خواہ وہ حقیقی



طور پر اتنا ذہین نہ بھی ہوں، نشوونما اور ترقی پذیری کے زمانے میں ایسے بچوں میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بارے میں بہتر تاثر قائم کریں۔

دروں میں بچہ شرمیلا ہوتا ہے، ہنگامہ باز کا شکار ہوتا ہے، اسے نئی صورت حال پسند نہیں ہوتی، وہ نئی اشیاء کا سامنا بھی بہت محتاط ہو کر کرتا ہے۔ بعض اوقات اس میں خوف بھی شامل ہوتا ہے، وہ اکیلے ہی کھیلتے رہنے کو فوقیت دیتا ہے، دوست بھی بنائے تو زیادہ نہیں بناتا، ایک آدمی پر ہی اتکا کرتا ہے، چونکہ وہ وسیع جاننے پر تمنا رکھتا ہے، اس لئے ایسے بچے کے والدین اس کے بارے میں تشویش کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر وہ ویسے ہی نارمل (NORMAL) اور ذہین ہوتے ہیں، جیسے کہ بچوں کی دوسری اقسام، وہ سوچنے، سمجھنے والے اور غور و خوض کرنے والے ہوتے ہیں اور عام طور پر ان کی زندگی عقلیہ سے معمور ہوتی ہے، ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ان کو بظاہر نظر نہ آنے والے حصے کو ترقی دینے کا موقعہ فراہم کیا جائے اور انہیں دنیا کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے کچھ وقت فراہم کر دیا جائے۔

بچوں میں فوج ان لئے بننے والے ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو آگے بڑھ کر ملتے ہیں، وہ ہر شے اور تمام چیزوں میں دلچسپی رکھتے ہیں، ایسے گروہ کا فوج ان تنظیموں، گروہوں اور معاشرتی اجتماعات کو پسند کرتا ہے اور پارٹیوں میں حصہ لیتا ہے اور عام طور پر فعال اور مجموعی طور پر مددگار ہوتا ہے، یہی وہ قسم ہے جو ہماری معاشرتی زندگی کو سرگرم رکھنے میں نہایت نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ بچوں میں دانشور بھی ایسی ہی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ کام کرنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنی تعلیمات اور خیالات کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور ایسا کرنا ان کا پسندیدہ شغل ہوتا ہے اور دنیا کے ساتھ ان کا پسندیدگی کا رویہ ان کو ایسا کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

بچوں میں لوگ رجحانیت پسند (Optimists) اور ذوق و شوق رکھنے والے ہوتے ہیں، اگرچہ ان کا یہ ذوق و شوق زیادہ دیرپا نہیں ہوتا، یہی بات دوسروں کے ساتھ ان کے تعلق کے بارے میں بھی درست ہے۔ تعلقات جلدی جلدی بناتے ہیں اور اسی انداز سے توڑ بھی دیتے ہیں۔

بچوں میں یہ کمزوری اس رجحان کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ سلیمت کا شکار ہوتے ہیں، ان کا ذوق و شوق زیادہ دیر تک قائم رہتا والا نہیں ہوتا، اپنا بہتر تاثر قائم کرنے کے لئے ان

کو لوگوں کی موجودگی پسند ہوتی ہے اور وہ لوگوں کے درمیان وقت گزارنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ وہ تمنا کی پسند نہیں کرتے اور سوچتے رہنے کو مریضانہ عمل خیال کرتے ہیں اور پھر ان کے اندر خود تنہائی کا رتھان بھی نہیں ہوتا۔ لہذا وہ بیرونی دنیا کے لئے زیادہ قابل قبول ہوتے ہیں مگر یہ مقبولیت خاندانی سطح پر کمزور ہوتی ہے اور ان کے قریبی دوست بھی جو ان کو اچھی طرح جانتے ہیں ان کے اصل بہروپ کو پہچانتے ہیں۔ چونکہ ان کی مطابقت معاشرے کے ساتھ ہوتی ہے لہذا وہ اپنے زمانے کی اخلاقیات اور رواجوں کو قبول کر لیتے ہیں، لہذا وہ اپنے آراء میں روایت پسند ہو جاتے ہیں، لیکن تاہم وہ معاشرتی زندگی کے لئے سب سے زیادہ کار آمد اور مطلقاً لازمی لوگ قرار پاتے ہیں۔

اس کے برعکس دروں میں نوجوان جلوت کو پسند نہیں کرتے اور تمنا کی محسوس کرتے ہیں اور بڑے بڑے اجتماعات میں خود کو کم کردہ محسوس کرتے ہیں، وہ حساس ہوتے ہیں اور یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ کھوئے کھوئے نظر آئیں، لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ وہ معاشرتی صورت حال سے مطابقت محسوس ہی نہیں کرتے، وہیں وہ گم شدہ نظر آتے ہیں یا پھر بہت زیادہ منہ پھٹ ہو جاتے ہیں یا پھر اگر وہ بہت زیادہ نرم خو یا نرم گفتار ہو جائیں تو بھی وہ کھوئے کھوئے سے نظر آتے ہیں۔ ان کے اندر یہ رتھان ہوتا ہے کہ وہ خود کو بہت زیادہ خمیر زدہ، قنوطیت پسند یا پھر عیب جو ظاہر کریں۔ وہ زیادہ تر اپنی خصوصیات کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھتے ہیں، لہذا قدرتی طور پر ان کے بارے میں غلط اندازے لگائے جاتے ہیں۔

چونکہ وہ اپنی بہترین خصوصیات کا انحصار ہمدردانہ ماحول ہی میں کرتے ہیں، لہذا ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے، اس رویے کے نتیجے کے طور پر وہ اپنے ہمسروں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوتے، چونکہ وہ اپنی توانائی دوسروں کو متاثر کرنے پر خرچ نہیں کرتے اور معاشرتی تعلقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیتے، لہذا اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ ان کے پاس ایسا علم ہو جو غیر معمولی نوعیت کا ہو اور انہوں نے کوئی ایسی خوبی اپنے اندر پیدا کر لی ہو جو عام معیار سے بہت بلند ہو۔

دروں میں لوگ جب اکیلے ہوتے ہیں، تو اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں یا پھر پھونے اور قریبی حلقوں میں، جو مٹنگو اور کتابوں کے سلسلے میں اپنے خاص خیالات رکھتے ہیں اور شور شرابا کرنے کی بجائے خاموشی سے کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، ان کی اپنی رائے

عام طور پر قبول شدہ رائے ہے، انہیں کہیں زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ دونوں میں محض اس لئے بھی کتب کو پڑھنے سے انکار کر سکتا ہے کہ وہ کتاب مقبول ہو چکی ہے اور وہ ہر اس شے کے بارے میں بری رائے رکھ سکتا ہے، جو وسیع پیمانے پر قبول کی جاتی ہو، رائے کے سلسلے میں یہ انفرادیت اور روایت پسندی قبول نہ کرنے کا رویہ اس وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب اس کی صحیح تعلیم کی جائے اور اسے عملی استعمال میں لایا جائے۔ اس کے باوجود کہ لوگ ان کے بارے میں بہت اچھی رائے نہیں رکھتے، وہ بہرہ ور اور وفادار ساتھی بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بد قسمتی سے دونوں اقسام ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں اور محض دوسرے کی کمزوریاں ہی تلاش کرتے ہیں۔ لہذا بیرونی بین کے لئے اندرونی بین خود پرست اور شک مزاج ہے۔ جبکہ اندرونی بین بیرونی میں کو سلی اور غیر مخلص خیال کرتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ دونوں کے فرق غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں اور شادی شدہ زندگی کو مشکل بنا دیتے ہیں، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ دونوں میں یہ رجحان چلا جاتا ہے کہ وہ اپنی مخالف قسم کے ساتھ شادی کریں۔ ہر ایک یہ توقع کرتا ہے کہ دوسرا زندگی کے اس رخ کو سنبھالنے کا بس میں وہ سہولت محسوس نہیں کرتا، وہ مرد جو خاموش رہنا پسند کرتا ہو، سوچتے رہنے کا عادی ہو، ایسی بیوی چاہتا ہے جو خوش باش ہو اور عملی ہو، تاکہ وہ ایسے سوشل انجمن کرے جو اسے اس کے کاروبار یا نوکری میں مددگار ثابت ہوں اور شریکی اور الگ تھلک رہنے والی عورت ایسا خاندان پسند کرتی ہے کہ وہ اس کو گھر پر اکیلا چھوڑ دے، مگر خود دنیا کے جمیلوں میں پوری طرح مصروف ہو جلیا کرے۔ اس وقت تک سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہتا ہے جب تک معلومات کا تعلق زندگی کی ضرورتوں سے مطابقت پیدا کرنا ہوتا ہے یا پھر مالی پوزیشن کو مستحکم بنانا ہوتا ہے یا جب خاندان کی تعمیر ہو نظر ہوتی ہے۔ جب تک وہ اس سطح پر مطمئن رہیں (خواہ ایسا صرف دکھانے کے لئے ہی ہو) یہ ایک مثالی شادی نظر آتی ہے لیکن اگر وہ صحیح معنوں میں فہم و تعلیم کا حصول چاہیں یا گہری رفاقت کے خواہش مند ہوں تو مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہر کوئی مختلف زبان بولتا ہے اور ہر ایک کے لئے دوسرے کی قدر مختلف قدر میں جاتی ہے۔

پھر دونوں ایک دوسرے کی دلچسپیوں پر نکتہ چینی شروع کر دیتے ہیں، ایک دوسرے کے نقائص نکالتے ہیں، ایک دوسرے کے دوستوں سے اس بارے میں گفتگو چلتی ہے۔ ایک کو شش کرتا ہے کہ دوسرے کو الجھن میں ڈال دے یا پھر اپنے ساتھی کی بے مبری کا گدہ کرنا

ہے۔ ہر ایک کو شکایت ہوتی ہے کہ اسے سمجھا نہیں جا رہا یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی خود رچی کا شکار ہو جائے اور کسی ایسے کی تلاش شروع کر دے جو اس سے ہمدردی رکھتا ہو اور اس کی بات کو سمجھتا ہو۔ یا کم از کم دکھائے ہی کے لئے ایسا کرتا ہو، پھر غیر محسوس طور پر شیخ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور دو اقسام ایک دوسرے کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتی ہیں۔

بعض اوقات صبر اور برداشت اور یہ کوشش کہ ایک دوسرے کی قدر و قیمت کو سمجھا جائے اس شیخ کو پائ دیتی ہے یا کم از کم وقتی طور پر ایسا ہو جاتا ہے۔ مگر اکثر اوقات لڑائی میں شدت آ جاتی ہے اور زہریلی جنگ شروع ہو جاتی ہے، خواہ بغیر ٹوئنگ یہ کبھی کبھ پوری رازداری اور غلوں کے ساتھ ہی کیوں نہ کیا جائے۔ اس مسئلے کا صحیح حل دونوں کی شخصیت کے ارتقاء کے ان مسائل میں پوشیدہ ہے جو اکثر اوقات نفسیاتی مدد کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ دروں بچی اور بیروں بچی کے مابین جو امتیازات تلاش کئے جاتے ہیں وہ شخصیت کے ان تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتے، جو مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں، دروں بچن کسی خاص راستے پر چلنے سے گریز کرتا ہے یا پیچھے ہٹ جاتا ہے، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرا دروں میں بھی یہی کچھ کرے۔ بیروں میں اپنی دانش، احساسات، حس اور آگ یا وجدان کی مدد سے دنیا کے ساتھ رشتہ استوار کرتا ہے۔ ہر ایک بھائی اس جدوجہد میں وہی کچھ استعمال میں لاتا ہے جسے ٹوئنگ نے ”سب سے زیادہ ترقی یافتہ تفاعل“ (Most Developed Function) کا نام دیا ہے۔

ٹوئنگ کا خیال ہے کہ دنیا سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے، ہم چار تفاعل استعمال میں لاتے ہیں (انہی کا تعلق ہماری پانچوں دنیا سے بھی ہوتا ہے)۔ خمس (Sensation) وہ ادراک ہے جو حیات (Senses) کی مدد سے ہوتا ہے، فکر (Thinking) جو معانی اور تقسیم عطا کرتا ہے۔ احساس (Feeling) جو قوت ہے اور قدر و قیمت متعین کرتا ہے، اور وجدان (Intuition) جو ہمیں مستقبل کے امکانات سے آگاہ کرتا ہے اور ہمیں اس فضا کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے، جو ہمارے تمام تجربات کو گھیرے ہوئے ہیں۔

جب کوئی رد عمل عادت کی صورت اختیار کر لیتا ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ اب وہ خاص قسم (Type) ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو دوسروں سے کہیں زیادہ سوچتے اور فکر کرتے ہیں، جو فیصلہ کرتے وقت اپنی سوچ کو بنیاد بناتے ہیں، جو چیزوں کے بارے

میں فکر کرنا پسند کرتے ہیں، جو فکر کو انسانی خواص میں سے سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، ایسے لوگ دروں میں بھی ہو سکتے ہیں اور بیروں میں بھی اور اس کی وجہ سے ان کے خیال کا بنیادی مواد متاثر ہوتا ہے، بیروں میں ان کے خیال کا رخ بیرونی دنیا کی طرف ہوتا ہے، وہ حقائق اور مادی مواد میں دلچسپی رکھتے ہیں، اور جہاں تک خیالات کا تعلق ہے وہ یا تو روایت سے آتے ہیں یا اپنے زمانے کے ماحول سے۔ ان کا ابھرنے کا نام اس شے سے متعلق ہوتا ہے جس کو حقیقت (Reality) کہا جاتا ہے، اسی شے کو عام طور پر سوچ بچار کا نام دیا جاتا ہے مگر ڈونگ اس بات کا دعوے دار ہے کہ اس طرح فکر کی اصطلاح ایک اور جگہ بھی منطبق ہوتی ہے اور اس سے انکار بھی ممکن نہیں ہے۔

میں اس طرح کی فکر تک اس طریقے سے رسائی حاصل کرتا ہوں۔ جب میرے خیالات کسی شخص شے سے حلقے ہیں یا اس طرح کے عمومی خیالات ہیں کہ سوچ بچار کے دوران آخر کار وہ اس شے کی طرف واپس آجاتے ہیں مگر یہ دائرہ روانہ عمل تھا نفسیاتی دوا نہیں ہوتا، جو اس وقت وقوع ہو رہی ہوتی ہے، میں ان تمام ممکنہ نفس اور احساسات کا ذکر نہیں کروں گا جو واضح طور پر خیال کی رو کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں اور کم و بیش پریشان کن ہوتی ہیں، یہ بھی کچھ معروضی مواد سے ابھرتا ہے اور دوبارہ معروض کی طرف رخ کرتا ہے اور معروض کے ساتھ ہر حالت میں اپنے تعلق کو قائم رکھتا ہے، یہ رشتہ ایسا ہے جس کے بغیر کسی بھی فکری عمل کا رخ معروضی مواد کی طرف نہیں ہو سکتا، تاہم یہ میرا موضوعی (Subjective) عمل ہے، وہ نہ ہی موضوعی استخراج سے بھاگ سکتا ہے اور نہ ہی اپنی گھونگلاصی کووا سکتا ہے، خواہ میں اپنے سلسلہ خیال کو عمل طور پر معروضی (Objective) رخ دینے کی کوشش ہی کیوں نہ کروں، میں کسی طرح بھی موضوعی متوازی عمل کو جو تمام شرائط پر محیط ہے، خارج کرنے کی کوشش کروں، یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب خیال سے زندگی کی رمت ہی بچا دی جائے گی۔ متوازی (Parallel) موضوعی عمل ایک قدرتی رجحان رکھتا ہے، جسے بس تھوڑا بہت ہی بدلا جا سکتا ہے، تاکہ معروضی حقائق میں موضوعی رنگ آجائے اور وہ خود سوچنے والے کے لئے قابل قبول ہو جائے۔

جب بھی اعلیٰ ترین قدر کو موضوعی عمل کی کھالی میں ڈالا جاتا ہے تو پھر کسی اور طرح کی

سوجا اہمترتی ہے، جو چیزوں میں فکر سے مختلف ہوتی ہے۔ بلکہ مخالف ہوتی ہے۔ یہ خیال تو خالص موضوعی بنیاد رکھتا ہے، جس کو میں دہروں جی کے نام سے یاد کرتا ہوں، جو فکر اس طریقے سے اہمترتا ہے، وہ نہ تو موضوعی کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی بنیاد موضوعی مواد ہوتا ہے۔ لہذا وہ فکر جو موضوعی مواد سے اہمترتی ہے، اس کا رخ موضوعی فاعلی خالق کی طرف ہوتا ہے یا وہ موضوعی کردار کے خالق ہوتے ہیں۔

کسی خیال کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ موضوعی ہے، ایک طرح کی الزام تراشی سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی بھی فکر، مفکر کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس کی شراکت کی وجہ سے خیال اپنی آخری شکل اختیار کرتا ہے۔

چیزوں میں فکر کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی اصل میں زندگی کی فطرت کے بہت قریب ہوتی ہے وہ موضوع پر مرکوز ہوتی ہے اور اس عظیم سے بھی جو موضوع پیدا کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کی حدود بھی ہوتی ہیں، وہ خالق کے ساتھ بہت بری طرح بندھی ہوتی ہے وہ ان سے ملو را نہیں دیکھ سکتی، اور اپنے آپ کو اس طرح آزاد نہیں کر سکتی کہ وہ کوئی غیر مٹی، مشابہت، پیدا کرے، اس میں بہت سے غیر ہم شدہ اجزاء جمع ہو جاتے ہیں۔ وہ اس وجد (Dilemma) سے فرار کی صورت مصنوعی سلوکی کی شکل میں نکالتی ہے۔ وہ فارمولے (Formulae) اور تصورات بناتی ہے، جو ان عوامل کو بظاہر نکھار کرے ہوئے نظر آتے ہیں، جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

چارلس ڈارون (Charles Darwin) جیسا حقیقی مفکر جو چیزوں میں فکر کی اعلیٰ مثال ہے، اپنے جن کردہ مخالف خالق کو مرتب کر سکنے کے قابل ہوا، لیکن کیا یہ ممکن تھا کہ وہ محض متوجہ خالق ہی نکھار کرتا رہتا اور ان سے حقیقی خیال کی کمی پوری ہو جاتی، جب انہیں میں پہاڑ جیسے ایسے خالق بھی تھے جو مشتبہ قدر پیدا کرتے تھے۔

جب کسی فرد کی زندگی زیادہ تر اس کی فکر کے تحت ہو، اور اس کے اعمال عمومی طور پر دانثروانہ حرکات کا نتیجہ ہوں، تو پھر اسے جائز طور پر مفکرانہ قسم (Thinking Type) سے متعلق کیا جاسکتا ہے۔ اس کی خالص قسم عام طور پر مردوں میں پائی جاتی ہے، عورتوں میں نہایت کم۔ ایسے لوگوں کے فکر کی نوعیت عام طور پر وجدانی ہوتی ہے۔ یہ قسم خود بخود کے بعد

جب نتیجے پر پہنچتی ہے تو اس کا مواد زیادہ تر معروضی ہوتا ہے اور وہ انہیں کو حقائق شہر کرتی ہے، اسے منطقی اور معروضی مواد پر انحصار کرنا ہوتا ہے اور اپنے نقطہ نظر کو بیان کرنے کے لئے عام طور پر وہ صاف ستھرا فارمولا ایجاد کرنا پسند کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی اصولوں کے تحت گزارتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے بھی یہی کچھ کریں۔ جہاں تک بھی ممکن ہو وہ اپنے خاندان، اپنے دوستوں اور اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو اس نظام کا حصہ بنانا پسند کرتا ہے۔ اس کے اندر یہ شدید رجحان موجود ہوتا ہے کہ اس کا بنایا ہوا فارمولا حتیٰ سچائی کا نمائندہ ہے۔ لہذا یہ اس کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ اپنے اعتقادات کو دوسرے تک پہنچائے۔ اس کا یہ رویہ اس کو ایسے حالات میں بھی لے جاسکتا ہے، جہاں وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی ذریعہ استعمال کرنے سے گریز نہ کرے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ عقلی اور منطقی بنیاد رکھتا ہے لیکن اصل میں ہوتا یہ ہے کہ وہ ہر اس شے کو ماننے سے انکار کرتا ہے، جو اس کے نظام اشیاء میں پوری نہیں اترتی۔ وہ غیر عقلی عناصر کو پسند بھی کرتا ہے اور ان سے ڈرتا بھی ہے، وہ اپنے جذبات و احساسات کو دہانا بھی ہے اور اس میں یہ رجحان بھی پایا جاتا ہے کہ وہ سرد مہر ہو جائے اور انسانی کمزوریوں کی تقسیم میں ٹھیک سے نہ کر پائے۔ وہ دوستی کے فن اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مراسم کو نظر انداز کرتا ہے اور اکثر اوقات خاندان کا سفاک ترین فرد ہوتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور خاندان کو بغیر یہ سوچے کہجے کہ وہ کیا کر رہا ہے، قریب کر سکتا ہے۔ کیونکہ اسے یہ گمان ہوتا ہے کہ اسی میں اس کی بھلائی ہے۔ اس قسم کا شخص محبت کے معاملے میں بھی بد قسمت ہوتا ہے۔ اس کے دیے ہوئے احساسات بڑی بے رحمی سے اہل پڑتے ہیں اور اس کے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس کے جذبات ایسی خاتون سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں جو کسی طرح بھی اس کے لئے موزوں نہ ہو۔ قسم پلائے قسم یہ بھی کہ اس پر جذباتی جھوٹ سوار ہو جاتے ہیں اور وہ اس کا اعتراف بھی نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے اعتقادات کے بارے میں شبہات کا اظہار ہی کرتا ہے، اور وہ دج انوں کی طرح ان سے چمٹا رہتا ہے۔ اس کے اندر فرض نبھانے کی شدید خواہش ہوتی ہے اور زندگی کے بارے میں جو فارمولا اس نے بنایا ہوتا ہے اس میں بہت سی خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ وہ ہلاکت و انتہائی اعلیٰ بھی ہو سکتی ہیں مگر جس طرح وہ ان کا اظہار کرتا ہے اس میں نہ گرجوٹی ہوتی ہے نہ برداشت اور اس میں ایسے انسانی خواص بھی ہوتے ہیں جو اس کی بھلائی ہوئی حکیم یا فادر سولے میں پورے نہیں اترتے۔

اس کی سوچ ہر حال مثبت (Positive) ہوتی ہے۔ اس سے ہر حال نئے حقائق اور نئے تصورات پیدا ہوتے ہیں۔

اس وقت بھی جب اس کا تجربہ کیا جاتا ہے، اسے تشکیل دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ ہی صورت حال تجربے سے ملو را ہو کر نئے سلسلے کی طرف چلی جاتی ہے۔ یہ ہر حال اس کی خاصیت ہے کہ وہ نہ تو نقصان دہ ہوتی ہے اور نہ ہی تخریبی اور ہر وقت پرانی روشہ قدر کی جگہ نئی قدر موجود ہوتی ہے۔ یہ خوبی اس حقیقت کے باعث پیدا ہوتی ہے کہ فکری وہ راستہ ہے جس پر اس کی توانائی ہی پیش قدمی کر سکتی ہے۔

یہوں جی کے برعکس دروں جی فکری حقائق میں دلچسپی نہیں رکھتی بلکہ وہ تو خیالات (Ideas) پر انحصار کرتی ہے۔ اس قسم کی فکری اہم ترین قدر وہ نیا نقطہ نظر ہوتا ہے، جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔

یہودی حقائق، ہدف نہیں ہوتے۔۔۔ اس کے لحاظ (Origin) جیسا کہ دروں میں صاحب فکر بیان کرتا چاہتا ہے، کچھ سوالات اور کچھ نظریات تشکیل دیتا ہے۔۔۔۔۔ وہ جہد تلاش کرتا ہے اور اسیرت مٹا کرتا ہے، مگر حقائق کا سامنا کرتے ہوئے وہ خودت کا اعتماد کرتا ہے۔ وہ یہ تو سمجھتا ہے کہ ان کی کچھ قدر وقت ضرور ہے مگر وہ اسے ہونے کا لالچ کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ انہیں ان کی سطح پر کبھی قبول نہیں کرتا۔۔۔۔۔ اس کی حقیقی تخلیقی قوت اس حقیقت سے ثابت ہوتی ہے کہ اس کی فکر ایسے خیال کو پیدا کرتی ہے جو خواہ یہودی حقیقت میں موجود نہ ہو، مگر وہ اس کا سب سے زیادہ مجرد (Abstract) انحصار ہے۔

دروں جی فکری قسم کی دلچسپی یہودی حقیقت کی بجائے باطنی حقیقت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے لئے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ اولین تشکل کو ترقی دی جائے اور اس کی نمائندگی کی جائے اور اس کی صورت گری مختلف خیالات میں کی جائے، یہ اس کے لئے ایک ایسی حالت ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اسے غیر واضح ساریہ تصور بھی ہوتا ہے کہ اس کا خیال دنیا کے لئے کارآمد ہے اور کئی بار تو اس کا حقیقی فیصلہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اگر جانتا تو اسے محفوظ رکھ



سکتا تھا مگر یہ جالوی تاثرات اس کے لئے فیصلہ کن اہمیت کے حامل نہیں ہوتے۔

دروں میں منظر کو اگر باہر سے دیکھا جائے تو وہ عجیب و غریب کردار نظر آتا ہے، چونکہ اس کا تعلق اندرونی حقائق سے ہوتا ہے لہذا وہ دنیا کے ساتھ اپنے رشتے کو بہت ہی کم اہمیت دیتا ہے۔ اسے یہ خبری نہیں ہوتی کہ ہو کیا رہا ہے اور نہ وہ محسوس کر سکتا ہے کہ دوسرے لوگ کس طرح سوچتے اور محسوس کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کی موجودگی میں یا تو جھجک محسوس کرتا ہے یا خاموش رہتا ہے۔ یا پھر کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو مناسب نہیں ہوتی۔

بے دماغ (Absent Minded) پر دوسروں میں منظر کی صحیح مثل ہے۔ فلسفی شوپنہاؤر (Schopenhauer) کے بارے میں ایک دلچسپ کہانی اس کردار کو واضح کرنے کے لئے ایک اچھی مثل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دفعہ پھولوں کی ایک کیاری کے درمیان کھڑا پایا گیا۔ جب ایک باغبان یہ جاننے کے لئے چچکا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور وہ ہے کون اور اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے تو شوپنہاؤر نے آہ بھر کر کہا ”کاش مجھے اس سوال کا جواب معلوم ہوتا۔“

ان دونوں فکری اقسام کی کنزروی یہ ہوتی ہے، کہ وہ اپنے احساسی تفاعل کو نظر انداز بھی کرتے ہیں اور وہ پوری طرح ترقی یافتہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ سمجھنے کے لئے ڈونگ کی احساس (Feeling) سے کیا مراد ہے۔ ہمیں وہ مختلف طریقے دیکھنے ہوں گے، جن میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لفظ یا گرم محسوس کرنا ایک احساسی تاثر ہے۔ یہ محسوس کرنا کہ کوئی شے ہونے والی ہے یا کوئی دھوکا دے رہا ہے (یا پھر اسی طرح کا کوئی اور احساس ہونا) وجدان یا قیافہ (Hunch) سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر حال جب کوئی یہ کہتا ہے۔ مجھے احساس ہے، میں اس سلسلے میں اچھا محسوس نہیں کرتا یا اچھا محسوس کرتا ہوں، تو اس وقت انسان اپنے جذبات کی واردات کا اندازہ لگا رہا ہوتا ہے۔ انہیں معنوں میں ڈونگ احساس کی اصطلاح کو استعمال کرتا ہے۔ جب اس احساسی تفاعل کی بات کرتا ہے۔

جب ہم اس خیال سے غور کرتے ہیں کہ ہمیں کس چیز پر پہنچنا ہے اور جب ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ موقعہ ایسا ہے کہ کسی خاص شے کی قدر و قیمت متعین کرنی ہے۔

احساس کو کئی بار جذبہ (Emotion) سے غلط طور پر دیا جاتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے

کہ ڈونگ ایک ہی وقت میں دونوں پر بات کرتا ہے جیسے کہ وہ دونوں ایک ہی چیز ہوں، مگر جب وہ واضح کرنا چاہتا ہے تو پھر بڑی وضاحت سے کہتا ہے کہ کوئی تفاعل بھی جذبہ بن سکتا ہے اور کوئی جذبہ بھی تفاعل کا روپ دھار سکتا ہے مگر جذبہ تفاعل ہوتا نہیں ہے، نہ ہی احساس ابھی ہوئی سوچ ہوتا ہے، جیسا کہ فکری قسم اکثر اوقات محسوس کرتی ہے۔ یہ وہ تفاعل ہے جس سے اقدار کو قولا جاتا ہے اور پھر انہیں قبول یا رد کیا جاتا ہے۔

ڈونگ احساسی فیصلوں (Feeling Judgments) اور احساسی صورت حال (Situation) کا ذکر کرتا ہے۔ احساس کی اگلم میں یہ دونوں ہی شامل ہیں، مگر دوسری صورت میں احساس جذبے کے بست قریب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں قدری عنصر کا بھی دخل ہوتا ہے۔ احساسی صورت حال میں انسان اپنے ارد گرد کا اندازہ کرتا ہے اور پھر اس کے مطابق رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ عام طور پر اس معاملے میں عورتیں زیادہ مشفق ہوتی ہیں، مگر کچھ مرد بھی ایسے ہوتے ہیں جنہیں احساسی قسم کہا جاسکتا ہے۔ وہ ان موقعوں پر سب سے بھر ہوتے ہیں جب ذاتی رشتوں کی اہمیت کا سوال ہو، کسی بھی طرح کے وسطی لوگ (Intermediaries) جن میں ڈپلومیٹ (Diplomat) اور سیکزمین (Salesmen) شامل ہیں، عام طور پر ترقی یافتہ احساس کے حامل ہوتے ہیں۔

احساس اور فکر دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ سائنس جس میں فکری بنیادی تفاعل ہوتا ہے، پست ترین خوردبینی جراثیم (Microbe) کو بھی اتنی ہی توجہ دینی پڑتی ہے جتنی سورج کو دی جاتی ہے۔ مگر احساس اس رویے کی حمایت نہیں کرتا اور اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ شے کی قدر و قیمت دیکھ کر اس کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔

احساس ایک عقلی تفاعل ہے۔ انسان عام طور پر یہ محسوس نہیں کرتا کہ کوئی شے ایک وقت میں کتنی قدر ہوتی ہے اور دوسرے لمحے کتنی ہو جاتی ہے۔ احساسی اقسام چیزوں کے بارے میں ایک منظم رویے کی حامل ہوتی ہیں۔ اقدار کا ایک فوقیت نظام (Hierarchy) ہوتا ہے جس پر وہ کاربند ہوتی ہیں اور ان میں تاریخ اور روایت کا گہرا احساس ہوتا ہے۔ یہ ایک امتیازی تفاعل ہے جس میں احساس کی کار فرمائی بہت کم ہوتی ہے یا بالکل نہیں ہوتی، جیسے کہ یہ ایک انتخابی مثال ہے۔ بیروں میں فکر کی۔ جس میں بس حقائق جمع کر لئے جاتے ہیں۔ کچھ اقدار یا مکمل طور پر بھی اقدار ان کے لئے بے قدر ہوتی ہیں۔

احساس کا خصوصی تعلق انسانی رشتوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ لوگوں سے لگاؤ (یا غیر لگاؤ) ہوتا ہے ایک دوسرے کے ساتھ کداری کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے اور اس لئے یہ بحث سے لڑا سب میں ایک اہم عنصر ہے خصوصاً عسائیت اور بدھ مت دونوں کے اندر۔

جب احساس کو دوسرے فاعل پر فوقیت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اسے ہم احساسی قسم کہتے ہیں اور جب یہ قسم ہیروں بنی کے احساس کے تحت آتی ہے اور وہ اپنے ارد گرد سے مطابقت پیدا کرتی ہے۔ یہ قسم زیادہ تر مردوں کی بجائے عورتوں میں دیکھنے میں آتی ہے۔

ہیروں میں احساسی قسم دنیا کے ساتھ پوری مفاہمت رکھتی ہے اور وہ مجموعی طور پر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرتی ہے جسے عام طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسے اپنے عہد اور ماحول سے ہم آہنگ ہونے میں کوئی وقت نہیں ضائع کرتی۔ یہ بات خاص طور پر اس وقت دیکھنے میں آتی ہے جب اس قسم سے متعلق خاتون کی شادی ہوتی ہے۔ وہ عام طور پر اپنے لئے ایک نہایت ہی موزوں شوہر کا انتخاب کرتی ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اس نے یہ سبھی کچھ ایک حکمت عملی بنا کر کیا ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ اسے محبت ہی ایسے شخص سے ہوتی ہے جو اس کے لئے انتہائی موزوں ہوتا ہے۔ ایسی خاتون اپنے ذاتی تعلقات میں خاصے لگاؤ کا مظاہرہ کرتی ہے اور اکثر اوقات احساس اور اپنے ذاتی سحر کو بروئے کار لاتی ہے، ایسی صورت حال جو پریشان کن ہو اس کو بھی سنبھال لیتی ہے، اور زخموں پر ٹھنڈا پانی ڈالتی ہے اور پھر اسی کی وجہ سے سانی اور خاندانی زندگی ممکن ہوتی ہے۔ وہ قدرتی طور پر ایک اچھی میزبان ہوتی ہے اور گروہوں میں بہت ٹھیک محسوس کرتی ہے۔ بڑے بڑے اجتماعوں اور معاشرتی افعال میں اس کا کردار مثبت ہوتا ہے۔ جب ایسی احساسی قسم یہ اندازہ کرتی ہے کہ کسی کے ساتھ ناانسانی ہوتی ہے اور یا وہ کسی وجہ سے ناخوش ہے، تو اکثر اوقات اس کے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں پر بہت سے اعلیٰ ترین معاشرتی کاموں کی کامیابی کا انحصار ہے۔ وہ اپنی اعلیٰ ترین صورت میں ہمدرد، کار آمد اور سحر انگیز ہوتی ہے اور اپنی بدترین صورت میں مصنوعی اور خلوص سے عاری نظر آتی ہے۔ جب تک احساس ذاتی ہوتا ہے، اصلی ہوتا ہے۔ مگر جب اسے کھینچ کر اشتہاء تک لے جایا جائے، تو غیر منطقی اور مصنوعی بن جاتا ہے اور اس میں سے نہایت انسانی حرارت غائب ہو جاتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ اداکاری کی جارہی ہے۔ لہذا اس پر اعتبار

نہیں کیا جاسکتا۔

دروں میں احساسی قسم پر اس کے باطنی عناصر چھائے رہتے ہیں اور یہ قسم بظاہر کسی گریجویٹ کا مظاہرہ بھی نہیں کرتی اور بیروں میں دوست اس سے یہ تاثر لیتے ہیں کہ وہ سرد سر ہے لیکن حقیقت میں انحصار نہ کرنے کے باوجود جذبات میں خاصی شدت پائی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں یہ ضرب المثل بالکل درست ہے کہ گہرا پانی خاموشی سے بہتا رہتا ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر الگ تھلک سے نظر آتے ہیں، لیکن عام طور پر قریبی دوستوں کے لئے ان کے دل میں ہمدردی پائی جاتی ہے اور وہ بہت گہرائی میں ان کو جانتے بھی ہیں اور وہ ہر اس شخص کی مدد پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کو واقعی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ احساسی خواتین میں جن کا تعلق اس قسم سے ہوتا ہے، اس کی ایک جھلک ان کے بچوں میں بھی نظر آ جاتی ہے۔ وہ کوئی مظاہرہ نہیں کرتی مگر اس کے دل میں شدید محبت ہوتی ہے، جو اس وقت بہت کھل کر سامنے آ جاتی ہے جب بچہ کافی بڑا ہو یا اسے اپنے بچے سے کسی طرح جدا کر دیا جائے، دروں میں احساسی قسم اپنا انحصار مذہب، شاعری اور موسیقی میں کرتی ہے اور کبھی کبھی غیر متوقع ذاتی قربانیاں بھی دے دیتی ہے۔ دروں میں احساسی قسم حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی، وہ الگ تھلک رہ کر بھی سچائی پر ہوتی ہے اور اگر اسے بھی کوئی کردار ادا کرنے پر مجبور کر دیا جائے تو وہ ٹوٹ پھوٹ سکتی ہے اس لئے اسے کئی بار پرائگنڈ ذہن (Schizoid) بھی کہا جاتا ہے۔ مگر ان قریبی مطلقوں میں جن سے ان کا تعلق گہرا ہوتا ہے ان کی قدروقیمت کا اندازہ کر لیا جاتا ہے اور وہ مستقل اور قاطبی احمد دوست بناتے چلے جاتے ہیں۔

ژونک احساس سے کیا مراد لیتا ہے۔ اسے اکثر صحیح طور پر سمجھا نہیں جاتا۔ اس سلسلے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ قس (Sensation) سے کیا مراد لیتا ہے یعنی وہ شے جو حیات کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہے، جیسے حسی اور ذہنی قس اس شے پر انحصار کرتا ہے جو اسے ابھارنے کا سبب ہوتی ہے، اور اس کا انحصار وصول کرنے والے پر بھی ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں ماوے کا سارا زور شے یعنی معروض پر ہوتا ہے۔ قس کو بیروں میں ہی قرار دیا جاتا ہے۔ جب قس کو فزیت حاصل ہو اور وہ محض کسی ماحول کا تئیدی حصہ نہ ہو، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ قس کی قسم ہے، اس قسم میں کوئی بھی معروضی قس مینا نہیں کی جاسکتی، دوسری اقسام میں خاص طور پر وجدانی قسم میں جو کچھ قس کیا جاتا ہے شاید بخوبی شعور تک پہنچتا ہے،

وہدانی لوگ اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا کوئی جسم بھی ہے، انہیں گناہ ہے کہ وہ تو پرداز کر سکتے ہیں۔

فحس جسم چیزوں کو بلا کم و کاست دیکھتی ہے، وہ چیزوں کا تجربہ دیکھا کرتی ہے جیسی کہ وہ ہوتی ہے، نہ کم نہ زیادہ۔ واردات کے ساتھ متقلد کا عمل دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کے اندر دور تک دیکھا جائے یا ان کے اسرار تک رسائی حاصل کی جائے۔ جیسی چیزیں ہیں وہ دیکھی جائیں۔ ان کی قدر و قیمت حتمین کرنے کی بھی کوشش نہ کی جائے، جو چیز اہم ہوتی ہے وہ تو فحس کی قوت اور تشاہد ہے۔

یہ قسم چنانچہ غیر عقلی ہوتی ہے، فحس کے تجربات میں منطقی بہت کم ہوتی ہے، ایک ہی شے کسی اور وقت کسی اور فحس کو پیدا کر سکتی ہے، مگر اکثر اوقات انہیں عقلی اور منطقی سمجھ لیا جاتا ہے، کیونکہ ان کا زور حقائق پر ہوتا ہے اور وہ بلند آہنگ نہیں ہوتیں، بلقی مزاج (Phlegmatic) بعض اوقات سمجھداری کا غلط تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ فحسی اقسام عام طور پر قابل قبول ہوتی ہیں۔ وہ خوش باش لوگ ہوتے ہیں جو ہنسا کھیلتا پسند کرتے ہیں۔ مگر ان کے لئے خطرہ اس امر میں مضمر ہوتا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ ذوال پذیر ہو کر بے لگام معاشی (Unscrupulous Sybarites) میں پڑ جاتے ہیں یا پھر تلاش تشاہد میں بے یقین رہتے ہیں اور ہنگامے کی جستجو کرتے رہتے ہیں۔

جب یہ قسم ہیروں میں ہوتی ہے تو پھر اس بات کو بہت اہمیت حاصل ہو جاتی ہے کہ کس شے کا فحس ہو رہا ہے، دروں میں میں جس اپنے طور پر اہمیت کی حامل ہوتی ہے، اور معروض ثانوی حیثیت رکھتے ہیں یا کوئی حیثیت سرے سے رکھتے ہی نہیں۔ بہت سے فنکار اور موسیقار اس کی عالم مثال ہوتے ہیں۔ ہم عصر آرت اپنی شدید ترین موضوعیت کے ساتھ فحس سے ابھر رہا ہے اور اس میں احساس کا استخراج بھی ہوتا ہے۔

بہت سے دروں میں فحس اقسام اپنی ذات کا اظہار کرنے کے سلسلے میں مخصوص دروں میں رکاوٹیں محسوس کرتے ہیں اور ان کو سمجھنا خاصہ مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ہی تاثرات میں گمراہ جاتے ہیں اور پھر ان تاثرات کو ہضم کرنے کے لئے انہیں وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اکثر اوقات انتہائی لاشعور سے آئے ہوئے تشاہد میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اگر وہ

پوری وقت نظر سے بھی حقیقت کا مشاہدہ کریں موضوعی عوامل پھر بھی ان پر محیط رہتے ہیں ایسے لوگ تو ہوں اور ٹراسوں کا تصور بھی بغیر واسطائی اڈوہوں کو خیال میں لائے ہوئے نہیں کر پاتے۔ ان کے لئے تو درختوں کے بھی چرے ہوتے ہیں اور مردہ چھریں بھی ابھر کر جاندار ہو جاتی ہیں۔ ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو بھی دیکھ رہے ہیں جو وہاں موجود نہیں ہیں، اور جنوں اور بھوتوں سے ان کے عجیب و غریب تجربات ہوتے ہیں۔

تقصیر کا متعلق تقاضا وجدان (Intuition) ہے۔ اگرچہ وہ بھی تقصیر کی طرح غیر عقلی تقاضا ہے۔ ڈوبنے کے خیال میں وجدان ایسی حقیقتوں کا ادراک ہے، جو شعور کے علم میں نہیں ہیں اور یہ وہ حقیقتیں ہیں جو لا شعور کا ذریعہ استعمال کرتی ہیں۔ اور یہ غلطی ادراک سے بڑھ کر ہوتی ہیں، کیونکہ یہ ایک فعال تخلیقی عمل ہے جو کسی خاص صورت حال میں ظاہر ہوتا ہے اور صورت حال کو بدلنے کا متقاضی ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی فیصلہ کرنا ہو یا کسی شے یا علامات کا پتہ لگانا ہو تو سیاہ وجدان عمل میں آ جاتا ہے۔ سائنس دان، طبیب، عامل اور جرنیل سب کو اس الہیت کی ضرورت دیکھنا پڑتی رہتی ہے، اور بلاشبہ اس کی ضرورت عام انسانوں کو بھی ہوتی ہے۔

جب بھی عجیب و غریب حالات کا سامنا ہو، یا ایسی صورت حال درپیش ہو جہاں قائم شدہ اقدار اور تصورات کام نہ کرتے ہوں اس وقت وجدان کو کام لانا ضروری ہو جاتا ہے۔

بیروں میں وجدانی قسم اسی وجدانی الہیت کے بل بوتے پر زندگی گزارتی ہے۔ اہم چیزیں محض امکانات ہوتے ہیں۔ وہ مرد ہو یا عورت اسے مانوس شے پسند ہی نہیں آتی اور نہ ہی مخلوط یا عدت سے قائم شدہ کوئی قدر۔ وہ رواہوں کو پسند نہیں کرتے اور اکثر اوقات یہ قسم لوگوں کے احساسات اور اعتقادات کی پروا نہیں کرتی، خاص طور پر اس وقت جب وہ کسی نئی شے کو دریافت کرنے کے قریب قریب ہوتے ہیں۔ وہ مستقبل کے لئے ہر شے کو قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کی نظر میں نہ مذہب مقدس ہوتا ہے نہ قانون۔ وہ ایک ایسی مصائب زدگی گزارتے ہیں، جس کی سمت متعین نہیں ہوتی، مگر ایک حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے ان کی اخلاقیات ان کے اپنے وجدانی نقطہ نظر سے وابستہ ہوتی ہے۔ ان کے لئے کسی موقع کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا بزدلی اور کڑواہی ہوتا ہے۔

ایسے انسان کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے وہ چیخا ضرور ہے کائنات بھی نہیں۔ وہ اپنی زندگی کو امکانات کی غرر کر رہا ہے، مگر دوسرے اس کی توانائی اور ہمت کا پھل وصول کرتے ہیں۔ یہ بات اس کے لئے تقریباً ناممکن ہوتی ہے کہ وہ اپنے کسی کام کو انجام تک پہنچائے یا کم از کم اس نطفے تک جس کے بعد کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ قدرتی طور پر اس کے ذاتی رشتے بہت کمزور ہوتے ہیں۔ وہ ایک عورت سے زیادہ دیر تک جہ نہیں کر سکتا اور اس کا گھر جلد ہی بھری خانہ بن جاتا ہے مگر اس کے برعکس اس جیسے ایک آدمی کی بیوی نے کہا تھا اس کے ساتھ زندگی یکسانیت کا فکار نہیں ہوتی۔

بیروں میں وجدانی قسم کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہوتا ہے جیسے عرف عام میں حقیقی دنیا کہا جاتا ہے مگر دروں میں کا وجدانی قسم کا تعلق اجتماعی لاشعور سے ہوتا ہے جو تجربے کا تاریک پس منظر ہے۔ جو کچھ بھی داخلی (Subjective) ہے، وہ بیروں میں کے لئے غیر عمومی اور عجیب و غریب ہے۔

دروں میں کی خاص طرح کی فطرت جب ترجیح حاصل کرتی ہے۔۔۔۔۔ پھر ایک عجیب و غریب انسان کو منظر عام پر لاتی ہے۔ وہ ایک خواب دیکھنے والا صوفی ہوتا ہے۔ یا تو پھر تصورات کی دنیا میں کھویا ہوا یا پھر سودائی یا فکار۔ مگر فکار ہونے کو ایک نارمل بات سمجھنا چاہئے۔ اس قسم کا بھی ایک عمومی رویہ پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے اور کی کردار کو وجدانی کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے۔ قاعدے کے طور پر وجدان اور اس کی مرحلہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اوراک (Peception) اس کا اولین مسئلہ بن جاتا ہے اور ایسا فکار جو بہت کچھ تخلیق کرتا ہے اس میں یہ اوراک کی صورت گری بن جاتی ہے لیکن شبلی (Crank) اپنے وجدان سے پوری طرح مطمئن ہوتا ہے کیونکہ اسی وجدان سے اس کی تعمیر ہوتی ہے اور اسی سے اس کی حدود متعین ہوتی ہیں۔

یہ وہ قسم ہے جو ویژن (Vision) دیکھتی ہے۔ اس پر مذہبی اور لاکھائی انکشاف ہوتے ہیں۔ جن پرانہ خواب دکھائی دیتے ہیں اور عقیدہ کی طرح طرح کی فکر گزاریاں، اتنی ہی حقیقی جتنی کہ خدا کی ذات اور انیس کا وجود، قرون وسطی کے انسان کے لئے حقیقی تھے اس طرح کہ لوگ آج کل کے زمانے بہت عجیب و غریب لگتے ہیں، ان کو دیوانہ ہی سمجھا جاتا ہے، اور وہ حقیقت میں ایسے ہوتے بھی ہیں، اس وقت تک جب تک وہ اپنی واردات کو زندگی سے ہم آہنگ کرنا نہیں سکھ لیتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اظہار کے مناسب پیرائے کی ضرورت ہوتی ہے،

کوئی ایسی بات جسے انتہائی قبولیت حاصل ہو اور وہ محض عقیدہ کی کارگزاری نہ ہو، وہ بعض اوقات اس وقت ایسا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جب وہ کوئی ایسا گروہ تشکیل دے لیں جس میں ان کے وژن کی قدر کی جاتی ہو۔ قدیم معاشرے میں ایسے لوگوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کی عزت اور تحکیم کی جاتی تھی، ان کا تعلق اس مواد کے ساتھ تھا جس میں یہودیوں کے پیغمبر تشکیل پائے تھے۔ مگر مذہبی درویشوں کی طرح جو خاص طرح کے مذہبی ماحول میں قبول کئے جاتے ہیں۔ ان کے لئے آج کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اب تو وہ عام طور پر ان واردات کے سلسلے میں خاموش ہی رہتے ہیں۔ یا پھر سری روحانی (Esoteric) گروہ تشکیل دے لیتے ہیں، یا پھر ایسے گروہ جو دوسری دنیا کی واردات کے قائل ہوں۔ عام طور پر وہ بہت ان ایل بے جوڑ سے لگتے ہیں لیکن جب وہ اپنی باطنی وژن کی گرفت میں ہوتے ہیں ان پر کوئی ایسی شے محیط ہوتی ہے جو خیر و شر دونوں کے لئے خاصی طاقتور ہوتی ہے اور یہ ایک دیاء کی طرح ہوتی ہے، جو ایک سے دوسرے تک سفر کرتی ہے۔ اس کی وجہ سے مذہبی تبدل (Conversion) اور گروہی تشدد جنم لیتے ہیں۔

تاکہ بے کے طور پر وجدان خود کو ادراک تک محدود رکھتا ہے، لیکن اگر وہ محض تخلیقی فنکار ہو تو وہ اپنے ادراک کی صورت گری اس طرح کرے گا جس میں ایک وحدانہ وحدانہ الجھاؤ ہو گا اور اس کی سرحدیں فرسودگی سے لے کر عظیم الشان تک پہنچیں ہوں گی۔ اس میں خوبصورتی بھی ہو گی اور بگڑی ہوئی شکلیں بھی ہوں گی۔ ولیم بلیک (William Blake) دروں میں وجدانی فرد کی ایک اچھی مثال ہے۔ وہ شاعر بھی تھا اور مصور بھی تھا۔

چونکہ انسانی فطرت کسی طرح بھی سادہ نہیں کسی جانکتی لذت یا کم ہی ممکن ہوتا بھی کوئی خاص قسم دکھائی دے جائے۔ عام طور پر کیا یہ جانا ہے کہ بڑے تفاعل کی بنیاد پر کسی کو خاص قسم کہہ دیا جاتا ہے مثلاً مفکر، وجدانیت کا حامل وغیرہ مگر اس کے بعد ایک ثانوی خاصیت بھی ہوتی ہے جو تصویر کو بدل دیتی ہے یا اسے وحدانہ کر دیتی ہے۔ ڈونگ جب اپنی نقیبات میں اقسام کا ذکر کرتا ہے تو اس کی مثال کمر کے ایوان میں لگی ہوئی سو روئی تصویروں کی سی ہوتی ہے کیونکہ انسانی فطرت کسی سادہ یا حتمین طریقے سے جماعت بندی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اقسام کا تصور انسانی رشتوں کو سمجھنے اور تعلیم کے فروغ کے لئے



عملی طور پر قابلِ قدر ہے اور کئی معاملات میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ بیوی اور شوہر کے تعلقات میں یہ اندازہ کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کا بیچون ساتھی کسی اور طرح کا انسان ہے اور وہ خواہ مخواہ دوسروں کے لئے مسائل پیدا نہیں کر رہا اور اساتذہ کو اس سلسلے میں مدد ملتی ہے کہ وہ مثال کے طور پر اپنے شاگردوں کی دروں جی کا مطالعہ کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ وہ ناخوش ہے اور مطابقت پیدا کرنا نہیں چاہتے محض اس بنیاد پر کہ وہ بیروں میں طلباء کی سرگرمیوں میں اس جوش و خروش سے حصہ نہیں لیتا جس طرح دوسرے طلباء ان میں شامل ہوتے ہیں۔ نفسی معالجوں (Psychotherapist) کے لئے یہ اس کے مریضوں کو سمجھنے اور ان کا علاج کرنے میں مددگار ہے۔ نینوراتی مریضوں میں یہ بات بہت عام ہے کہ وہ کسی ایک تفاعل کو اس قدر زیادہ تکمیل کے ساتھ کرتے ہیں کہ دوسرے تمام تفاعل نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر وجدانی نفس کو بے حد نظر انداز کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کو اپنے جسم کا بھی ہوش نہیں رہتا اور یوں وہ جسمانی طور پر بیمار پڑ جاتے ہیں، فکری رجحان رکھنے والے لوگ احساسات کو نظر انداز کرتے ہیں اور جس ذاتی رشتے بہت اہمیت کے حامل ہوں، وہاں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ذہنی (اور بعض اوقات روحانی) صحت کا انحصار اسی تفاعل پر ہوتا ہے جس کو نظر انداز کر دیا گیا اور اس طرح شخصیت ایک کل بننے بننے رہ جاتی ہے۔

زیادہ تر لوگ ایک ہی تفاعل (یا اس کے تبدیل) پر انحصار کرتے ہیں۔ زیادہ پیچیدہ لوگ دو تفاعل پر اور بہت ہی اعلیٰ اور امتیازی شخصیت تین تفاعل کو استعمال میں لاتی ہے۔ چوتھے تفاعل کا شامل ہو جانا متعلق ہے اس عمل کے ساتھ بقول ڈرونک فردیت متعلق ہے اور اس کے حوالے سے انسانی فطرت کے متضاد عوامل آپس میں مطابقت پیدا کرتے ہیں مگر اس بات کو سمجھنے سے پہلے ہیں۔ ڈرونک کے نظریات ذاتی لاشعور اور اجتماعی لاشعور پر زیادہ تفصیل کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔

## حواشی

۱۔ جیسے کہ شیر اپنے دشمن یا شکار پر اپنے پنجے سے حملہ آور ہوتا ہے اور پنجے ہی میں اس کی اصل قوت ہوتی ہے اور تمکرم (Crocodile) کی طرح یہ قوت اس کی دم میں نہیں ہوتی۔ لہذا ہمارے

ہادی رد عمل عام طور پر ہمارے سب سے زیادہ قابل اعتماد اور افعال تعامل سے متعلق ہوتے ہیں کیونکہ یہی ہماری قوت کا اظہار ہے، ہر حال کبھی کبھی یہ ہمارے اس رد عمل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی، جس کے ذریعے ہماری خاص کمزوری ہونے لگے آتی ہے کسی تعامل کا غالب ہونا اس طرف دلائل کرتا ہے کہ ہم کسی خاص صورت کو قبول کریں یا اس کی تلاش میں رہیں۔ جبکہ باقی صورت حال سے ہم گریزاں ہوں، لہذا ہم وہی تجربات کرنا چاہیں گے جو ہم سے خاص ہیں اور دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں۔

## اجتماعی لاشعور کے آرکی ٹائپ

کسی ایک روپے میں پیش قدمی خواہ وہ بیویں جنی ہو یا دروں جنی اور ایک تقاضی زندگی کے عمل کا ضروری حصہ ہیں۔ انہیں کے واسطے سے ہم زندگی سے مطابقت پیدا کرتے ہیں اور اپنے ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ جب تک کوئی سمت ہی بڑی رکاوٹ ہمارے راستے میں نہ آجائے، ہم انہیں خطوط پر پیش قدمی کرتے چلے جاتے ہیں، جو ہمارے لئے آسان ترین ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہم سب کو یہی پسند ہوتا ہے کہ ہم اپنا بہترین قدم آگے بڑھائیں۔ وہ سروں لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم عام طور پر اپنے بہترین تقاض کو ترقی دیتے ہیں۔ خواہ وہ فکر ہو یا وجدان ہو یا احساس ہو یا قہم ہو، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمارے اندر یہ رجحان بھی خاصہ شدید ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم سے توقع کی جاتی ہے۔ ہم اس پر بھی پورا اتریں۔ ہم منصب تعلیم حاصل کریں اور معاشرتی رواج کے تحت اپنا کردار اس طرح ادا کریں کہ وہ قبول شدہ طریق کار کے مطابق ہو۔ اس عمل کی وجہ سے ایسا بہت کچھ جو شخصیت سے متعلق ہوتا ہے، ضائع ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ وہ ضائع تو نہیں ہوتا البتہ ہم محض اتنا کرتے ہیں کہ اسے لاشعور کے اندر دھکیل دیتے ہیں اور نفسیاتی اصطلاح میں ہم یہ کہیں گے کہ ہم اسے ابطال یا اجباس (Repression) میں ڈال دیتے ہیں۔ بھونے بچوں کو اگر فطری طور پر اپنا اظہار کرنے دیا جائے، تو وہ بہت لالچی، تجسس (Acquisitive) اور تشدد ہوتے ہیں اور ان تمام رجحانات کا اظہار کرتے ہیں، جس کے حیلے میں پانچ یا تو گویا خلاصی کرا چکے ہوتے ہیں یا ان کی تربیت ایسی کی گئی ہوتی ہے کہ وہ اس کا اظہار نہ کریں۔ اساتذہ والدین اور مبلغ اور دوسرے لوگ لفظی سے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری سنبھالنے کی فطرت کو یکسر تبدیل کر دیا ہے لیکن اصل میں اس قدر ہوتا ہے کہ بچہ پندیدہ یا کثرت رجحانات پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور بھلا دیتے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود بلوغت میں موجود پائے جاتے

ہیں۔ بھولنے کا یہ عمل عام طور پر اس قدر زیادہ کامیاب ہوتا ہے کہ ہمیں یقین آجاتا ہے کہ ہم وہی کچھ ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں مگر بعض اوقات اس کے نتائج انتہائی جہاد کن نکلتے ہیں۔ یہ ابطالی رجحانات ڈوبک کے خیال میں ذاتی لاشعور میں موجود ہوتے ہیں اور کمزور پڑنے کی بجائے وہ کسی جنگی ہونی کی طرح بارگ کے کسی گوشے میں دور تک پھیل جاتے ہیں۔

انسان کے تہذیبی فعل میں انسان کو اپنی ذات اور معاشرے میں انکی مطابقت پیدا کرنی ہوتی ہے کہ وہ کیسا دکھائی دے اور وہ مختلف ماسک یا نقاب (Mask) بناتے ہیں اور پھر زندگی اس کے نیچے پھپھ کر گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈونگ اس نقاب (Mask) کو پرسونا (Persona) یا نفع کا نام دیتا ہے۔ پرسونا ایک ایسا ماسک ہوتا ہے جو قسم نہانے میں ایکٹر پہنا کرتے تھے تاکہ وہ اس کردار کی پوری نمائندگی کر سکیں، جس کا کردار وہ ادا کر رہے ہیں، لیکن صرف ایکٹری کردار نہیں کرتے، اگر شخص کوئی تہارت کرتا ہے یا کسی شے میں ہوتا ہے وہ خاتون جو شادی کرتی ہے یا کسی طرح کی ملازمت کر لیتی ہے۔ سبھی میں ان خصوصیات کا پلایا جاتا ضروری ہیں جو اس کام میں کامیاب ہونے کے لئے درکار ہوتی ہیں۔ ایک پرنس میں یہ کوشش کرے گا کہ وہ توانا اور چاک و چوبند نظر آئے۔ ایک پیشہ ور کو ذہین معلوم ہونا چاہئے، اور ایک سرکاری ملازم کو جلد فیصلہ کرنے والا ہونا چاہئے، پیشہ ور خواتین کو فانی صرف ذہین ہی نظر آنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اسے خوش لباس بھی ہونا چاہئے اور گھریلو خاتون کو میزبان ہونا چاہئے ایک ماں بھی، شریک کار بھی اور اس کے علاوہ وہ کچھ بھی جو اس کے خاوند کی وجہ سے اسے بننے کی ضرورت ہو۔

سماں وہ توقع کرتا ہے اور اسے یہ توقع کرنی بھی چاہئے کہ ہر فرد وہ کردار کمال خوبی کے ساتھ ادا کرے گا جو اسے تفویض کیا گیا ہے، ایک راعط (Parson) کو راعط کا کردار ایسی خوبی سے ادا کرنا چاہئے کہ اس میں کوئی کمی نہ رہے۔ سماں کے کو اس طرح کے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر ایک کو اپنے اپنے ناکے پر ہونا چاہئے۔ موچی کی جگہ پر موچی کو اور شاعر کی جگہ پر شاعر کو۔ کسی سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ دونوں کردار ادا کرے۔۔۔۔۔ اگر ایسا کیا جائے تو یہ عجیب بات ہوگی۔ ایسا شخص دو سروں سے خائف ہو جائے گا اور قابلِ اعتماد بھی نہیں رہے گا اور تعلیم و تربیت کی دنیا میں وہ اتنی

(Dilettante) ہو گا اور سیاست میں وہ ایسا کردہ ہو گا جس کے بارے میں غیث گوئی ممکن نہ ہو۔ مذہب والے اس کو آزاد خیال قرار دیں گے۔ فرض ہر شعبے میں اس کو بے اعتبار اور نااہل سمجھا جائے گا کیونکہ معاشرہ یہ سمجھتا ہے کہ صرف موسیقی ہی انہیں لطیف طبع کے جوتے بنا کر دے سکتا ہے اگر وہ شاعر نہ ہو اور موسیقی کی طرح سوچنا اور کام کرتا ہو۔

پرسونا ایک اجتماعی منظر ہے، زندگی کا ایک ایسا رخ ہے جو کسی اور کا بھی ہو سکتا ہے مگر اس کو عام طور پر انفرادیت کا بدل سمجھ لیا جاتا ہے، ایک اداکار یا فنکار اگر لمبے پل رکھے ہوئے ہو، یا عام سے کپڑے پہنے ہوئے ہو تو وہ خاص نظر آتا ہے۔ ایک شخصیت لگتا ہے، لیکن اکثر اوقات بات صرف اتنی ہوتی ہے کہ اس نے ایک خاص طرح کا لباس پہنا ہوتا ہے، ویسا ہی جیسا کہ دوسرے اداکار پہنتے ہیں۔ دوستانہ رویہ اور میزبانی کو یکم ٹکس ٹکس کے خصوصیت اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ وہ خدمت گزار (Vicar) کی بیوی ہے اور اس کے یہ خواص قدرتی طور پر اس سے پھولنے پڑتے ہیں، حالانکہ اس نے یہ خواص اس وقت اپنائے تھے جب اس نے خدمت گار میاں سے شادی کی تھی کیونکہ مذہبی خدمت گزار کی بیوی کو سب کا دوست اور سب کا خدام ہونا چاہئے اور سب کے کام آنا چاہئے۔ کسی حد تک یہ بات بھی درست ہے کہ لوگ عام طور پر وہی کردار اپناتے ہیں جس کے لئے وہ موزوں ہوتے ہیں اور یہاں تک تو پرسونا انفرادی شے ہے مگر وہ مکمل مرد یا عورت کا اظہار نہیں ہے۔ انسان کی فطرت مستحکم (Consistent) نہیں ہے مگر ایک کردار ادا کرتے وقت اسے ایسا نظر آنا چاہئے اور یوں وہ اپنا انکار خود کر دیتی ہے۔

پرسونا ہر حال، ایک ضرورت ہے، اس کے ذریعے ہم دنیا سے تعلق پیدا کرتے ہیں، یہ ہمارے تعلق کو آسان بنا دیتی ہے، کیونکہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لوگوں سے کیا توقعات وابستہ کرنی چاہئیں اور مجموعی طور پر یہ ان کو کھلی قبول بناتا ہے جس طرح اچھا لباس بد صورت بدن کو بہتر بنا دیتا ہے۔

وہ لوگ جو پرسونا کو بننے سے روکتے ہیں، بے ڈھنگا پن (Gauche) ان کا مشورہ ہے، وہ دوسروں کا دل دکھاتے ہیں اور دنیا میں خود کو قابل قبول بنانے کے لئے مشکلات کا سامنا

کرتے ہیں۔ یہ خطرہ ہر حال ہوتا ہے، کہ انسان جو کردار ادا کر رہا ہو، خود کو اس کے مطابق ڈھال لیتا ہے مگر یہ خطرہ بدی نہیں ہوتا اگر کردار اچھا ہو، انسان کی مرضی کے مطابق ہو تو وہ اسے اچھی طرح سمجھتا ہے، لیکن اس کے باوجود ہم اکثر بوقت یہ کہتے ہیں، وہ تو ادا کار لگتا ہے، "اور وہ خاتون تو یقیناً اس طرح کی نہیں ہے۔" کیونکہ ہم جزوی طور پر ہی سہی مگر یہ ضرور جانتے ہیں کہ کسی ایسے طریقے سے زندگی بسر کرنا جو ہماری اصل فطرت کے مطابق نہ ہو، خاصہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ کوئی بحران ضرور پیدا ہو گا جس کی وجہ سے ہمیں اپنے اندر لچک پیدا کرنی پڑتی ہے یا پھر وہ عمل کا کوئی اور ہی نظام تلاش کرنا پڑتا ہے یا پھر کوئی ایسی انسانی صورت حل پیدا ہو جاتی ہے، جہاں درست انفرادی جذبات کا اظہار نہ کر سکتا البتہ پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ الیزبتھ بونن (Elizabeth Bowen) ایسی ہی ایک صورت حال کا ذکر The Death Of Heart میں کرتی ہے۔ اس کہانی میں تمام بالغ اپنے اپنے جذباتی کردار میں مقید ہیں اور وہ ایک نوحہ اور حساس لڑکی کی ضروریات کا اندازہ کرنے میں نکلے طور پر ناکام ہو جاتے ہیں۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ اگر پر سونا بہت زیادہ مضبوط بنا لیا جائے تو یہ شخصیت کے باقی پہلوؤں کے اظہار میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور وہ تمام پہلو جن کا تعلق انسان کی ذات کے ساتھ ہو یا جو اجتماعی لاشعور سے تعلق رکھتے ہوں وہ جمل ہو جاتے ہیں۔

ڈوئج ہمارے ذات کے دوسرے رخ کا ذکر کرتا ہے۔ جو ہمارے ذاتی لاشعور میں بروئے کار آتا ہے۔ اس کو سایا یا شیڈو (Shadow) کا نام دیا گیا ہے۔ سایا ہمارے اندر کمتر درجے کی مخلوق ہے، وہ ایسے تمام کام کرنا چاہتا ہے جس کی ہم اجازت نہیں دیتے۔ وہ سبھی کچھ ہے جو ہم نہیں ہیں۔ وہ ہمارے ڈاکٹر جیکل (Jekyll) کا مسٹرفائیڈ (Hyde) ہے، میں اس انجینی شخصیت کا کسی حد تک اندازہ ہے۔ جب ہم بری طرح کسی شخص کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ تو اس کیفیت کے مژدہ جانے کے بعد ہم اپنے آپ سے کہتے ہیں "میں شاید اپنے آپ میں نہیں تھا" یا "مجھے تو اندازہ ہی نہ ہو پایا کہ مجھ پر کیا بیت گئی" جو کچھ مجھ پر بیت گئی وہ تو میرا سایا تھا جو وحشی تھا بے قابو تھا اور شخصیت کا حیوانی پہلو تھا۔ شیڈو اس وقت اپنی مثال آپ ہوتا ہے، جب ہم خاص طور پر کسی کو پسند کرتے ہیں اور خاص طور پر اس وقت جب یہ پسندیدگی بلاجواز ہوتی ہے۔ ہمیں یہ شبہ ہونا چاہئے کہ اصل میں ہم اپنی ہی ذات کے بعض اہم خواص کو پسند کر رہے ہیں جو ہمیں دوسروں میں نظر آتے ہیں۔

مجھے تم سے محبت نہیں ڈاکٹر نفل (Pell)  
مگر اس کی وجہ میں تھا نہیں سکتا  
میں تو صرف یہی بات پوری طرح جانتا ہوں  
مجھے تم سے محبت نہیں ڈاکٹر نفل

پر سونا خواہوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ وہ بہت ہی کمزور ہے کے شخص کے روپ میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی کمزور انسان کی شکل میں، کوئی بھی ایسا شخص جس کی اہلیتیں ناگوار ہوں، ایسی ہستی جسے ہم پسند نہ کرتے ہوں۔

پر سونا انسان کا ذاتی لاشعور ہے۔ اس میں وہ تمام غیر مذہب خواہشیں اور جذبات ہوتے ہیں، جو معاشرتی معیار کے مطابق نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارے مثال شخصیت کے معیار پر پورے اترتے ہیں، وہ کبھی کبھ جن کا ہونا ہمارے لئے شرمناک ہوتا ہے اور وہ کبھی کبھ جو ہم اپنے بارے میں جانتا بھی نہیں چاہتے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر تنگ نظر معاشرے میں ہمارا قیام ہو گا جس قدر پابندیوں میں جکڑی ہوئی زندگی ہم گزارتے ہوں گے، اسی سلب سے ہمارا شیڈو بڑا ہوتا چلا جائے گا۔

شیڈو یا سایا چونکہ لاشعوری ہے لہذا تعلیم کے عام طریقے اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے وہ بچپن کے آثار سے لے کر آخر تک کم ہی تبدیل ہوتا ہے۔ بچپن کے زمانے میں ہمارے سبھی اعمال خالصتاً اضطرابی (Impulsive) ہوتے ہیں۔ بھرپور کے ذہن پر پسلا قدم اٹھانے سے آخری سانس تک وہی صورت حال رہتی ہے۔ کیونکہ سایا فطری ہے یعنی وہ جبلی انسان (Instinctive Man) کی نمائندگی کرتا ہے۔

شیڈو بعض لحاظ سے ذاتی لاشعور سے بھی بڑا ہے، جہاں تک ہماری ذاتی کمزوریوں اور ناگاہیوں کا تعلق ہے یہ صورت حال اسی نوعیت کی ہے لیکن چونکہ یہ بات ساری انسانیت میں مشترک ہے لہذا اسے اجتماعی منظر بھی کہا جاسکتا ہے۔ شیڈو کا اجتماعی پہلو شیطان (Devil) کہلاتا ہے یا بھرچیل (Witch) یا کوئی اور شے جن سے ملتی جلتی ہوتی۔

جب ڈونک نے لاشعور کے ان پہلوؤں کو بیان کرنے کے لئے شیڈو کے لفظ کا انتخاب کیا تھا تو ڈونک کے ذہن میں محض اتنی سی بات نہیں تھی کہ سایا تاریک اور غیر واضح ہوتا ہے،

اس نے تو یہ بھی کہا تھا کہ کوئی سیلا سورج کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت تو چیزوں کی فطرت میں ہے کہ روشنی اور تاریکی ہو، سورج ہو اور سیلا ہو۔ شیڈو ٹاگز یہ ہے اس کے بغیر انسان مکمل نہیں ہو سکتا تو بات کہتے ہیں کہ سائے (یہاں لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے) کے بغیر انسان شیطان بن جاتا ہے مگر ہم اس سلسلے میں ذرا احتیاط ہیں کوئی ایسا شخص جو ایسا سمجھا ہو کہ یقین نہ آتا ہو۔ جیسا کہ ہمیں جبلی طور پر اندازہ ہو جاتا ہے۔ انسان کی فطرت میں تھوڑی بہت مکی (Wickedness) ضرور ہوتی چاہئے۔

ٹوئنگ ایک معاملے کی حیثیت میں، جس کے پاس لوگ پریشانی کے عالم میں آتے ہیں یہ بھی نہیں کہہ پایا کہ شیڈو موجود نہیں ہے اور نہ کبھی اس نے یہ ہدایت کی کہ شیڈو مکمل طور پر دبا دیا جائے۔ انسان کو کسی نہ کسی طرح یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اس کے ساتھ زندگی گزارنا سیکھ لے، کیونکہ تاریکی بھی ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذہنی اور جسمانی صحت کا تعلق اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ سائے کو قبول کرنا خاص اخلاقی جدوجہد کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے اور اس کے لئے بے لوث وقت بہت محبوب ارمان (Ideals) قربان کرنے پڑتے ہیں، لیکن یہ بھی کچھ محض اس لئے ہوتا ہے کہ ان ارمان کو بہت بلندی پر رکھا جاتا ہے، حالانکہ وہ محض وابہ (Illusions) پر منحصر ہوتے ہیں۔ یہ کوشش کرنا کہ ہم اس سطح سے بلند اور زیادہ باصلاحیت نظر آئیں ایک ایسے عمل کا آغاز ہے جو منافقت کے سوا کچھ نہیں ہے اور یہ دھوکا بھی ہے۔ اس طرح ہم خود پر ایسی پابندیاں عائد کر لیتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اکثر اوقات ہم ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور اس سطح سے بھی نیچے گر جاتے ہیں جہاں تک جانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ جو لوگ اپنے آپ کو زیادہ بلند اخلاقی ثابت کرنے پر قائل جاتے ہیں وہ چرچے ہو جاتے ہیں اور ان میں برداشت کرنے کی قوت مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ بات تو سمجھی جانتے ہیں۔ بعض کاتل احرام شریوں کی جنسی زندگی بعض اوقات چو نکا دینے والی ہوتی ہے۔ جیسا اخباروں میں روز خبریں آتی رہتی ہیں۔ جرم ان گواہوں میں بھی سرزد ہوتا ہے جہاں اس کی توقع نہیں ہوتی۔ یہ بھی کچھ شیڈو ہی کی کلمات ہیں۔ اس کے لئے جتنی طور پر اخلاقی جرأت کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ انسانی فطرت کے یہ پہلو بھی ہمارے اندر موجود اور شاید ہمارے باطن کا لازمی حصہ ہیں۔ لیکن سمولت اس میں ہے کہ جب اصل شے معلوم ہو جائے اور اس کا سامنا کر لیا جائے تو اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ اسے تھوڑا بہت تبدیل کیا جاسکے۔ جب کہ



لاشعور کے اندر کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ کوئی ایسا شخص جو لاشعوری طور پر اپنی جہی سے نفرت کرتا ہو، اور اس قدر زیادہ نفرت کرتا ہو کہ اس کے دل میں اسے مار ڈالنے کی خواہش پل رہی ہو تو کسی دن غصے کے عالم میں ایسا کر بھی سکتا ہے۔ ایسی صورت حال کیاب تو نہیں ہیں، لیکن اگر اس کو پہلے سے اپنے شدید جذبات کا اندازہ ہو اور اسے یہ موقع مل چکا ہو اور وہ اس جذبے کے ساتھ نہ بھڑکے تو وہ اس صورت حال کو روکنے کی کوشش کرے گا جس کی وجہ سے اس کے دل میں غصے کے شدید جذبات پیدا ہو سکتے ہوں۔

شیذو کے اعلان یا دبا دینے میں خطرہ یہ ہے کہ وہ شعوری سطح پر زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے اور اس کے اندر زیادہ توانائی آ جاتی ہے۔ چنانچہ جب موقع آتا ہے (جیسا کہ اکثر اوقات ہوتا رہتا ہے) اور وہ ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور خدشہ ہوتا ہے کہ شخصیت کے باقی حصے پر حاوی نہ ہو جائے۔ یہ بات شیذو کے ان اجتماعی پہلوؤں کے بارے میں درست ہے جب کوئی غیر منظم گروہ فتوات کرنے لگ پڑتا ہے اور بہت سے ایسے لوگ جو عام زندگی میں چھوٹی بھی ہلاک نہیں کرتے وحشی ہو جاتے ہیں اور ہر طرح کی تہذیب کاری پر اتر آتے ہیں۔

ڈونک کہتا ہے ”شیذو ایک اخلاقی مسئلہ ہے جو پوری انگو شخصیت کے لئے چیلنج ہے اس کے علاوہ یہ ایک نہایت ہی اہم معاشرتی مسئلہ بھی ہے۔ خاصے مضبوط اخلاقی اصولے کے بغیر کوئی بھی اس قاتل نہیں ہوتا کہ وہ شیذو کے ہونے کا اندازہ کر سکے اور اس کے لئے اسے اپنے معیارات اور خیالات کا بھی پھر سے جائزہ لینا ہوتا ہے۔“ ڈونک یہ اشارہ بھی دیتا ہے کہ برداشت اور محبت کے بغیر یہ کفارہ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ وہ روسے جو معاشرتی ارتداد (Renegade) کے سلسلے میں بے اثر ثابت ہوئے ہیں، لیکن ہم ان کو عام طور پر اپنے اوپر منطبق کرنے کی کوشش میں کرتے۔

شیذو کی اہم کو کسی حد تک بیان کرنے کے بعد ہم لاشعور کی مزید گہرائی میں اترتے ہیں۔ حقیقت میں یہ اجتماعی لاشعور (Collective Unconscious) ہے، مگر آگے چلنے سے پہلے ہمیں ایک طرف تو مودوں اور دوسری طرف عورتوں میں امتیاز کرنا پڑے گا۔ اب تک ہم نے آدمی یا انسان کا لفظ مودوں اور عورتوں دونوں کے لئے استعمال کیا

ہے اور اسی میں سولت بھی تھی کیونکہ دونوں جنسوں کے نمائندہ ایک ہی طرح پر سونا اور شیڈو کے حامل ہوتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ مرد کاشیڈو کسی اور مرد کی نمائندگی کرتا ہے اور عورت کاشیڈو کسی اور عورت کی۔ یہ تو پہلے ہی سے بتایا جا چکا ہے کہ انسان کا لاشعور اس کے شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بتانا ضروری ہے کہ ہر مرد کے اندر ایک عکسیمی (Complementary) عورت ہوتی ہے اور عورت کے اندر ایک عکسیمی مرد ضرور موجود ہوتا ہے۔ ڈونگ

باتر تیب ان کو انیما (Anima) اور ایمنی ماس (Animus) کا نام دیتا ہے۔ یہ کہنا شاید متناقض (Paradoxical) ہو کہ نہ کوئی مرد مکمل مرد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی عورت مکمل عورت ہے، یہ ایک عام تجربہ ہے کہ ہم ایک ہی فرد میں مردانہ اور زنانہ خواص صاف دیکھ سکتے ہیں۔ جو مرد دیکھنے میں بہت زیادہ مردانہ نظر آئے گا وہ بچوں کے ساتھ انتہائی شفقت کا مظاہرہ کرے گا یا کسی بھی کمزور یا مریض کے ساتھ مضبوط مرد اکیلے میں تو شدید غصے کا اظہار کرے گا اور وہ جذباتی ہو جائے گا اور عقلی بات بھی نہیں کرے گا۔

ہلور مرد کی ہر کسی بہت ہی پھوٹی سی غیر نقصان دہ چیز سے ڈر جاتے ہیں، اور کچھ مردوں میں وہ مردوں کے جذبات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کی حیرت انگیز حس موجود ہوتی ہے۔ یہ تمام کی تمام زنانہ طویلیں ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ مرد کے لئے بدیہی طور عورت پن (Effeminacy)۔ مرد کے اندر اس عورت کا موجود ہونا اس کی زنانہ روح کا محض ایک پہلو ہے۔ جس کو ڈونگ انیما کا نام دیتا ہے۔ "یہ ایک درمیانی نسلی اجتماعی تمثیل (Image) ہے۔ جو انسان کے لاشعور میں موجود ہے۔ ڈونگ کہتا ہے "جس کے ذریعے سے ہم عورت کی فطرت کا اندازہ کرتے ہیں۔"

مگر یہ عورت کا ایک عمومی منظر ہے جس کا اندازہ مرد اس طریقے سے کرتا ہے، کیونکہ یہ ایچ ایک آرکی ٹائپ (Archetype) ہے۔ جو مردوں اور عورتوں کے بہت طویل مدت کے تجربے کا نمائندہ ہے اور اگرچہ بہت سی خواتین ظاہری طور پر ہی سہی مگر اس تمثیل کے بہت قریب ہوتی ہیں، یہ کسی طرح بھی انفرادی طور پر کسی خاتون کا نمائندہ نہیں ہے۔

ایچ ایک لاشعوری شے ہے اور وہ شعوری اور مادی اس وقت بنتا ہے جب حقیقی طور پر

زندگی کے دوران آدمی کا سہمت کسی عورت سے پڑتا ہے، عورت کے ذریعے عورت کا اہم ترین تجربہ ملنے کی وساطت سے ہوتا ہے اور مرد کی صورت گری اور مؤثر ہونے کے سلسلے میں یہ اختلال مضبوط تجربہ ہے، ایسے مرد بھی موجود ہیں جو اس فوق و شوق والی قوت کے اثر سے اپنی پوری زندگی میں نکل نہیں پاتے، لیکن بچہ ہونے کا تجربہ اپنا ایک خاص موضوعاتی کردار رکھتا ہے۔ اس کا تعلق اس بات سے نہیں کہ میں کیا سلوک کرتی ہے، بلکہ وہ اس کے سلوک کے بارے میں کیا محسوس کرتا ہے اور یہی شے اصل اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ میں کا وہ ایجنج جو ہر شے کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، وہ میں کی صحیح تصویر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تکلیل پانا اور اس میں ہونے والی رنگ آمیزی میں پیدائشی صلاحیتوں کی وجہ سے ہوتی ہے جو انیما کے باعث عورت کی تشکل کو بناتی ہے۔

بعد میں یہی تشکل یا ایجنج کا انعکاس (Projection) ان عورتوں پر کر دیا جاتا ہے جو آدمی کو اس کی زندگی کے دوران ملتی ہیں۔ قدرتی طور پر اس سے بے شمار نطفہ نہیں پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ اکثر مردوں کو تو یہ اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ اپنی باطنی عورت کا انعکاس ملنے والی عورت پر کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ تو اس سے بالکل ہی مختلف عورت ہے۔ بہت سی ناگہم شادیاں اور انتہائی کیناک مشقیہ تعلقات اسی باعث عہدہ میں آتے ہیں۔ بد قسمتی سے یہ انعکاس کوئی ایسی شے نہیں ہے جسے عقلی طور پر اپنے قابض میں رکھا جاسکے۔ انسان خود تو انعکاس نہیں بناتا یہ تو اس پر وارد ہوتے ہیں۔ ہر میں اور ہر محبوبہ مجبور ہوتی ہیں کہ وہ اس کمنہ آفاقی ایجنج کا مظہر بنیں اور اس کے حوالے سے ان کی شخصیت کو دیکھا اور پرکھا جائے اور آدمی کے اندر گہری حقیقت ایک خاص تشکل سے مطابقت رکھتی ہے۔

عورت کا ایجنج انتہائی لاشعور کا ایک آرکی ٹائپ ہے، ایسے خواص پر مشتمل ہے جو مختلف زمانوں میں ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ جبکہ مردان عورتوں کو بیان کرتا ہے، جو اس کے لئے کسی خاص اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ مختلف ادوار میں یہ ایجنج کسی قدر مختلف اور بدلا ہوا ہو سکتا ہے مگر کوئی خاصیت ایسی ہو سکتی ہے جو غیر متبدل رہے۔ انیما کے اندر دو ایسی ہونے کی خصوصیت موجود ہے۔ وہ بیحد جوان نظر آتی ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ایک طویل تجربہ کسی باز متعلق ہوتا ہے۔ وہ حلقہ ہے مگر انتہائی زیادہ نہیں ہے، یہ تو گہرا ایسی



حصہ۔ اس انجمن کو دور کرنے کے لئے ڈونگ روح کی بجائے انجمن کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ نفسیاتی طور پر اس کے معنی "کسی موجود نیم شعوری نفسی خیل کے وجود کا اندازہ کرنا ہوتا ہے جس کے ساتھ قافل کی جزوی خودکاری متعلق ہوتی ہے۔"

انجمن کی روح کی قدر و قیمت بھی ہوتی ہے، لہذا اس کا ایچ نہ صرف جنوں اور دیویوں پر منعکس کیا جاتا ہے بلکہ کنواری (Virgin) مریم پر بھی کیا جاتا ہے، لیکن وہ بھی تو فطرت کے قریب ہے اور جذبات سے معمور ہے۔ وہ پڑ جلد زندگی کی انگ ہے۔ وہ مردوں کو اکسائے دیتی ہے۔ وہ میری نسائی روح ہے وہ مردوں کو اشارے دے کر یا لہجہ کر محبت کی طرف، ایچ سی کی طرف، تخلیقی افعال کی طرف یا تحمل جہن کی طرف لاتی ہے۔ وہ ویسی ہی پوری طرح ہے ترتیب ہے جیسی کہ وہ عورت جس کے ساتھ ہمیشہ اس کا شخص قائم کیا جاتا ہے۔ اسے بیان کرتے ہوئے ڈونگ عام طور پر ایک ڈرامائی اور فیرمرئی اساطیری طرزِ سخن اختیار کرتا ہے، جیسے کہ وہ کہتا چاہتا ہو "وہ روح کا ایک زندہ عمل ہے" مگر یہ بھی کچھ سائنسی فارمولے سے کوسوں دور ایک سچائی کی طرح ہے۔

مو کی زندگی میں انجمن کا اظہار صرف اس انعکاس کی صورت میں نہیں ہوتا جو عورتوں پر کیا جاتا ہے بلکہ اس کا اظہار فنتاسیا (Fantasies) میں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف کیفیتوں (Moods) میں پیش میںیں (Presentiment) میں یا جذباتی پہچان میں۔ ایک پرانا چینی متن یہ کہتا ہے کہ جب کوئی آدمی صبح کے وقت جاگتا ہے خود کو بھاری محسوس کرتا ہے اور برے موڈ میں ہوتا ہے، تو یہ اس کی نسائی روح ہے۔ اس کا انجمن ہے، وہ اس کے کان میں برے برے تصورات کی باتیں کر کے گوشش کرتی ہے کہ اسے پریشان کر دے اور اس پر بے لطفی سی طاری کر کے، اس کا سارا دل برباد کر دے اور اسے یہ تاثر دے کہ کوئی شے جسمانی طور پر درست نہیں ہے یا پھر اس کے خوابوں میں آکر اسے جنسی طور پر اکسائے اور خود مرد بھی اپنے انجمن کی گرفت میں ہوتا ہے اسے جذبات پر قابو نہیں رہتا۔

اپنی مس (Animus) کا وجود عورتوں کے اندر انجمن ہی کا بدل ہے، اس کا ابھر آنا بھی انجمن کی طرح تین بنیادی بنیوں پر مشتمل ہے۔ مرد کا وہ اجتماعی ایچ جو عورت کو دراشت میں

ہوتا ہے۔ اس کا اپنا تصور مردانگی جو زندگی بھر میں مختلف مردوں سے رابطہ کرنے کے بعد اس کے اندر ابھرتا ہے۔ اس کے اندر کا مردانہ عقلی اصول۔

مردانہ عقلی اصول، وہ مردانہ عنصر ہے، جو عورت کے اندر موجود ہوتا ہے اور جنگ کے زمانے میں عورت کے اعمال میں اس کا اظہار بہت مثبت طریقے سے ہوتا ہے۔ جب ان کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کو وہ جگہ اب حاصل کرنی ہے جو پہلے مردوں کے پاس ہو ا کرتی تھی۔ مگر کوئی بہت ہی غیر عادی حالات میں اس طرح کا اظہار ہو پاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جنگ کے دوران عورتوں کے کرنے کے لئے اور بہت کچھ ہوتا ہے، مگر عموماً اس کا اظہار گھر کے ماحول ہی سے ہوتا ہے یا پھر اس کا تعلق گھر کے ماحول ہی سے ہوتا ہے۔ مثلاً پڑھنا، تیار داری کرنا یا پھر سوشل ورک وغیرہ، عورت کے لئے ایک قاعدے کے طور پر معروضی حقائق اور حقیقی رشتے کہیں زیادہ اہمیت اور دلچسپی کے حامل ہوتے ہیں، تجارت، سیاست، ٹیکنالوجی اور سائنس کے وسیع تر میدان یا مردانہ ذہن کی ساری، اطلاقی، اعلیٰ، وہ شعور کے نیم سلا (Penumbra) کو خیرباد کہہ دیتی ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ ذاتی تعلق سے تفصیلی آگہی حاصل کرتی ہے جس کی لامحدود درجہ بندی مکمل طور پر مردوں کی نظر سے اوچھل رہتی ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں عام طور (مگر ہمیشہ نہیں) یہ ہوتا ہے کہ کسی عورت کی سوچ اور مرد کے جذبات اور احساسات کا تعلق لاشعور کی سلطنت کے ساتھ ہو۔ ایسیا، کیفیات پیدا کرتی ہے مگر اپنی مس آرا پیدا کرتا ہے اور ان دونوں کا انحصار حقیقی طور پر شعوری اور بلاواسطہ فکر کی بجائے لاشعوری معتقدات (Assumptions) پر ہوتا ہے۔

جس طرح لڑکوں میں ماں ایسیا کے ایچ کی پہلی حامل ہوتی ہے، اسی طرح لڑکیوں میں باپ اپنی مس کے ایچ کا مظہر ہوتا ہے اور یہ احتراز اس کے، لڑکی کے ذہن پر محیط اور دوامی ذوق و شوق پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ لہذا وہ خود سوچنے کی بجائے اپنے باپ کے کہنے ہوئے کو دوہراتی رہتی ہے اور اپنی عمر کے آخری حصے میں بہت سے کام اپنے باپ کی طرح کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

نارٹل اور تھائی صورت میں اپنی مس منکس ہو کر کئی مردوں کا روپ دھار لیتا ہے اور جب یہ انعکاس تشکیل پا جاتا ہے، تو عورت اس بات پر یقین کر لیتی ہے کہ مرد ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ اس کو نظر آتا ہے (یعنی اپنی مس کے روپ میں) اور اس کے لئے اسے اس طرح قبول کرنا

جس طرح کا وہ ہے ناممکن ہو جاتا ہے۔ ذاتی تعلقات میں یہ رویہ کئی پریشانیوں کا سبب بنتا ہے۔ یہ گاڑی اتنی دیر تک ہی ٹھیک چلتی ہے، جب تک مرد اپنے آپ کو وہ کچھ بتائے رکھتا ہے جس کی مطابقت مرد کے اس تصور سے ہوتی ہے جو عورت کے ذہن میں موجود ہے۔ اپنی مس کے تشخص کو کسی بھی مرد سے متعلق کیا جاسکتا ہے۔ بہت قدیم سے لے کر انتہائی مذہبی شخصیت تک، اس کا تعلق عورت کے ذہنی ارتقاء کی منازل کے ساتھ ہوتا ہے، وہ تو عورت کے خوابوں میں لڑکا سا بھی نظر آتا ہے۔ یا وہ محض آواز ہوتا ہے جو سنی جاتی ہے۔

اپنی مس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ انیسوا سے بالکل الگ تھک ہے جو بیش ایک عورت کے روپ میں ہوتی ہے، یہ رہقان پایا جاتا ہے کہ اس کا اظہار مردوں کے گردہ کی صورت میں ہو۔ ڈونگ سے ایک اقتباس ہے :

اپنی مس تو پاؤں کی ایک جماعت ہے، یا پھر کسی بھی طرح کے شراب کی، جو ایک ناقابل تردید عقلی صورت ہے، کچھ مقدس عبادتوں کی، اگر قریب سے دیکھا جائے یہ اعلیٰ عبادتیں کچھ فرمودات اور آراء پر مبنی ہوتی ہیں، جو انجمن کے زمانے سے باہر اور سر سے انسانی کئی شروع کر دی جاتی ہیں اور ان کو ایک ایسے قہیلے میں ڈال دیا جاتا ہے جو عمومی صداقت، انصاف اور قبولیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ گویا مجموعہ ہے ان خیالات کا جو پہلے سے فرض کر لئے گئے ہیں۔ جو اس زمانے میں جمع کئے گئے تھے، جب صحیح فیصلہ کرنے کی قوت اور شعور موجود ہی نہیں تھے (زیادہ تر یہی کچھ ہوا ہوتا ہے) مگر وہ فوری طور پر ایک رائے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض وجوہات ان آراء کو معروف اور درست عقلی مشترک (Common Sense) کی شکل عطا کر دی جاتی ہے، وہ اصول نظر آتے ہیں جو کہ تعلیم کے سروپ (Travesty) کی طرح ہیں۔ لوگ بیش اسی طرح کہتے ہیں۔ سب یہی کہتے ہیں کہ وہ اس طرح کا ہے۔"

اس تنقیدی رائے کا رخ کئی بار زیادہ فعال ضمیر کے باعث عورت کی طرف بھی ہو جاتا ہے۔ اس سے عورت احساس کسری کا ظہار ہوتی ہے اور اس کی فیصلہ کرنے کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کا رخ بار و گرد پہلے ہوئے لوگوں کی طرف ہو جاتا ہے اور پھر بغیر دیکھے ہر طرح کی تخریب کاری شروع ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں عورت اپنے

مسلموں پر تنقید کرتی ہے اور بطور اسی شدت کے وہ اجنبی لوگوں کے کردار کا ٹکا پٹا بری طرح بکھیر دیتی ہے، اور کبھی وہ اپنے خاندان والوں یا اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے بارے میں یا خود ان سے صلح باتیں کرتی ہے اور کہتی ہے، 'میں ان کے لئے اچھا ہے۔' "بہتر ہے کہ بچ کو بچ ہی کے طور پر بیان کر دیا جائے۔ میں نہیں چاہتی کہ ان کی عادتیں خراب ہو جائیں۔" یہ ایک ایسا بیان ہے جس سے اپنی مس پچاٹا جاتا ہے۔ پڑھی لکھی خاتون بھی اس شدت کے ساتھ اس کا شکار ہوتی ہے، جیسے کہ کوئی ان پڑھ عورت ہو سکتی ہے۔ وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے اخبار میں سے اقتباس پڑھے کی یا پھر کے کی، یہ کیسے لوگ ہیں میری بات کو سمجھتے ہی نہیں، میرا اعتبار ہی نہیں کرتے۔ بس اپنے ہی بات کئے جاتے ہیں، میں نے خود اخبار میں دیکھا ہے۔ یہ خواتین انحصار کرتی ہیں کسی مقتدر ادارے پر، یونیورسٹی پر، گریجویٹ پر، ریاست پر یا کسی کتب یا تاریخی مسودے پر۔ بہر صورت اگر اس کی رائے سے اتفاق نہ کیا جائے تو پھر وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر دلائل لاتی ہے اور اداکاری (Dogmatic) میں جاتی ہے۔ ایسی عورتیں طاقت کی خواہش ہوتی ہیں، خواہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں کیسی بھی بھولی بھالی اور مطابقت پیدا کرنی والی کیوں نہ نظر آئیں۔ جب بھی اس کا اپنی مس پہلو جاکتا ہے، وہ غلم اور تشدد پر اتر آتی ہے اور پھر کوئی دلیل اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس اپنی مس طعاری کی وجہ سے ایک عورت کے لئے ہے حد مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ غیر متعصب انداز میں سوچے، اسے ہر گزنی اس آواز کے خلاف خود آزما ہوتا ہے، جو اس کے اندر سے ابھرتی ہے، جو اسے یہ کہتی ہی چلی جاتی ہے "یوں ہونا چاہئے یا اسے یوں کرنا چاہئے۔" لہذا اس کے لئے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ چیزوں کو ان کے اصل رنگ میں دیکھے۔

اپنی مس کا ایک مثبت تقاضا بھی ہے۔ تاہم کبھی کبھی ایسا موقع بھی آ جاتا ہے کہ عورت کو اس حوصلے اور تشدد کی ضرورت ہو، جو اپنی مس کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ بہت منفرد شے ہے۔ اگر اسے یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ عورت کو بھی اپنے ساتھ بھاگنے لے جائے۔ جو آزادانہ قائم کرتا ہے، وہ بہت زیادہ عمومی کی حامل ہوتی ہیں اور اس لئے ان کا اطلاق کسی خاص صورت حال پر بھی ہو سکتا ہے اور اگر کوئی خاتون ان کا تنقیدی جائزہ لے، تو وہ اس میں سے ایسی شے بھی دریافت کر سکتی ہے، جو احتمالی کللی قدر ہو۔ اپنی مس عورت کو اکسا سکتا ہے کہ وہ غلم اور صداقت کی جستجو کرے اور یوں وہ اپنی زندگی کو ہاتھ بندھے۔ اگر وہ اسے پہچانتا



سیکھ لے اور اس کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال لے۔

اجنبی مس اور اشتیاء دونوں ہی شعور اور لاشعور کے درمیان مصالحت کنندہ کا کردار ادا کرتے ہیں اور جو کسی زندہ ہستی کے طور پر خوابوں میں، فکریا یا وژن میں اجاگر ہوتا ہے، انسان کو وہ کچھ کر سکنے کا موقع مل جاتا ہے، جو کبھی لاشعور کا حصہ تھا۔ ڈرنگ تو یہ بھی کہتا ہے کہ خوابوں کو سلیجی کی سے لینا چاہئے۔ وہ تو فطرت کی آواز ہیں، وہ صرف آواز ہی نہیں ہیں، ان کے کچھ اثرات بھی ہم پر مرتب ہوتے ہیں۔ وہ خواب جو بظاہر بے معنی لگتے ہیں، ان کی تفسیر بھی ہو سکتی ہے، اگر ان پر صحیح رخ سے غور کیا جائے اور ان کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ مگر کچھ خواب تو ایسی واضح تصویر پیش کرتے ہیں کہ ان سے کچھ نہ کچھ مفہوم فوری طور پر افاد کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کہ کوئی ذرا سی کوشش کرنے کو تیار ہو، اگر کوئی صاحب کشف (Visionaries) یا خوابوں کا مطالعہ قریب سے کرے اور اس کی مطابقت ان لوگوں سے پیدا کرے، جن کو وہ پہلے سے جانتا ہے یا اساطیر اور شاعری کا مطالعہ کرے یا ان کرداروں کو دیکھے، جو کتابوں اور ڈراموں میں موجود ہوتے ہیں، تو پھر اسے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ خوابوں میں ظاہر ہونے والے کی، اس کے لئے کیا اہمیت ہو سکتی ہے اور یوں اسے کسی حد تک اپنے لاشعور کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔

یہ ایک شاندار منافع ہے کسی بھی شخصیت کے لئے، اس کی وجہ سے شخصیت زیادہ آزاد ہو جاتی ہے اور ان دیکھے اور غیر عقلی اثرات اس پر کم ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسروں سے تعلقات میں بھی سہولت پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ ویسے ہی نظر آنے لگتے ہیں جیسے کہ وہ ہیں۔ وہ ویسے نہیں رہتے جیسے کہ ہم نے اپنے طور پر ان کو بنا دیا ہوتا ہے اور ہم نے انہیں بہت سے ممکن اور ناممکن خواص عطا کر دیئے ہوتے ہیں اور ان پر ہم اپنی ذات کا انعکاس کرتے رہے ہوتے ہیں۔

اجنبی اور اجنبی مس کے اثرات کا اندازہ کرنا خاص مشکل ہے، خاص طور پر پر سونا اور شیڈو کے مقابلے میں ایسا کرنا کارے دارد، بہت سے لوگ ایسے اشخاص کو جانتے ہیں، جو مکمل طور پر پر سونا ہوتے ہیں اور پھر وہ ان اثرات کو دیکھنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں اور شیڈو تو خاص طور پر خاصہ واضح ہوتا ہے اور اس کی نشاندہی کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ اجنبی اور اجنبی مس ہر حال پھیلاؤ کی طرح ہوتے ہیں اور صرف محدودے چند لوگ ہی یہ بتا سکتے ہیں کہ ان

سے کیا مسموم لیا جاسکتا ہے۔ نہ ہی وہ شعور کے ساتھ پوری طرح منطقی کئے جاسکتے ہیں۔ ان کا بہت سا حصہ آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے اور اجتماعی لاشعور کی تعلیم میں غفل ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر ایک ایسا آدمی جو ایٹم بوم کو قبول کرتا ہے اور اسے جاننے کی کوشش کرتا ہے، وہ ممکن ہے زیادہ حساس و صول کنندہ ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے وجدان کو ترقی دے لے یا احساس کو، مگر وہ اپنے آپ کو ان خواص کا حامل نہیں بنا سکتا، جن کا انکسار دیویوں پر یا کنواری پر کیا جاتا ہے۔ وہ ممکن ہے اس کے دل میں رحم، فیاضی، شغلیابی، تخلیق و فیوض پیدا کریں، مگر یہ سبھی کچھ اس کی مرضی کا پابند نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات تو وہ اس کی مرضی کے بغیر ہی کلام سرانجام دیتے ہیں، اور ان کو اسی وقت حاضر بھی نہیں کیا جاسکتا جب وہ ان کو بلانے کی خواہش کرے، یہی بات ان عورتوں کے بارے میں بھی درست ہے، جو کچھ کرنے کر گزرنے کا شوق رکھتی ہیں یا فکر میں پیش قدمی کر لیتی ہیں، جن کا تعلق ان کے ساتھ ذاتی اور نجی ہوتا ہے مگر وہ مردانہ روح کے اس پہلو کو جس کا تعلق لاشعور کے ساتھ ہوتا ہے، کبھی پوری طرح اپنا نہیں بنا سکتیں اور نہ ہی اس کا مظاہرہ اس طریقے سے کر سکتی ہیں کہ وہ خالص ذاتی اثرات سے باہر اور نظر آئے۔

کوئی بھی شخص جسے ایٹم بوم اور اپنی مس کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے، تو وہ جان لے کے اسے باطنی مرد اور عورت کے بارے میں علم حاصل ہوگا۔ یہ وہ قومیں ہیں جو دوسرے انسانوں کو فعال بناتی ہیں، اس نے مرد اور عورت کے بارے میں وہ کچھ جان لیا، جو بہت اجتماعی لاشعور کی گہرائی میں موجود ہے، مگر اسے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس پر اس سمندر کے تمام راز واضح ہو گئے، کیونکہ جہاں تک ہمارا علم ہے، یہ سمندر لامحدود ہے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ اس لاشعور کو پانی سے خالی کر دیا جائے اور اس کے اندر جو کچھ موجود ہے، اسے باہر نکال لیا جائے۔ جو آرکی ٹائپ اس میں سے ابھر کر سامنے آسکتے ہیں، لامتناہی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی جائے اور ان سے مانوس ہونے کی سعی کی جائے، جو سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں اور ہم پر جن کے اثرات سب سے زیادہ مضبوط ہیں۔

ایٹم بوم اور اپنی مس کے بعد وہ دو آرکی ٹائپ جو انسان کی زندگی پر زیادہ اثر انداز ہونے

کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ بوڑھا دانا آدمی (Old Wise Man) اور عظیم ماں (Great Mother) ہیں، بعض اوقات ڈونگ بوڑھے دانا آدمی کو معنی کا آرکی ٹائپ قرار دیتا ہے لیکن چونکہ وہ کئی اور اشکال میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بادشاہ یا پیر، طبیب (Medicine Man) اور بچانے والا (Saviour)۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ معنی کو اپنی وسیع ترین صورت میں لیا جائے۔

یہ آرکی ٹائپ شخصیت کے لئے ایک سنجیدہ خطرہ ہے، کیونکہ جب یہ جانتا ہے تو انسان آسانی سے اس بات میں یقین کر لیتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مانا (Mana) کا حامل ہے۔ اس کے ساتھ جلدی قوت بھی ہوتی ہے اور حکمت بھی۔ یوں لگتا ہے کہ انتہا کا پرہیز و ذوق و شوق اس مشکل کے باطن میں داخل کیا گیا ہے اور جو اس کی گرفت میں آجائے، وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اسے عظیم سری (Esoteric) حکمت کے ساتھ ساتھ خیرات قوت اور شفا عطا ہو گئی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا شخص اپنے پیچھے بہت سے لوگوں کو لگائے، کیونکہ جب وہ اس حد تک اپنے لاشعور کو جاننے لگتا ہے، تو وہ واقعی وہ سبوں سے بہت آگے نکل چکا ہوتا ہے۔ ہر صورت آرکی ٹائپ کے اندر ایک ایسی قوت ہوتی ہے، جس کا اندازہ لوگوں کو وجدانی طور پر ہو جاتا ہے اور پھر وہ اس کے خلاف مدافعت بنانے کے قابل نہیں ہوتے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے لوگ اس سے مسحور ہو جاتے ہیں، خواہ غور کرنے کے بعد یہ اندازہ بھی کیوں نہ ہو جائے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے اس کی تنہیم ممکن نہیں ہے۔ مگر یہ قوت تخریبی بھی ہو سکتی ہے اور انسان کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی قوت اور اوقات سے باور چلا جائے۔ اس کے پاس حقیقی حکمت نہیں ہوتی، جو حقیقت میں لاشعور کی ایک آواز ہے اور اس پر شعوری سطح پر تنہید کی جانی چاہئے اور اس کی تنہیم بھی اس طریقے سے ہونی چاہئے کہ اس کی صحیح قدر و قیمت تک رسائی حاصل ہو سکے۔ اگر کوئی انسان اس بات پر یقین کر لے کہ وہ اپنے ہی خیالات کی آواز سن رہا ہے اور اپنی ہی قوتوں کا اظہار کر رہا ہے، خاص طور پر اس وقت جب اس کے لاشعور سے کوئی خیال ابھر کر سامنے آ رہا ہو۔ تو پھر اس بات کا خدشہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی گرفت میں ہو اور خبط عظمت (Meglomania) کا شکار ہو۔ (خبط عظمت کا مریض یہ سمجھتا ہے کہ وہ بادشاہ ہے یا زمین کی عظیم استیوں کے ساتھ قریبی رابطہ رکھتا ہے۔ یہ ایک انتہائی مشکل ہے مگر اس کے اندر غلو کا ہونا لازمی ہے) لیکن اگر کوئی شخص خاموشی کے ساتھ لاشعور کی آواز کو سن سکتا ہو اور پھر کچھ بھی سکھائے ہو کہ یہ قوت

اس کے ذریعے اپنا اعتماد کر رہی ہے، اور اسے اس پر اختیار نہیں ہے۔ تو پھر یہ اس کی شخصیت کو بہت اعلیٰ مدارج تک لے جا سکتی ہے۔

عظیم میں کا آرکی ٹائپ عورت کے اندر حوازی طور پر کام کرتا ہے۔ جس کے اندر یہ صورت حال پیدا ہو جائے وہ سمجھتی ہے کہ اسے لامتناہی محبت، فہم، مدد کرنے کی خاصیت، تحفظ کی فراہمی و دیست ہوتی ہے وہ دوسروں کے لئے اپنے آپ کو ہلکان بھی کر سکتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ انتہائی تخریبی بھی ہو سکتی ہے اور اس بات پر اصرار کرتی ہے (اگرچہ کھلے بندوں نہیں کرتی) کہ جو لوگ بھی اس کے حلقہ اثر میں آتے ہیں، اس کے بچے ہیں، اس کی مدد طلب کرتے ہیں، اور اس پر داد و تحاریر رکھتے ہیں اگر یہ ذہانت بھرا استبداد (Tyranny) اپنی انتہا کو چھو لے، تو پھر وہ دوسروں کے حوصلے پست بھی کر سکتا ہے اور ان کی شخصیتوں پر تباہی بھی لاسکتا ہے۔

ڈونگ ان لوگوں کو جو ان آرکی ٹائپ کی گرفت میں ہوتے ہیں، پھولا ہوا (Inflated) قرار دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو بھی ان کی گرفت میں ہو گا وہ پھول کر اپنے لئے بہت بڑی شے بن جائے گا مگر یہ شے کسی طرح بھی ذاتی یا نجی نہیں ہوتی، بلکہ اجتماعی ہوتی ہے۔ ایچ۔ جی۔ ویلز (H.G. Wells) کی کہانی کرشنا البرہا کا باپ (Christina Alberta's Father) میں اس پھولنے کے عمل کی ایک انجی مثال موجود ہے۔ اگرچہ یہ شعور کی توسیع یا ایجنڈا کے جذب ہو جانے (Assimilation) کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کی وجہ سے ہے، جسے ڈونگ اپنی زبان میں "اجتماعی لاشعور کی بغاوت" (Invasion) قرار دیتا ہے۔ مسٹر پریم ہائی (Premby) جو کہ پڑھیا (Midget) شخصیت کا مالک ہے، یہ دریافت کرتا ہے کہ وہ حقیقت میں سارگن (Sargon) جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، کا نیا روپ ہے، جسے کھیلنے ہوئے انداز میں مصنف کا کہنا کہ فن فریب اور قدیم سارگن کو مرعضانہ ہمدردیوں سے بچا لیتا ہے۔ بلکہ وہ تو قاری کو یہ موقع بھی دیتا ہے کہ وہ اس قاتل افسوس شور شرابے کے اندر چھپے ہوئے اسیلے اور دوائی مسلمان کی ایک جھلک دیکھ لے، مسٹر پریم ہائی جو کچھ بھی نہیں ہے یہ سمجھنے لگ پڑتا ہے کہ وہ بہت سے ادوار کا نقطہ اتصال ہے اور اس میں ماضی اور مستقبل دونوں ہی شامل ہیں۔ یہ علم اس کو بہت متکا پڑتا ہے کیونکہ اس کی قیمت

ذرا سی وجہ انگی ہے اور آخر کار پریم بائی کو اس صیب قدیم قشال کا ہوائی، ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور حقیقت میں بھی یہی واقعہ اس کے ساتھ پیش آتا ہے۔

خداؤں کی طرح محسوس کرنا یا سپر مین (Superman) بننے کا احساس ہو تو افراد (Inflation) کی وجہ سے ہوتا ہے، ایک واقعہ (Illusion) ہے، فریب نظر ہے۔ ایک مختصر مدت کے لئے ہمارے دل میں لامحدود حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے یا ہم خود کو لامتناہی حکمت کا حامل سمجھتے ہیں۔ سب کو معاف کر دینے والے، مگر یہ بھی کچھ ایسی شے نہیں ہے، جو ہم اپنی مرضی سے طاری کر سکتے ہوں، یہ تو ہم سے باہر ہے۔ ہم ان طاقتوں کو ٹھیک سے سمجھتے بھی نہیں ہیں کہ وہ ہم کو اس طرف کیوں لاتی ہیں، ان کے سامنے انکسار کے ساتھ کھڑے ہو جانا لازم ہے اور اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے لیکن اگر ایٹو اپنی قدرت (Omnipotence) کے پیش نظر ان پر اپنے اعتماد کو کسی حد تک کم کرے، تو جو پوزیشن پیدا ہوتی ہے وہ ایسی ہے کہ اس کے ایک طرف تو شعور ہے، جسے اقدار کا احساس ہے مگر وہ انہیں حاصل نہیں کر پاتا اور دوسری لاشعور ہے جس میں فعالیت بھی ہے اور حالات بھی ہے اور یوں شخصیت کا ایک اور مرکز ابھر کر سامنے آسکتا ہے، جو اپنی نوعیت میں ایٹو مرکز (Ego Centre) بالکل مختلف ہو۔ ڈونگ اس نئے مرکز کو شخصیت کا سلف (Self) یا ذات کہتا ہے۔

ایٹو کہتا ہے کہ صرف اس کو شعور کا مرکز ہونے کا حق ہے اور اگر وہ یہ کوشش کرے تو لاشعور بھی اس میں شامل ہو جائے (اجتماعی لاشعور کے عناصر ذاتی لاشعور نہیں اور نہ ہی شیڈ جو ایٹو سے تعلق نہیں رکھتے) تو اسے جی کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس جہاز کی طرح جس پر اتنا زیادہ وزن لاد دیا جائے کہ وہ اس بوجھ ہی سے ڈوب جائے۔ سلف کے اندر ہر صورت شعور اور لاشعور دونوں ہی موجود ہوتے ہیں۔ یوں گلتا ہے گویا وہ ایک مقناطیس (Magnet) ہے اور وہ شخصیت کے ٹکڑے ہوئے عناصر کو یکجا کرتا ہے اور یہ ایک لاشعوری فعل ہے اور لاشعور کی کلیت (Totality) کا مرکز ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایٹو شعور کی کلیت کا مرکز ہے اور یہی وہ تقاطع ہے جو مردوں اور عورتوں میں متضاد عناصر کو یکجا کرتا ہے۔ اس میں خیر و شر اور مردانگی اور نسائیت وغیرہ شامل ہیں اور ایسا کرتے ہوئے وہ ان کی کاپیاں پلٹ (Transmutation) کر دیتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے یہ لازمی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر کتر کے ساتھ ساتھ غیر عقلی اور بے عقلی کو بھی شامل کیا جائے۔

اس حالت تک کوئی بھی پختہ کار شخص بغیر اچھی خاصی جدوجہد کے نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ ایسا کرنا خاصہ تکلیف دہ ہوتا ہے، اور مغربی ذہن مشرقی ذہن کے برعکس ناقص (Paradox) کو آسانی سے برداشت نہیں کر پاتے، ہمدرد کے لئے ہر شے خواہ وہ اعلیٰ ترین ہو یا پست ترین ہوا نصیحت (Transcent) میں موجود ہوتی ہے، اور یہ موضوع ہے سلف لہ کا۔

چینی فکر میں تائو (TAO) بھی اشتمل کل (All Inclusive) ہے اور گولڈن فلوور (Golden Flower) یا غیر فانی روح (Immortal Spirit) کا وجود میں آ جانا بھی (جو چینی یوگا کا سب سے بڑا ارمان Ideal ہے) انحصار کرتا ہے روشن قوتوں پر اور تدریک قوتوں کے باہمی عمل اور رد عمل (Interplay) پر۔

ڈونگ جب مشرق کے ساتھ رابطے میں آیا تو اس نے لاشعور کے بہت سے مخفی راز دریافت کئے اور پھر اس نے تدریس پھول کا راز (Secret of the gold flower) ایک تصور برائے سلف تکمیل دیا، مگر وہ یہ نہیں کہتا کہ ہم کسی بھی طرح مشرق کا قبیضہ کریں۔ ایسا کرنا معجزہ خیر ہو گا یہ تو ایسا ہی ہے جیسے روزی زرق برق لباس پہنا جائے۔ وہ بہت مشکل اور مشقت سے بنایا ہوا اختیار۔ ارادہ (The will) اور وہ علم جو طیحات والوں نے بڑی محنت سے طویل عرصے میں حاصل کیا ہے، یا پھر کیا دانوں نے یا قدرتی سائنس دانوں نے، اسے ہم نے اٹھا کر ایک طرف تو نہیں پھینک دیتا۔

سائنس مغرب والوں کا بہترین اختیار ہے اور خلی ہاتھوں کی بجائے اس کی مدد سے زیادہ دور دار کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اس وقت جب یہ دعوے کیا جاتا ہے کہ وہ دنیا کو جاننے اور چیزوں کو پرکھنے کا واحد ذریعہ ہے، تو یہ گویا بھیرت کو دھندلانے والی بات ہے، لیکن یہ مشرق ہے جس نے ہمیں ایک شاہکار اور وسیع تقسیم عطا کی ہے، اور وہ ہے زندگی کے حوالے سے علم حاصل کرنا، جب ہمیں اس مسئلے کا سامنا ہو، کہ مشرق کے خیالات کو کس طرح سمجھا جائے، تو اس وقت اہل مغرب کی عام فطرت یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک بار سائنس سے من موڑ لیتا ہے، اور پھر مشرقی دھند و کثف میں کھو جاتا ہے اور وہ ان کی یوگا (Yoga) مشقوں کو سامنے کے معنوں میں لینا شروع کر دیتا ہے اور



اور قبول کریں، انہیں لاشعور کو اپنی شخصیت کے ساتھ اس طرح مربوط کرنا ہوتا ہے کہ وہ ایک کل کی شکل اختیار کرے۔ تناقضات طور پر سلف نہ صرف مرکز ہے بلکہ وہ پورے انسان کی نمائندگی بھی کرتا ہے اور اس کے تضاد سے جو فطری طور پر انسان کے اندر موجود ہیں ایک اکائی تشکیل دیتا ہے، اس کے اندر وہ بھی کچھ موجود ہوتا ہے، جو اچھا ہے اور وہ بھی کچھ بھی برا ہے، پھر اس کے اندر مردانگی بھی ہے نہایت بھی، وہ چاروں عناصر بھی جو فکر، احساس، نفس اور وجدان کہلاتے ہیں اور اس میں شعور اور لاشعور بھی شامل ہیں۔

سلف کے بارے میں ڈونگ کہتا ہے کہ وہ نہ صرف مرکز ہے بلکہ وہ تو محیط (Circumference) ہے اور شعور اور لاشعور کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے، وہ اس ساری کلیت کا مرکز ہے، جیسے کہ ایٹم شعور کا مرکز ہے۔

سلف کا تجربہ آرکی چمپ کا تجربہ ہے اور اس کا اظہار خواہوں میں ہوتا ہے یا پھر وژن میں اور مختلف قسم کے کی متفرق مثالوں میں، ان سب کو سلف کے آرکی چمپ کہا جاتا ہے۔ جو لوگ خواہوں کی زبان سے باور افق ہیں، ان کے لئے ایچ کا یہ شروع الہام پیدا کرنے کا سبب بھی ہو سکتا ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لاشعور اس طرح ٹھیک ٹھیک طور پر متعین نہیں ہے جس طرح کے شعور کو ہونے کی ضرورت ہے۔

اگر وہ سورج کی بات کرے اور اس کا تشخص شیر کے ساتھ قائم کرے یا پھر بادشاہ کے ساتھ اور سونے کی زنجیروں کے ساتھ جن کی رکھوالی اڑوا کرتا ہے اور دوسرے کئی ایچ، یہ بھی سلف ہی کے آرکی چمپ کہلائیں گے، یہ وہ قوت ہے جو انسان کی زندگی اور صحت کو قائم رکھتی ہے، وہ نہ یہ چیز ہے اور نہ ہی وہ چیز ہے، بلکہ وہ تو کوئی ماسطوم تیسری شے ہے، جو کسی نہ کسی طرح تمام استعاروں میں اپنا اظہار کرتی چلی جاتی ہے تاہم اس کے باوجود وہ اصل کی ہمہ وقت اذیت ہے جو ماسطوم راقی ہے اور کبھی اسے فارمولوں میں قید نہیں کیا جاسکتا۔

بچہ کئی بار سلف کی علامت ہوتا ہے۔ بعض اوقات کوئی عہد اور دی یا جادوئی بچہ، بعض



اوقات عام ساچے بلکہ مجسموں میں لپٹا ہوا پچ (Ragamuffin) بھی۔ اساطیر اور لوک کہانیوں میں بچے کے ساتھ لامحدود تصورات پہلے ہی سے لگا دیئے گئے ہیں، اور مذاہب میں کئی بار اس کو بہت اعلیٰ جگہ دی جاتی ہے، خاص طور پر صہیت میں، جس سے سلف کے بطور بچے کی علامت کے، بہت سی روشنی پڑتی ہے اور دوسری اشیاء پر حضرت یسعی اور مہاتما بدھ کی شبیہیں آتی ہیں جو ڈونگ کے خیال میں سلف کے آرکی ٹائپ کے اعلیٰ ترین امتیازات ہیں جن تک رسائی حاصل کرنے میں انسانیت اب تک کامیاب ہوئی ہے۔

خواب کے اندر سلف جانور یا انڈے سے بھی ابھر سکتا ہے، اس کا اعتبار دو جنسی (Hermaphroditic) شکل کی صورت میں ہوتا ہے (جو بدیہی طور پر تخمیل کی علامت ہے) اور اس لئے اس کا حصول بہت مشکل ہے۔ اس سلسلے میں وہ ایک ہوا ہریارہ (Jewel) ہے۔ (خصوصی طور پر ہیرا (Diamond) موتی (Pearl) ایک پھول، ایک سونے کا انڈہ، گیند یا پھر پھول کنوری (Chalice) یا کوئی جو عطریا (Geometrical) شکل، جیسے دائرہ، پیسہ، مربع، اور کوئی بھی شے جو چوکور ہو، کوئی ایسی صلیب جس کے چاروں بازو ایک جیسے ہوں، یا وہ گھریلو رمز (Symbol) جس میں چار ہدام ایک ترتیب سے رکھے گئے ہوں، یہ سبھی چیزیں اکثر سلف کی علامت کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

ہم مرکز حوالے سے مرتب کی گئی اشکال جن کو منڈل (Mandalas) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ منڈلا سنسکرت (Sanskrit) کا لفظ ہے جس کے معنی جادوئی چکر (Magic Circle) کے ہیں اور ان کی رمزیت (Symbolism) اشکال ترتیب ہے۔ یہ سارے کی ساری نیم قطری (Radius) یا کروی (Spherical) ترتیب ہے، تمام دائروں، چکروں یا مربعوں کا ایک مرکزی نقطہ ہوتا ہے، یہ قدیم ترین مذہبی علامتوں میں سے ایک ہے (پہلے اس کو سورج چکر (Sun Wheel) کے نام سے جانا جاتا تھا اور یہ دنیا میں ہر جگہ موجود ہے۔ مشرق کے اندر منڈل (جن کی شکل روحانی طور پر چھین ہے) اور م کے طور پر تنزاً (Tantric) اور لائلی بدھ مت (Lamaistic) میں استعمال ہوتے ہیں۔ یونا مراقبے (Contemplation) یا سلامی میں مددگار کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ عیسائیت کے بھی منڈل ہیں اور ان کا تعلق قرون وسطیٰ (Middle Ages) کے آغاز کے ساتھ ہے۔ اس میں

حضرت یحییٰ کو مرکزی شکل کے طور پر درمیان میں رکھا جاتا ہے اور چار طرف چار مبشر (Evangelist) ہوتے ہیں اور ان کی علاقئیں اہم نقطوں پر ہوتی ہیں۔ تاریخی طور پر منزل ایک ایسی رمز ہے جو خداوند (Diety) کی فطرت کو ظاہر کرتی ہے۔ اسے فلسفیانہ طور پر بیان کرنے کے لئے بھی اور اس کی تعریف کرنے کے لئے بھی۔

ژونگ نے یہ دیکھا کہ منڈالا<sup>(۱۲)</sup> رمزیت اس کے مریضوں کے خوابوں اور وژن دونوں میں ظاہر ہو رہی ہے۔ اس نئی رویت (Appearance) ان کے لئے ناقابل تقسیم تھی مگر اس کے باوجود اس کے ساتھ ایک سکون اور آہنگ کا احساس ضرور تھا۔ بعض اوقات منزل کھینچا جاتا تھا یا پھر اس کی تصویر کشی ہوتی تھی، جس میں وہ اکثر جو صلیبی شکل اختیار کر لیتا تھا یا پھر اسے ایک وژن کے طور پر دیکھا جاتا تھا (خواب میں یا پھر جاتے میں) یا پھر رقص کی شکل میں۔ اگر کسی پڑھنے والے کو منزل کا رقص عجیب لگے تو بہت سے عباداتی رقص ذہن میں لانے چاہئیں یا کچھ لوگ رقص، جہاں رقص کا ایک خاص پتھر مرکزی نقطہ ہو، جو چاروں سمتوں سے گزرتا ہو اور مرکزی طرف پیش قدمی ہو، منزل وژن نتیجے کے طور پر بھی واقعہ ہو سکتا ہے یا پھر بقول ژونگ فعال متیلہ (Active Imagination) کے طور پر، جو ایک تحقیق ہے انتہائی مرکوز توجہ کی، جو شعور کے پس منظر پر منج کی جاتی ہے اور وہ ایک طویل مشق کے بعد اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے۔ یہاں ایک مثال پیش کی جا رہی ہے جو ایک خاتون مریض کے طویل بیان سے لی گئی ہے۔

میں پہاڑی کے اوپر چڑھی اور ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں مجھے اپنے سامنے سات سرخ پتھر نظر آئے دونوں طرف سات سات پتھر اور سات پتھر پیچھے بھی تھے، اور میں اس چوکور کے درمیان میں کھڑی تھی یہ پتھر بالکل ہموار تھے بیڑیوں کے قدموں کی طرح۔ میں نے کوشش کی کہ میں چار پتھروں کو گھمٹ کر اپنے قریب کر لوں۔ جب میں نے یہ کوشش کی تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ پتھر چار دیوتاؤں کی صورتوں کے پائے (Pedestals) تھے جنہیں زمین کے اندر دفن کر دیا گیا تھا۔ میں نے ان کو نکھود کر باہر نکالا اور میں نے انہیں اپنے ارد گرد ترتیب سے پھیلا دیا، ان کو اس طرح پھیلا دیا کہ میں ان کے مرکز میں آ جاؤں۔ اچانک وہ ایک دوسرے کی طرف جھک گئے اور انہوں نے

اپنے سروں کو میرے اوپر جو ڈکریک فیمر سا بٹا لیا۔ پھر میں زمین پر گر گئی اور میں نے کہا "اگر تم گرنا ہی چاہتے ہو تو مجھ پر گر جاؤ" میں بے حد تنگ گئی ہوں، پھر میں نے دیکھا کہ چاروں دیہاتوں کو گھیرے میں لئے ہوئے شعلوں کا ایک دائرہ سا ابھر آیا ہے، کچھ دیر کے بعد میں زمین سے اٹھی اور میں نے دیہاتوں کی سورتوں کو پرے پیچک دیا، جہاں وہ گرمی وہاں چار درخت اُگ آئے پھر اُنک کے چار ٹیلے شعلوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور انہوں نے درخت کے پتوں کو جلاتا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا "یہ سب کچھ ختم ہونا چاہئے" مجھے اُنک کے اندر خود داخل ہونا چاہئے۔ تاکہ پتوں کو جلنے سے بچایا جاسکے۔" پھر میں اُنک کے اندر داخل ہوئی، درخت غائب ہو گئے، اور شعلوں کے چھوٹے چھوٹے پتے سے ایک بہت بڑا نیلا شعلہ بن گئے، اور پھر اس شعلے نے مجھے زمین سے اوپر اٹھایا۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ اس وژن کے معانی کو مکمل طور پر جانا جائے مگر قاری اکتا تو کر سکتا ہے کہ وہ اس کے مرکزی نقطے کو جان لے، جس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بھی کوشش کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے کچھ خطروں بھی مول لینا پڑتا ہے، ہر حال یہ تو دیکھا جاسکتا ہے کہ چوکوریں اور دائرے بہت اہم اشکال ہیں۔ اس سے بھی کہیں زیادہ تجزیہ ریت (Vision) ورلڈ کلاک (World Clock) ہے۔ جو ایک فوجی وائنڈ انشور نے بنایا تھا وہ ڈونگ کے پاس ایک نیورس (Neurosis) کے سلسلے میں آیا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے ڈونگ نے اس سے بہت سی مختصر ملاقات کی تھی، پھر اس نے پانچ ماہ تک ایک شاعر کو اپنے خواب اور بصری تجربات دیکھاؤ کروائے تھے۔ ایک خاتون ڈاکٹر جس نے اس وقت ابھی آغاز ہی کیا تھا اور پھر تھامس کے تین ماہ بعد تک اس پر کام کرتی رہی تھی۔ چنانچہ اس بات کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ ڈونگ اس مریض کے مواد پر کسی طرح بھی اثر انداز ہوا ہو اس کا وژن مندرجہ ذیل ہے :

ایک عمودی اور افقی دائرہ ہے اور مرکز دونوں کا ایک ہی ہے، ایک سیاہ پرنڈ، اس کو اٹھائے ہوئے ہے، عمودی دائرہ نیلے رنگ کا ہے اور اس کا پیسہ سفید ہے اور اس کی تقسیم  $8 \times 4$  ہے جو کل ۳۲ جہتی ہے اور یہی اس کے ۱۲۸۱ ہیں۔ ایک ہاتھ اس کو گھما

رہا ہے، اپنی دائرہ چار رنگوں پر مشتمل ہے۔ اس دائرے پر چار پھولے چھوٹے آدمی کھڑے ہیں اور ان کے پاس چار چھوٹے سے (Pedula) ہیں اور ان کے گرد ایک منہرے رنگ کا دائرہ ساہتا ہوا ہے۔

یہ ڈیٹن ایک اعلیٰ و ارفع آہنگ کو ابھارتا ہے اور اس میں اتنے زیادہ امکانات موجود تھے کہ کہ ڈیٹنگ نے اس پر غامض تحقیق کی ہے۔

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ منڈالا رمزیت کہیں زیادہ سادہ ہو، اور کم ڈرامائی ہو، ان دو مثالوں کے مقابلے میں جو اوپر دی جا چکی ہیں۔ مثلاً ایک فوارے کا خواب، جو ایک مریض شغل کے مرکز میں لگا ہو اور لوگ فوارے کا طواف کر رہے ہوں، یا کوئی چوکور مریض بالغ جس کے درمیان میں دائرے کی شکل کی کیلاری ہو جس میں پھول لگے ہوں، یا کوئی روزمرہ کی دیکھی کوئی اور شے، جس کو ہم اہم نہ سمجھتے ہوں، جبکہ اس کا جو تاثر مریض پر مرتب ہوتا ہو، وہ بھی بہت زیادہ واضح نہ ہو۔

ڈیٹنگ کو یہ بھی اندازہ ہوا کہ وہ تجربہ جو منڈالا شکل (Pattern) کے اندر تشکیل پاتا ہے ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے، جو عکس خداوندی کو منعکس کرنے کی استطاعت سے محروم ہو چکے ہیں، اور خدا ان کی ذات سے باہر کہیں آتا ہے اور اب وہ پھیل جانے کے خطرے سے دوچار ہیں، وہ خواہ گولائی ہو یا مربعے کی چار دیواری ہو، یہ ایک ایسا حصار ہے جو تحفظ کا احساس فراہم کرتا ہے وہ کسی بھی پیمانے سے بکھر جانے سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ کسی باطنی مقصد کو محفوظ کرتا ہے، ان کے ایک یکسانیت مقدس مقامات پر موجود ہے اور پرانے وقتوں میں وہ دیوتاؤں کو محفوظ دینی تھی مگر اہم حقیقت جدید منڈالا کے بارے میں یہ ہے کہ وہ انتہائی کیاب ہے اور کم ہی اس کے اندر دیوتا کا وجود ہوتا ہے لیکن اس کے اندر بہت سے علامتیں ہوتی ہیں حتیٰ کہ انسان بھی۔ چنانچہ جدید منڈالا غیر ارادی طور پر کسی خاص دینی حالت کا اعتراف کرتا ہے۔ کوئی دیوتا منڈالا کے اندر موجود نہیں، نہ اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جاتا ہے، نہ ہی اس سے مناجات ہوتی ہے۔ دیوتا کی جگہ اب انسان کی بھرپور اکائی نے لے لی ہے۔

## حواشی

۱۔ سلف کی اصطلاح ٹوبک ان معنوں میں استعمال نہیں کرتا ہے، جن معنوں میں یہ عام طور پر استعمال ہوتی ہے، وہ اس کو شرعی معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ جہاں قدیم زمانے سے یہ فلسفیانہ اصطلاح آتما (Atman) پر اثنا (Purasha) اور براہمن (Bahma) کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ جلدو فکر میں سلف اعلیٰ ترین اصول ہے، وجود کی اعلیٰ ترین اکلی۔

۲۔ نفسیات اور کیمیاگری (Psychology And Alchemy) ان تمام اطالانت کے دائرہ کار اور مواد سے جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں کئے گئے ہیں، یہ اعجاز ہوتا ہے سلف کی حقارت (Phenomonology) جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں کی جاتی ہے اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اگرچہ وہ آد کے غائب کے تمام پہلوؤں پر مشتمل نہیں ہوتی، یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں ایک نفسیاتی حقیقت کے علاوہ اور بھی کچھ موجود ہے، یعنی یہ کہ لاشعور کوئی ایسا ایچ جاتا ہے جو سنے کی مانند ہے یا مجریدہ کے کردار کی طرح ہے۔ یہ کثرت نفسیات اور مذہب کے باب میں مزید ذرا بحث آنے کا۔

## مذہب اور فردیت کا عمل

اجتماعی لاشعور کے آرکی ٹائپ کے مطالعے کے بعد ڈونگ چند دلچسپ نتائج تک پہنچے۔ ان میں سے ایک اہم ترین نتیجہ یہ ہے کہ انسان ایک ایسی شے کا حامل ہوتا ہے جس کو ڈونگ نے "ایک فطری مذہبی فاعل" کا نام دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ نفسی صحت اور توازن کا انحصار اس پر ہے کہ اس کو مناسب اعتبار کا موقعہ میسر آجائے، بالکل اسی طرح جس طرح انسان کو اپنی جبلتوں کا اعتبار کرنا ہوتا ہے، یہ ان لوگوں کے بالکل تضاد نظریہ ہے جو مذہب کو واحد (Illusion) خیال کرتے ہیں۔ یا پھر حقیقت سے فرار یا بچکانہ کمزوری قرار دیتے ہیں۔ اس رویے کی طمہ داری اس قدر زیادہ وسیع ہے، خواہ شعوری طور پر اس کا ٹھیک سے اندازہ نہ بھی کیا جائے، ہم شاید اس بات کو بھلا چکے ہیں کہ مذہب نے ہماری تاریخ میں کس قدر زیادہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے ہمارے جذبیوں کو کس قدر توانائی عطا کی ہے، اور وہ شدید قوت جو اس نے آرٹ کے اندر داخل کی ہے، جس کی وجہ سے کیسی کیسی عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں اس کی وجہ سے ہم نے کیا کچھ سیکھا ہے، کیا کچھ سکھایا ہے اور اس کے باعث کس طرح کمزوروں، بیماروں اور غریبوں کی خدمت کی گئی ہے، کیسے کیسے خوبصورت، وسیع اور بلند گرے دیو میں آئے ہیں، اور وہ تقریباً ہر جگہ کی رونق ہیں اور اس بات کی شہادت بھی ہیں کہ ماضی نے ہم پر کتنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ جس طرح پادریوں کی عبادت کے حجرے اور ان کے ہیوگنٹ (Huguenot) القاب کس طرح ان کی روح روحانی کی چٹائی کا موجد بنے ہیں اور ان کا کٹرین (Fanaticism) اور پھر ان کی وہ سفاک توانائی نے ان پر کیا کیا ستم نہ ڈھائے ان پر جنہوں نے ان سے اتفاق نہ کیا۔

ہم آج اپنے آپ کو زیادہ دانش مند (Rational) سمجھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری قوت برداشت بہت ہے اور ہم اس وقت سے برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں جب مذہبی عقوت کے نئے نئے طریقے (Versions) ایجاد ہوئے اور ان کو سیاسی مصلحت کا لبادہ پہنایا گیا مگر کم ہی ایسا ہو سکا کہ حقیقت کو چھپایا جاسکا ہو، مثال کے طور پر جرمنی میں ایک مذہبی روح نے کھلے بندوں وٹن (Wotan) کی پرستش شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی پوری ہمت پرستی (Paganism) کی رسوم سامنے آئیں اور اس سے نازی (Nazis) نے تحریک کو وہ توانائی حاصل ہوئی، جس کی اسے ضرورت تھی، اس کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی روح نے اس تحریک کی مخالفت بھی کی، لیکن ہمارے اندر ایک رجحان یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہم ایسی چیزوں سے لائق ہو جاتے ہیں۔ ہمیں یقین ہو تاکہ یہ واقعہ ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتا، ڈوگم ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ ان مظالم کا تعلق اجتماعی لاشعور کے ساتھ ہے، جو تمام انسانیت کی مشترکہ میراث ہے۔ تمام اجتماعی لاشعور کے آرکی ٹائپ کے بارے میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ تجرّبی طور پر مذہبی ادما (Dogma) کے مساوی ہیں اور وہ تمام جانے بوجھے مذہبی خیالات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں لیتا چاہئے کہ لاشعور اپنے طور پر مذہبی ادما تخلیق کرنے کا سبب نہیں بنتا۔ یہ ادما پیداوار ہیں، ان شعوری خیالات کی جو شعور سے حاصل شدہ مواد کو لطیف تر کرتے چلے جاتے ہیں۔

اجتماعی لاشعور کے آرکی ٹائپ کے مطالعے کے ذریعے انسان نے یہ جانتا ہے کہ وہ مذہبی تفاعل (Religious Function) رکھتا ہے۔ یہ اسی طرح انسانوں پر اثر انداز ہوتا ہے، جس طرح پوری قوت کے ساتھ جنس اور تصدّد کی جلیقیں اثر انداز ہوتی ہیں۔ قدیم انسان بھی اس تفاعل کے اظہار میں مصروف رہتا تھا۔ وہ علامت (Symblis) بناتا تھا اور مذہب تشکیل دیتا تھا۔ یہ مصروفیت ویسی ہی تھی جیسی کہ زمین پر عمل چلانے، شکار کرنے، چھیلیں پکڑنے اور دوسری ضروریات کو پورا کرنے کا عمل۔ اس کے باوجود کہ جدید عہد میں مذہب کو بہت ہدایم کیا جاتا ہے، مگر اب بھی مرد اور عورتیں قدرتی طور پر مذہب کی طرف ویسے ہی مائل ہیں، جیسے کہ وہ پہلے تھے۔ اس توانائی میں سے بہت سی توانائی جو پہلے عمل طور پر مذہبی رسومات اور عبادات میں صرف ہوتی تھی اب اس کا نام سیاسی عطا کر کے ساتھ بندھ گیا ہے یا پھر اس کا تعلق بھونے بھونے سکون سے ہو گیا ہے یا پھر اس کا رشتہ کسی بہت سی غیر منطقی چیز سے جو کیا ہے، جیسے کہ

تعلیمِ مدیم جیمز (William James) کہتا ہے ”سائنس دان کا کوئی عقیدہ (Creed) نہیں ہوتا مگر اس کا مزاج بہت عایدانہ ہوتا ہے“ جبکہ جولیئن ہکسلے (Julian Huxley) نے بڑی سنجیدگی سے یہ تجویز کیا ہے، ہمیں ایک ایسا مذہب اپنانا چاہئے جس کی بنیاد ارتقا (Evolution) پر ہو۔

ارتقائی انسان پسندی (Humanism) مجھے یوں لگتا ہے، نئے مذہب کی بنیاد بن سکتی ہے ضروری نہیں کہ وہ موجود مذاہب میں ایک اضافہ ہو، بلکہ وہ ان کا تحفظ (Supplementing) ہو، یہ الہیت دیکھنا ہو گا کہ اس جراثیم کی افزائش کیسے کی جائے۔ اس کا دائرہ روانہ خاکہ بنانا ہو گا کہ اس کے خیالات ذوق و شوق سے معمور ہوں اور پھر یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ ان کو مذہب کے اندر مدغم بھی کیا جاسکے۔ سب سے بڑھ کر یہ حقیقت کے معیار پر نقضوں کا جواز تلاش کرنے کے لئے یہ ضرور ہوتا ہو گا کہ وہ میدانِ عمل معلوم کیا جائے جہاں ناآسودگی ہے اور یہ دیکھنا ہو گا کہ سحر کرنے کا یہ عمل کہاں کہاں کار فرما ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا ہو گا کہ انسانی اخلاقیات میں ان کے حصول کی تحریک کیسے پیدا ہوئی اور یہ بھی بتانا ہو گا کہ ان کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟

ایسا مذہب اپنے تمام تر ایک مقاصد کے باوجود انسانی ضروریات کو گہرائی تک پورا کرنے میں کامیاب نہ ہو پائے گا۔ یعنی یہ کہ وہ ابجدرونی اور بیرونی انسان میں مساوی درجے کا تعلق پیدا نہ کر سکے گا۔ یہ مذہب کا ایک لازمی فعل ہے کہ وہ آرکی ٹائپ کو شعوری اعتراف عطا کرے کوئی بھی عقلی نظام اس میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا لہذا تمام مذاہبی حقائق، پیشہ ناقص (Paradox) ہوتے ہیں۔ اگر مذہب اس خناقہ سے گھو خلاصی کرنا چاہے تو وہ اپنے آپ کو کمزور کرے گا۔

مذہب کی تعریف کرتے ہوئے ڈونگ اس کو ”ایسا انسانی رویہ قرار دیتا ہے جس کی تکمیل Religion کی اصطلاح کے اصل مطلب کے مطابق ہوتی ہے، جس کا مطلب ہے کہ بعض حرکی (Dynamic) عناصر پر مبنی طریقے سے نمود کرنا اور ان کا مشاہدہ کرنا اور یہ عناصر قوت، روح (Spirit)، جن، بھوت (Demon)، دج، تہ، قوانین، اربان (Ideals) اور وہ سبھی کچھ جو اس نے اس دنیا میں طاقتور، خطرناک اور ایسا مدگار دیکھا ہے کہ اس پر مبنی طور پر نمود



کرنا ضروری ہے یا ایسا شاندار، خوبصورت اور پامنی ہے کہ اسے حسد دل سے پسند کیا جانا چاہئے اور اس سے محبت کرنی چاہئے۔"

اس تعریف میں سب سے زیادہ کلیدی لفظ حرکی ہے۔ یہ مذہبی غافل کی حرکت ہے۔ جو بیک وقت لاحاصل (Futile) اور خطرناک کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حرکت ماضی میں عقیم نو مذہبی تبلیغ (Froselytizing) کی تحریک جو عیسائی مذہب جنگوؤں نے شروع کی تھی۔ مذہبی لڑائیاں، دوسروں کو چلہ کرنے کی کوششیں، بدھیں (Heresay) اور جادو گردوں (Witches) کو دی جانے والی سزائیں اور پھر اس کے ساتھ انسان کی تحقیقی جدوجہد جس کے نتیجے میں بڑی بڑی عبادت گاہیں اور خلفائیں اور پھر ان میں ہر طرح کے خزانے رکھے گئے۔ آج یہ قوتانی ہمت سے ازم (Isms) کی صورت میں اپنا اعکار کر رہی ہے۔ کیونکہ (Communism) نازی ازم (Nazism) آمریت (Fascism) وغیرہ اب انسان کو خطرناک حد تک ابھار رہی ہے، یا پھر فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، جن کی امتیازی شکل مشرق سے حاصل کی گئی ہے۔ قوت (Superstition) تعلیم عام ہو جانے کے باوجود عروج پر ہیں اور آج بھی تشدد اور استبداد، ظلم اور برداشت نہ کرنے کا رویہ کھٹکتا پڑھتا رہتا ہے، مگر یہ عمل بچہ عام ہے۔

جو کچھ منظم مذہب نے کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس میں اسے ایک سی کامیابی کبھی حاصل نہیں ہوئی، یہ تھی کہ وہ گہری انسانی ضرورتوں کے لئے تسلی بخش اشکال مہیا کرے اور اب یہ چیز خطرناک اور فرسودہ (Banal) صورت اختیار کر گئی ہے، اس بات کا اعکار کرنا اور اسے بیان کرنا کہ لاشعور کے زندہ عمل کو ذرا مائی تفس، قربانی یا عملی (Redemption) بنا دیا جائے، اب ایک مسئلہ ہے۔ ادعا، عقیدہ اور رسومات بنیادی مذہبی تجربے کی شفاف صورتیں ہیں، جن کو پرکھا گیا ہے اور مستحکم پایا گیا ہے اور یہ کام بعض اوقات تو صدیوں کے لئے کر دیا گیا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک ایسی صورت اختیار کر لیں جس میں ہم ان کو جان سکیں۔ اس طرح وہ راستے تیار ہو جاتے ہیں، جو بے قابو اور اضطرابی (Arbitrary) مافوق الفطرت (Super Natural) اثرات کو جائز حدود میں رکھتے ہیں، ایک زندہ مذہبی ادارہ آدمی کو اس پر دی قوت کے تجربے سے محفوظ رکھ سکتا ہے، جو اس کے لئے چاہ کن جہت ہو، اجتماعی لاشعور کی گرفت میں آنے کی بجائے وہ کسی رسم (Ritual) میں شامل ہو سکتے ہیں، جس میں اس کا



کرتے ہیں۔ یعنی یہ تہرے ہیں (Three foldness) کا وٹن تھا اس وٹن سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے اوجا (Dogma) ہی اس کے کام آیا تھا اور اس کے جسم اور روح کو سکون ملا تھا اور ایک ڈرائے اور خوفزدہ کرنے والی چیز ایک خوبصورت اور خوشنما تثلیث (Trinity) کے ذریعہ تصور میں تبدیل ہوئی تھی۔

شبیبہ خداوندی کا تجزیہ، یا سلف کا آرکی ٹائپ، سب سے زیادہ فیصلہ کن بھی ہے اور بری طرح متاثر کرنے والا بھی کہ یہ بڑے سے بڑا تجزیہ ہے جو انسان کو ہو سکتا ہے اور اگر وہ کسی نظر (Anchor) کو نہ پکڑے تو پھر وہ بہتا ہی چلا جائے، برادر کو لسن کے لئے اوجا نے فکر کا کام کیا تھا اس کے لئے یہ بھی ہے کہ آرکی ٹائپ کے اس اظہار کا انحصار وصول کرنے والے شعور پر بھی ہے، اسے لامتناہی طور پر ترقی دی جا سکتی ہے اور لطیف سے لطیف تر کیا جا سکتا ہے یہ اس دنیا کا اعلیٰ ترین مذہب ہے یا پھر اس کو مقابلتا، سادہ بنا دیا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قدیم (Archale) بھی جیسا کہ کند تر مسکوں (Cults) میں ہوتا ہے۔

یہ ایک کمزور شعور کو عمل طور پر جاہ بھی کر سکتا ہے، چنانچہ یہ ضروری نہیں کہ نتیجہ ہمیشہ مذہبی پیش قدمی ہی ہو، ایک نتیجہ تو دوا لگی بھی ہو سکتا ہے، یا پھر کسی نہ کسی طرح کی کوئی مریضانہ طاقت یا غلامی، جیسے کہ اس عورت میں جس کا عقیدہ یہ تھا کہ اس نے کنواری کے قول کا مجاز پھر سے سرانجام دیتا ہے، یا کوئی ایسا خستہ حال بوجھا آوی ہو جو ہر ایک سے یہ سوال کرتا تھا کیا تم مجھے مٹے ہو؟

یہ اشارہ کرنے کے لئے کچھ نفسی عناصر ایسے ہیں جو شبیبہ خداوندی سے مطابقت رکھتے ہیں اور ایسا ہی کوئی مواد دہانے کی لائینی حرکات میں بھی ہو سکتا ہے اور صوفی کی واردات میں بھی اور یہ اکثر اوقات اس کی کوئی بے حد خراب نقل ہوتی ہے، حتیٰ کہ وہ ایک کفر کی کوئی بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جینی لیس (Genius) دوا لگی کے بہت قریب ہوتا ہے۔ ڈونگ نے مذہبی واردات کی تحریف تو کیا کرنی تھی، یہ البتہ ثابت کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے کہ فرد کے اندر مذہبی تقاضے کے مظاہر آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں اور وہ اس کی تنسیم کے لئے ایک دروازہ بھی کھولتا ہے اور اس کا ذریعہ عقل بھی

ہوتی ہے اور احساس بھی، لیکن اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ تعلیم کی اعلیٰ ترین ذمہ داری ہے کہ وہ ہاتھوں کو خدا کے آرکی چمپ کی تقسیم کردائے یا پھر اس سے نجات اور اس کے اثرات شعوری سطح تک لے جائے۔

یہی کام عیسائی تعلیم نے سرانجام دینا چاہا لیکن مغربی رویہ تو معروض (Object) پر زور دیتا ہے آئیڈیل قائم کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔۔۔۔ حضرت عیسیٰ۔۔۔۔ اپنے معروضی پہلو میں۔ اس رویے سے وہ اسراری رشتہ چھن گیا، جو ان کا باطن کے انسان کے ساتھ تھا۔

یہ ایک ایسا رویہ ہے جو خیر کی ہر شے کا انکسار دور دراز شبیہ پر خداوند پر کرتا ہے اور ہر شرانگیز چیز کا انکسار اس سے کہیں زیادہ دور افتادہ شبیہ ابلیس (Devil) پر کرتا ہے اور یوں وہ سائیکل کو اس کی قدر اور معنی سے محروم کر دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک طرف تو شعور کی قدر کو بڑھا چڑھا دیا جاتا ہے اور دوسری طرف ریاست کی تجریدی دیوتا سازی (Deification) کی جاتی ہے، اور اس پر اضافہ یہ کہ عقیدہ اور رسوم اتنی زیادہ وضاحت سے بیان کر دی گئی ہیں اور اتنی لطیف بنا دی گئی ہیں کہ وہ عام آدمی کے فہم کو بیان کرنے کی قدرت ہی سے محروم ہو گئی ہیں اور مذہب ظاہریت اور دہی باتوں میں عقیدہ کر دیا گیا ہے۔

اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان خدا کی شبیہ کو اپنے اندر محسوس کرے، اور پھر وہ اس کی مطابقت ان اشکال کے ساتھ بنائے جو اس کے مذہب نے اسے عطا کی ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہو پایا تو پھر اس کی فطرت تقسیم ہو جاتی ہے، وہ دیکھنے میں مذہب ہو سکتا ہے مگر اندرونی طور پر وہ برصیت پرست ہے اور اس پر کسی کلمہ خدا حکومت ہے۔

صرف ایک فرد نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کا مجموعہ یا کلیت جو کسی قوم کے اندر موجود ہوتی ہے وہ اس موقف (Contention) کی حقیقت کو ثابت کرتی ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے واقعات اور تقریبات ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں، جو عیسائی نہیں ہیں، وہ اسے چلانے لگتے ہیں اور وہی اس پر عمل کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی عیسائیت میں سانس نہیں لیجئے بلکہ وہ تو جہلانہ بہت پرستی (Paganism) میں مبتلا ہیں۔ ان چیزوں کا آغاز نفسی صورت حال سے ہوتا ہے، اس سے جو کنگی کا شمار ہوتی ہے اور اس سے عیسائیت کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ چرچ یہ سمجھتا ہے اور ایسا سمجھتا کسی جواز کے بغیر بھی

نہیں ہے کہ جس چیز پر بھی ایمان لایا گیا ہو وہ اپنے پیچھے اپنے شکلات چھوڑ جاتی ہے مگر گزرے ہوئے واقعات کے حوالے سے ان شکلات کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ عیسائی تہذیب (civilization) خطرناک حد تک اندر سے خلی طبیعت ہوئی ہے۔ یہ تو بس ایک پرت ہی تھی، مگر باطنی انسان تک اس کی رسائی نہیں ہو پائی لہذا وہ غیر تبدیل شدہ ہی رہا ہے۔ اس کی روح اس کے ظاہر اعتقادات سے الگ تھلک ہی رہی ہے اور اس کی روح کے اندر بیرونی پیش قدمی نے کسی طرح بھی اپنی راہ نہیں بنائی، بس یہی کچھ باہری موجود ہے، قہر میں بھی اور الفاظ میں بھی، جہت میں بھی اور انجیل میں بھی، مگر کسی طرح بھی وہ باطنی سطح پر موجود نہیں ہے۔ اندر تو کسند و خوار ہی موجود ہیں اور وہاں انہی کی حکومت ہے۔ پیش کی طرح اور روحانی تہذیب کے نہ ہونے کی وجہ سے بیرونی خدا میں باطن کی مطابقت کے حوالے سے ترقی نہیں ہوئی، لہذا یہ صورت حال ہے حرکت اور بت پرستی (Heathenism) کے ساتھ ہی چلی رہی ہے۔ عیسائی تعلیم نے وہ بھی کچھ کیا ہے، جو کہ اس کے اختیار میں تھا مگر یہ بھی کچھ احتمالی باطنی ہے۔ بہت کم لوگوں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ شبیہ خداوندی، ان کی اپنی دلوں کے اندر دور تک محسوس کی گئی ہو۔ حضرت عیسیٰ سے ان کی ملاقات صرف ظاہری طور پر ہی ہوتی ہے قلب کی گہرائیوں سے نہیں۔ اس لئے تو تاریک بت پرستی ابھی تک سحرانی کر رہی ہے، یہ بت پرستی اور جاہلیت اب اتنی شوریدہ سر (Blatant) ہے کہ اب اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اور یہ ایک ایسا روپ ہے جو پوری طرح اٹکا ہوا نہیں ہے اور اس وقت معروف عیسائی ثقافت (Culture) پر چھایا ہوا ہے۔

یہ جینک (Pagan) لاشعور جس نے ہمارے ادب اور آرٹ پر اثر اندازی کی ہے اور وہ بد توں ہمارے خوابوں میں نظر آتا رہا ہے اور پھر جا کر اس نے ہمارے ظاہر میں طغیاری کی ہے، اور پادری جو اپنے عقیدے کے سلسلے میں کچھ شبہات رکھتا تھا مندرجہ ذیل خواب دیکھتا ہے۔

میں رات کے وقت اپنے گھرے میں واپس آیا، میں نے دیکھا کہ سماع خانہ (Choir) کی دیوار گری ہوئی ہے۔ آلتار (Altar) انگور کی شاخوں پر یوں گرے ہیں کہ غلط ملط

ہو گئے ہیں، انگور کی شاخیں خوشوں سے بھری ہیں اور ان کے درمیان جو رخنے وہ کئے ہیں ان میں سے چاند کی روشنی چمن چمن کر آ رہی ہے۔

یہ تصویر بہت واضح اور خوبصورت ہے اور علامات سے بھری ہوئی ہے، اگر اس خواب کے علامتی اور معاشی کردار کو مد نظر رکھا جائے تو یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ عقیدے کا بیرونی پہلو ہے، گرہے کی عبادت جو کر رہی ہے، اور اس کی جگہ ایک قدرتی شے لے رہی ہے۔ انگور کی تیل آغاز میں جیسائیت کا نشان تھا۔ میں انگور کی تیل ہوں اور تم میری شاخیں ہو جس کے علاوہ یہ رومی اساطیر پر جا (Orglastic) میں بھی ایک اہم علامت ہے جو خداوند پان (Pan) کی کی جاتی تھی۔ چاند اس تصویر کو قدرے روحانی اور پراسرار بنا دیتا ہے، جب اسے یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ دیوتا ہے یا دیوی ہے اور اس کی بھی پرستش ہونی چاہئے۔ اس بات کو نظر میں رکھنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

ان ممانعتوں میں، ہم نے یہ اشارہ کر دیا ہے کہ اس خواب کا کیا مطلب، خواب دیکھنے والے کے حوالے سے ہونا چاہئے، اب اس کے بعد ایک اور خواب ہے، جو اس سے بھی زیادہ واضح ہے اور یہ بیان کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے ذہن کی پیروی کر رہا ہے جو اپنا آہنگ بری طرح کھو چکا ہے، ایک جدید عقلی نقطہ نظر کو قبول کرنے کی وجہ سے یہ خواب ایک اویز مرمی عورت نے دیکھا تھا، یہ عورت بہت مذہب اور تربیت یافتہ تھی۔

ایک جگہ تھی جو ہر طرف سے بند تھی، لیکن بالکل خالی تھی، اس کے مرکز میں ذہن پر ایک چھوٹی سی آگ جل رہی تھی، جس میں سے خوشبودار دھواں اٹھ رہا تھا جس میں دو ذرات ہو کر آگ کے سلسلے بنی تھی اور اپنے سر کو جھکائے ہوئے تھی اور ایک خاص شکل پر بحال رہی تھی "خدا دھوئیں کے اندر ہے، خدا دھوئیں کے اندر ہے۔"

ایسے خواب بھی ہیں جو مخالف سمت میں اشارہ کرتے ہیں اور یہ مظاہرہ کر سکتے ہیں (بشرطیکہ کوئی ٹولس لے، کسی ایسے شخص کو جو مذہب میں یقین نہ رکھتا ہو (Agnostic) مگر دل کے اندر وہ واقعی ایک یقین رکھنے والا ہو، اور اس اعتقاد کی طرف واپس لوٹنا چاہتا ہو، جو اس نے ترک کر دیا ہے، بہت سے بخیر و برکت ہو سکتے ہیں اگر تکلیف اٹھانے والا اپنے

مذہب کی طرف واپس چلا جائے یا کسی اور مذہب کو قبول کرنے کے تجربے میں سے گزرے، مگر یہ تجربات جان بوجھ کر لادے نہیں جاسکتے، یہ کسی بھی خاص انسان کے اندر سے بطور ایک ضرورت کے ابھرنے چاہئیں اور اسے اس ضرورت سے آگاہی ہوئی چاہئے اور اسے اس ضرورت کا شعور ہونا چاہئے۔ بہر صورت اگر کسی فرد کی ذہنی صحت اور مذہب کی ترقی کا انحصار مذہبی فاضل کے مناسب اعتماد پر ہو مگر کیا ان کے لئے بھی کوئی راستہ موجود ہے جو کسی جہج کی طرف واپس نہیں لوٹ سکتے، اور انہیں عیسائیت کے ذرا سے کے اندر اپنی ضرورتوں کے انحصار کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا؟

ڈونگ کو اس سوال کا جواب اس وقت ملا جب وہ برسوں تک اپنے بست سے مریضوں کا علاج کر چکا تھا اور اس نے فردیت (Individuation) کی اصطلاح اپنے طور پر واضح کر دی تھی تاکہ اس عمل کو ٹھیک سے بیان کیا جاسکے۔ اس کی دریافت کے مطابق مقابلہ بست سے لوگ ایسے ہیں جو اگر عام فطری معنوں میں شغلیاب ہو جاتے ہیں، تو وہ یا تو اپنا تجلیلی علاج (Analytical Treatment) جاری رکھتے ہیں، جو ایک طرح جدائیاتی (Dialectical) بحث ہے جو شعور اور لاشعور کے مابین جاری رہتی ہے یا وہ اپنے طور پر کسی ماہر تجلیلی سے الگ تھلگ اپنے طور پر اس عمل کو جاری رکھتے ہیں۔ وہ بخت کار لوگ تھے اور وہ محض اپنے ماہر تجلیلی پر انحصار نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ زندگی سے خوفزدہ تھے۔ نہ ہی وہ اس خاص عمل کے اندر گرفتار ہو جاتے تھے جسے نفسیات کی اصطلاح میں انتقال (Transference) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لاشعوری طور پر اور بے جانے بوجھے کسی ہدف کی تلاش جاری رکھتے تھے، جس کو بالآخر کلیت (Wholeness) کی تلاش کا نام دیا جاتا ہے۔۔۔ یہ ایک پراسرار شے ہے۔۔۔ ایک پورا آدمی (The whole man) جو اپنے نفس کے شعوری اور لاشعوری پہلوؤں کے مابین کوئی رشتہ ہر حالت میں تلاش کرنا یا بنانا چاہتا ہے۔ اس تجربے کو یہ نام بھی دیا جاسکتا ہے کہ اپنے باطن کے اندر خدا کی تلاش ہے یا پھر اسے سلف کے آرکی ٹائپ کا مکمل تجربہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

یہ ایک ایسی حالت ہے جس تک رسائی بطریقہ صحت سے گزرے ممکن نہیں ہے، اور اس عمل میں یہ ضروری ہے کہ اپنی مرضی سے بست کی ایسی چیزوں کو قبول کیا جائے جن سے عام مرد یا عورتیں گریزاں رہتی ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے نفسی تجلیلی واحد راستہ

نہیں ہے مگر یہ ایک ایسا راستہ ضرور ہے، جو جدید دہدھا (Dilemma) کے لئے خاص طور پر بنے ہوئے ہے۔ یہ دہدھا اس عبارت سے خلاصہ واضح ہوتا ہے، جس کا اقتباس تیسرے باب میں بھی دیا جا چکا ہے۔

جدید مسئلہ میں کوئی دیوتا (Diety) نہیں ہے اور نہ ہی دیوتا کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ دیوتا کی جگہ انسان کی کلیت (Wholeness) لے لیتی ہے۔

فردیت کا یہ عمل رفتہ رفتہ ہی فرد کی زندگی میں آگے بڑھ پاتا ہے۔ اس کی ترقی زندگی کے دوسرے نصف میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے، اگرچہ ڈونگ نے اسے مریضوں میں دریافت کیا تھا مگر یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ نیورس کا اس کے ساتھ کوئی لازمی تعلق ہے اور نہ ہی یہ کسی مرض کی علامت ہے۔

کل بن جانے کا مقصد یہ ہے کہ شخصیت کے ان پہلوؤں کو بھی دیکھا جائے، جو عام طور پر نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ وہ اکثر کتر ہوتے ہیں مگر پیش نہیں، ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اپنے اندر چھپے ہوئے امکانات کا پوری طرح ایمان نہیں کر پاتے، ایسا کوئی بھی شخص جو حقیقی طور پر اپنی کلیت کا حلائی ہو، وہ اپنے عقلی رویے کو اس طرح ترقی نہیں دیتا کہ اس کی قیمت لاشعور کو دیا دینے کی صورت میں ادا کر لیتی پڑے اور نہ ہی اس کے برعکس وہ کم و بیش لاشعور کی حالت میں زندگی گزارتا ہے۔

شعور اور لاشعور اتنی دیر تک ایک کلیت کی صورت اختیار نہیں کرتے جب تک کوئی ایک دوسرے سے نقصان اٹھا چکا ہو یا اس کا نظم خوردہ ہو، اور اگر ان کو لازمی ہو تو یہ لازمی بدل کے ساتھ ہوتی جا سکتی ہے، جس میں دونوں فریقوں کو ایک جیسے حقوق حاصل ہوں، دونوں کی زندگی کے دو رخ ہیں، شعور کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عقل کی مدافعت کرے اور ذاتی حفظ کا دھیان رکھے اور اس کے ساتھ ہی لاشعور کی بے نظم (Chaotic) زندگی کو بھی یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے راستے پر چل سکے، کم از کم اس حد تک تو چلے، جیسے کہ ہم برداشت کر سکتے ہوں، اس کا مطلب ایک وقت



کھلا تصادم اور کھلا تھلون ہے۔ تاہم متناقضانہ طور پر یہ وہ مفروضہ ہے جیسی کہ انسانی زندگی ہونی چاہئے۔ یہ گویا ہتھوڑے اور سیدھائی ہڈی (Anvil) کا پراٹا کھیل ہے اور ان دونوں کے درمیان وہ لوہا ہے جسے کوٹا جا رہا ہے اور سبھی کچھ آخر میں ایک کلیت کی شکل اختیار کرے گا اور یہی وہ تجربہ ہے جسے فروخت کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔

کئی آدمی ایک فرد ہوتا ہے مگر وہ انفرادیت پسند (Individualistic) شخص ہوتا ہے جس کا مطلب انہرست (Ego Centric) ہوتا ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ دوسروں کی قیمت پر اپنی خاص علوات بناتے ہیں۔ یا پھر ان کا رویہ انتہائی خود پرستی کا رویہ ہوتا ہے۔

فردیت پسند (Individuated) فرد اس کے برعکس اپنے شعور کو قبول کرنے کے ذریعے اور اپنی خاص شخصیت کے سلسلے میں آگاہ نہ رہتے ہوئے، تمام زندہ چیزوں کے ساتھ اخوت کے رشتے میں جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں جماداتی مادہ اور کون و مکال (Cosmos) بھی شامل ہیں۔

کوئی شخص بھی اپنے طور پر جزیرہ نہیں ہے۔ ہر انسان کسی بڑا عظم کا ایک ٹکڑا ہے، کسی بڑی شے کا ایک حصہ ہے، اگر کوئی سمندر منی کا ایک ڈھیلہ بھی بہا کر لے جائے، تو یورپ میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ ویسے ہی جیسے ایک راس ڈوب گئی، جیسے آپ کے دوست تعلق دار کی ڈوب ڈھمی یا تھلہ کی اپنی ڈوب ڈھمی، کسی بھی شخص کی موت سے مجھ میں کچھ کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ میں انسانیت میں رہا ہوا ہوں اور اس لئے یہ معلوم کرنے کے لئے بھی کسی کو نہ سمجھو کہ گھنٹوں کس کے لئے بیج رہی ہیں، یہ تمہارے ہی لئے بنتی ہیں۔

جان ڈن (John Donne)

فردیت عام طور پر کسی گلوچوان کے لئے مقصد یا آئینہ دل نہیں ہے، لیکن ایسے انسان کے لئے جو بلند بھی ہو اور پختہ کار بھی، یا پھر وہ لوگ جو کسی خاص بیماری یا بخورس کا شکار ہوئے ہیں اور یا پھر ان کو کوئی ایسا غیر معمولی تجربہ ہوا ہے کہ انہوں نے عمومی محفوظ راستے کو خیرباد کہہ دیا ہے اور زندگی گزارنے کے لئے انہیں کسی راستے کی تلاش ہے، یہ کوئی ایسی شے بھی نہیں

ہے جو کسی اوجیز عمر آدمی کو بھی کبھی دیکھنی پڑتی ہو، وہ لوگ جو اپنی زندگی کے معاش میں بہت کامیاب رہے ہوتے ہیں اچانک محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اندر کوئی غلط ہے اور ان کی زندگی کے اندر معاشی کا فقدان ہے، ایک ایسا ہی کیس ڈونگ نے اپنی کتاب "شخصیت کا ارتقاء" (The Integration Of The Personality) میں بیان کیا ہے۔

ڈونگ اس بات کو بہت اہمیت دیتا ہے کہ ان کے مدارج میں امتیاز کیا جائے جنہیں وہ زندگی کے مدارج (Stages Of Life) کا نام دیتا ہے۔ پہلے نصف کو وہ صبح کہتا ہے، جب سورج اُفق سے ابھر کر آتا ہے، اپنے سفر کو پورا کرتے ہوئے نصف النہار پر آتا ہے دوسرے نصف کا تعلق سہ پہر کے ساتھ ہے، جب سورج قوس (Curve) کو پورا کرنے کے بعد ڈونگ ہے اور نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ جو شے صبح کے لئے اچھی ہے، وہ رات کے لئے موزوں نہیں ہے۔ نوجوان آدمی کو زندگی کے اندر اپنا مقام بنانا ہوتا ہے۔ ایک معقول بیوی تلاش کرنی ہوتی ہے۔ خاندان تشکیل دینا ہوتا ہے۔ نوجوان خاتون کو شادی کرنا ہوتی ہے۔ بچے پیدا کرنے ہوتے ہیں اور اپنی معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوتی ہیں، ہر ایک کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے ایک خاص رخ پر توجہ مبذول کرے، مرد کو اپنی عقلی زندگی کو ترقی دینا ہوتی ہے اپنے دانشورانہ ہنرمندی میں پیش قدمی کرنا ہوتی ہے، عورتوں کو ان عطیات اور خصوصیات کو قربان کرنا ہوتا ہے، جو اسے اس قتل بنا سکتے ہیں کہ وہ زندگی میں اپنے روشن نشان چھوڑ جائے دونوں سے یہ ٹکڑا کیا جاتا ہے کہ وہ مفید کام کریں۔ پوری صلاحیت سے کریں اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے سے مطابقت پیدا کریں اور ان کی توانائیوں کا رخ اسی طرف رہے۔ ہمارا معاشرہ سائنسی علم اور تکنیکی مہارت کا معاشرہ ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ انسان یک رخ ترقی کرے، اپنے شعور کو تیز تر کرنا چاہئے اور اپنی جبلی خواہشات کا اظہان کرے۔ بد قسمتی سے عورتوں سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھی اس راستے پر چلیں، اور یہیں دونوں اپنی اس شعوری ترقی کی بہت بڑی قیمت ادا کرتے ہیں، یہیں لگتا ہے کہ بہت سے نوجوانوں کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ یہ قیمت ادا کریں۔ اگرچہ ان میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنی فطرت کو نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے، اور ایسا کرتے ہوئے ان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اور وہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔ مگر بہت س لوگوں کے لئے زندگی کے دوسرے حصے میں یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ان پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش

کریں جو انہوں نے ہڈا کی ہجوہد میں اور اپنے مقاصد یا خوشیوں حاصل کرنے کے لئے ہے پر وہی کے ساتھ دبا دیے تھے۔ چنانچہ ذاتی دہانے کے امراض میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اور چالیس برس کی عمر کے قریب بہت سے لوگ اضماعی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ عمر ہوتی ہے جس میں جوانی کا ذوق و شوق ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور وہ ارمان اور اقدار بھی ساتھ نہیں چل سکتیں، جن پر اتنا بھروسہ کیا گیا تھا اور جن کے لئے اتنی تنگ دلوں میں پیدا ہوئی تھی، اب وہ اپنا رنگ و روغن کھو بیٹھتے ہیں اور ان کی وہ اہمیت بھی باقی نہیں رہتی۔

زندگی کے دوسرے نصف کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کہ زندہ رہنے کے لئے نئے معانی اور مقاصد دریافت کئے جائیں اور یہ شاید ایک ایسی جگہ پر پایا جاتا ہے، جسے نظریات اذکیا جاتا ہے کمتر سمجھا جاتا ہے اور وہ ہوتا بھی شخصیت کا غیر ترقی یافتہ حصہ، بہت سے لوگ تو اس امکان کا سامنا ہی نہیں کر پاتے اور وہ نوجوانی کے ذوق و شوق ہی سے چٹے رہتے ہیں بلکہ اسے پہلے سے زیادہ وہ شدت سے آگے بڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے فرویت کا عمل کوئی معانی نہیں رکھتا۔

فرویت کے عمل بیان کو کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نفسیاتی سفر ہے، یہ ایک خطرناک اور پامسلوں راستہ ہے اور کبھی کبھی تو یہ سفر محض دائرے ہی کا سفر ہوتا ہے۔ تجربے نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کی صحیح تشریح اس کا کروی (Spiral) ہونا ہی ہو سکتی ہے، اس سفر میں مسافر کو سب سے پہلے شیڈو یعنی سایا کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور پھر اس ناقابل برداشت اور پریشان کن پہلو سے نمود آنا ہوتا پڑتا ہے۔ کوئی کلیت اتنی دیر تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی، جب تک ضدین (Opposites) کی تقسیم نہ کر لی جائے، پھر اس کی ملاقات لاشعور کے آرکی ٹائپس سے ہوگی اور پھر یہ خطرہ لاحق ہو گا کہ وہ اپنے اپنے ریلے میں اس کو بہا کر لے جائیں۔ اگر وہ قسمت کا دعویٰ ہو گا تو آخر کار اسے وہ خزانہ مل جائے گا جو کسی نہ کسی کا مقدر ہے، بہروں سے بنا ہوا جسم، سحر، پھول، لاجوردی رنگ کا پتھر (Aps) یا کوئی بھی ایسی شے، جو اس خیال اور اس مثال کو جو نظر رکھ کر جچی جائے کہ وہ سلف کے آرکی ٹائپ کی کلیت کو بیان کر سکتی ہو، یہ بات یقینی نہیں ہے کہ خطی ضرور مل جائے گی، راستے میں بہت سے مشکلات حائل ہیں۔

اگرچہ ہر شے کا تجربہ فٹنل کی صورت میں ہوتا ہے، ملامت کے طور پر یہ سوال کسی

طرح بھی نہیں تھا کہ یہ کھیل کو خطرناک ہے، لیکن ایسے خدشات ہر حال موجود ہوتے ہیں جن پر پوری زندگی کے مقدر کا انحصار ہو، سب سے بڑا خطرہ تو یہ ہوتا ہے کہ زندہ آر کے ٹائپ کے اسٹک بھرے پراسرار تاثر کے آگے کہیں احتیاط نہ ڈال دیے جائیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو پھر ایک بخیر سا آجاتا ہے یا تو علامتی صورت حال میں یا کسی آرکی ٹائپ شخصیت کے تشخص میں۔ یہ وہی شے ہے جس کو پہلے ہی افراط کا ہم دیا گیا ہے۔

لاشعور کا اندازہ صرف تجربے ہی سے ہو سکتا ہے اور جب یہ تجربہ ہو جائے تو وہ صحیح معنوں میں لاشعور دہتا نہیں ہے، بلکہ یوں لگتا ہے کہ وہ عجیب و غریب ہے، وحشی ہے، بے تعمی کا شکار ہے اور بظاہر بے معنی خیالات پر مشتمل ہے، اس میں فتناسا، خواب اور رویت بھی شامل ہیں، وہ بھی چیزیں جو دہتا تو فتناسا واقع ہو سکتی ہیں، یا پھر کسی سیلاب کی طرح اچانک فرد پر وارد ہو سکتی ہیں۔ جس شخص پر بھی یہ واردات گزرے گی وہ تو یہی کہے گا کہ وہ دہانگی کا شکار ہو رہا ہے اور پھر اس خوف سے تو وہ کسی ماہر نفسی تحلیل کے پاس جاتا ہے، کوئی بھی ایسا شخص جس نے اس واقعے کو پہلے ہی وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھا ہو اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ ہی شعور کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھے، کوئی ایسا شخص جو مماثلتیں (Analogies) بیان کر سکتا ہو اور احمق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہو ”کچھ لوگ یہاں پہلے بھی آئے تھے اور انہوں نے اس واردات سے کوئی فکلی قدر شے حاصل کی تھی۔“ پھر اس کا اثر یہ ہو گا کہ جس پر یہ واردات گزر رہی ہے۔ وہ سکون حاصل کرے اور یوں اس کی مدد بھی ہو جائے گی۔

یہ احتمالی لازمی ہے (بقول ٹوگ) کہ ان خیال افروز تشکیلات کا سلسلہ جاری رہے جو ابھرتے ہیں تو وہ ہو جاتے ہیں اور ذہن کی آنکھوں کے سامنے ایک چتچتی عین کرے ہیں جس میں اس طرح کا متن ہوتا ہے، جو ان کو زیادہ فکلی تقسیم بنا دیتا ہے۔ ان تشکیلات کی نفسیاتی توضیح جن پر نہ چپ رہا جا سکتا ہے اور نہ ہی جنہیں فکرا انداز کیا جا سکتا ہے، منطقی طور پر مذہبی عیسائی مظاہریت (Phenomenology) تک رسائی رکھتی ہے۔

تاریخ مذہب اپنے وسیع ترین معنوں میں اساطیر، لوک کہانیاں اور قدیم نفسیات

شامل ہیں۔ آرکی ٹائپ شیپوں کا ایک خزانہ ہے جس میں سے علاج دہنگار حوازی تلاش کر سکتا ہے اور اس موانعے سے شعور کے لئے وضاحت فراہم کر کے اسے کسی حد تک مضبوط بھی کر سکتا ہے اور اسے کہہ سکتا ہے کہ سمندر کی تہ میں بس یہی کچھ موجود ہے۔

ڈونگ اس مقصد کے لئے اساطیری حوازی استعمال میں لانا ہے، اس نے انفرادی خوابوں کی علامت اور قرون وسطیٰ کی کیمیا گری (Alchemy) میں کچھ مشترک چیزیں دریافت کر لی ہیں، کیمیا گری کو عام طور پر توہم پرستی کا ایک لاطینی پہلو قرار دیا جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ کیمسٹری (Chemistry) کی سائنس کا آغاز یہ تھا۔ اس بات پر کم ہی غور کیا جاتا ہے کہ تھومس اکیلفس (Thomas Aquinas) اور آئیزک نیوٹن (Isaac Newton) اور رابرٹ بائیکل (Robert Boyle) جیسے لوگ اس کو بہت سمجھدگی سے لیتے رہے ہیں اور اس کے بہت قریبی رشتے جہت اہم بھی ہیں، قرون وسطیٰ کے فلسفے اور مذہب کے ساتھ ہیں۔ کیمیا گر اس کو سمجھا جاتا ہے جو سونا بنانے کی کوشش کرتا ہے اور بہت سے ایسے جینیٹا تھے جو یہی کام کرتے تھے، مگر اسی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اعلیٰ ذہانت کے مجدد اور لوگ تھے۔ جن کے لئے وہ کیمیائی عمل جو وہ کرتے رہتے تھے امکانی طور پر علامتی تھا اور ان کا مقصد سونا بنانا نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد پارس پتھر (Philosopher's Stone) کا حصول تھا۔

یہ پارس پتھر۔۔۔۔۔ اس فن کے تمام اسرار اپنے اندر رکھتا تھا۔ ایک طرف وہ ان کا کیا ہوا کام تھا بلکہ آرٹ تھا اور دوسری طرف عطیہ خداوندی تھا جس کے بغیر کیمیا گری ممکن ہی نہیں تھی، اور نہ ہی اس کا وجود باقی رہ سکتا تھا ان دونوں کی جو روح تھی اسے صحیح معنوں میں روح سمجھا جاتا تھا۔ اس کی تلاش میں کیمیا گر اپنی روح کو آزاد کرتا تھا اس روح کو مادے کے اندر پھنسی ہوئی تھی اور ایسا کرتے ہوئے وہ قدرت کے عمل کی حفاظت کرتا تھا جو اصل میں لاشعوری نفس تھا۔ جس کو چرچ گناہگار ہونے پر زور دے دے کر رفتہ رفتہ جہنم چلا جا رہا تھا کیمیا گر اپنے آپ کو ایسے عیسائی (بہتر مذہبی انسان) سمجھتے تھے مگر ان کی فوقیت یہ تھی کہ بہت سے جدید لوگوں کی طرح وہ علم اپنے تجربے سے حاصل کرنا چاہتے تھے، بجائے اس کے کہ وہ

اس روایت کو قبول کریں؟ ان پر مسلط کی جارہی ہے۔ وہ اپنے کیمیائی عمل کو اپنے وژن کے فروغ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ یہ اپنے تجربات اور واردات کو علامتوں کی صورت میں ریکارڈ کرتے تھے۔ جس جیسے تھمال خوابوں کے اندر موجود ہوتے تھے۔

کیمیا گروں اور تخلیقی عمل میں یکہ اور متوازیات اور مماثلتیں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ دوسری صورت میں چولوں اور آکالت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مگر جب کوئی خواب میں دیکھتا ہے کہ دیکھی چوہے پر رکھی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی تبدیلی آنے ہی والی ہے۔

یہ بہرحال کافی نہیں ہے کہ انسان کوئی کمال کا خواب دیکھ لے یا کسی عجیب و غریب واردات میں سے گزر جائے، ایسے بھی لوگ ہیں جن کی فکری زندگی بھرور ہوتی ہے مگر اس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اور یہ بات عام حقائق کے برعکس نکلتی ہے۔ خواب میں آرکی ٹائپ کا تجربہ کوئی بھی کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جن میں شخصیت کا ارتقاء اس حد تک نہیں ہوا ہو تاکہ وہ سلف کو جان سکیں، یہ تو کوئی ایسی شے نکلتی ہے جو رات کو کھل جاتی ہے اور دن چڑھنے سے پہلے پہلے مرجھا جاتی ہے اور اس کا کوئی بوجھ بھی نہیں بنتا اور جس شخص نے جاننے کی خواہش پالی ہے یا بے ارادہ ہی اس سفر پر چل نکلتا ہے، تو وہ کسی ایسی شے کے پیچھے ہے اور اس کی حصول کی تمنا رکھتا ہے جو خوبصورت اور خوشنما شانسانے رکھتی ہے اس کو اس مواد پر لازمی طور پر کام کرنا چاہئے، اسے تصویر کے معنی سمجھنے چاہئیں، تصویریں بنانی چاہئیں، ہر طرح کی کوشش بروئے کار لانی چاہئے۔ تاکہ اس کی صورت گری ہو سکے، اور اسے سمجھا جاسکے اور اس کا مطالعہ کیا جاسکے اور اس کے عقلی معانی کی تفہیم کی جاسکے۔ اس ضمن میں ماہر تحلیل (Analyst) کے کام کا موازنہ کیمیاگر کی جدوجہد سے کیا جاسکتا ہے، اور وہ تبدیلی جیسے وہ توقع کرتا ہے کہ آنے گی اور کیمیاگر کی تبدیلی جیسی ہوگی۔

ڈونگ مشرق کی مماثلتیں بھی بیان کرتا ہے۔ خاص طور پر چینی، اس کی تحریروں اور کام میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چینیات (Sinologist) کے ماہر رچرڈ ویلم (Richard Wilhelm) سے رابطے کے بعد ہی وہ پہلی بار اپنا تصور فردیت تشکیل دے سکا اور اس تعاون کے نتیجے میں دو کتابیں شائع ہوئیں The Secrets Of The Golden Flower اس کتاب میں چینی تصوف اور مراقبوں

کے تجربات میں فردیت کا راستہ تلاش کرنے کے سلسلے میں بہت قریبی متوازنیت (Paralallism) دریافت کی گئی۔ یعنی فلسفہ جس میں مراتب کا طریق کار بیان کیا گیا "منہرے پھول میں" میں اس کا انحصار اس دوسرے پر ہے، جو پھلیوں کے فکری رجحان کی مشترکہ خصوصیت ہے، یہ بنیاد اس قیاسی (Premise) پر استوار کی گئی ہے کہ انسان اور کونیات (Cosmos) اپنی اصل میں ایک ہی قانون کے تابع ہیں، انسان ایک جہانِ صغیر ہے اور وہ کسی طرح بھی عظیم کون و مکان کی سرحدوں سے الگ ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جس قانون کا اطلاق ایک پر ہوتا ہے، دوسرے پر بھی اس طرح ہوتا ہے، اور ہر ایک سے راستہ دوسرے کی طرف رہنمائی کرتا ہے نفس (Psyche) اور کوسموس، ایک دوسرے سے بچا متعلق ہیں کہ ایک باطن ہے اور دو سرا بیرونی جہان ہے، لہذا انسان فطری طور پر کوسموس کے تمام واقعات میں شریک ہے اور وہ اندرونی اور بیرونی دونوں سطحوں پر اس کے ساتھ پوری طرح گنبدھا ہوا ہے "چنانچہ تاؤ (TAO) جہانِ مسمیٰ ہے، یہ انسان پر بھی دلیا ہی حکمران ہے، جیسا کہ وہ ان دیکھی اور نظر آنے والی قدرت پر حکمرانی کرتا ہے۔"

تاؤ تقسیم نہیں کیا جاسکتا، وہ ایک عظیم وحدت ہے، وہ دو متضاد اصول حقیقت کو جنم دیتا ہے تاریکی اور روشنی میں (Yin) اور یانگ (Yang) اور دونوں ضدوں کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کا کام ہی وہ ذمے داری جس کے ساتھ منہرے پھول کے مراتب (Mediation) کا تعلق ہے۔

اور وہ شخص جو فردیت کے عمل کی شدید جدوجہد اور پیکار میں سے گزرا ہے، اس کے بارے میں ڈونگ کہتا ہے :

یہ گویا ایک لڑکی طرح ہے، جو اپنے دلدلی (Marshy) کردار کو بھول کر اچانک اس اصل تر کو دریافت کرتی ہے اور یوں لگتا ہے کہ جیسے کوئی چتر جو کسی انوائنٹل کرنے والے جج پر دکھا ہوا تھا، اٹھا لیا گیا ہے تاکہ پیدا ہونے والا پودا اپنی قدرتی نشوونما پر گامزن ہو سکے۔

شخصیت آزادی حاصل کرتی ہے، شغلیاب ہوتی ہے، اس کی کایا کلپ ہو جاتی ہے اور لفظ کے کھل ترین معنوں میں فرد بن جاتی ہے لیکن وہ اپنے فرد ہونے تک محدود رہنے کی

کوشش نہیں کرتی۔

## حواشی

۱۔ بازی جرمی میں فوجیوں کی تحریک نشتر انتخاب (Solstice) کی تقریب منعقد کرتے تھے اور بھیڑ کی قبیلے دیتے تھے، ایک طرحی خبری دینے والا پادری (Evangelic Clergyman) جو یو پیٹارم پہنے ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کے پاؤں میں ٹاپ بوٹ ہوتے ہیں، وہ دعا کرتا تھا کہ ہیڈز کا سفر مرنے والے کے لئے آسان ہو اور وہ وال ہال (Valhalla) میں جائے جو کہ سلفرائیڈ (Sulfrid) اور بالدر (Baldur) ہیروز (Heroes) کا گھر ہے۔



## نفسی طریق علاج

### (PSYCHOTHERAPY)

نفسی طریق علاج کی مدد سے ذہن کا علاج کیا جاتا ہے، بلکہ نفس (Psyche) اور وہ بھی نفسیات کے طریقے سے لوگوں کے ذہن میں نفسی طریق علاج یا سعالے کا تشخص تحلیل نفسی (Psycho-Analysis) کے ساتھ متعلق ہے۔ یہ اصطلاح فروایڈ نے بنائی تھی۔ لہذا اس کو صرف اس طریق کار تک محدود رکھا جانا چاہئے۔ وہ نفسی علامات کو بچپن کی جنسی انگیزت (Impulse) کے اظہار (Repression) تک محدود رکھتی ہے، اس کے مضمرات یہ ہیں کہ نڈورس کو بچپن کے منعموں (Root) سے تک واپس لایا جاتا ہے۔ ایک اور طریق علاج جسے بہت شہرت حاصل ہوئی ہے افرڈ اڈلر (Alfred Adler) کا طریق کار ہے وہ نڈورس کو ان اصطلاحات میں بیان کرتا ہے کہ گویا وہ قوت حاصل کرنے کی انگیزش (Drive) ہے جو اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ احساس کتری (Inferiority Feeling) کی تلافی کی جاسکے۔ نفسیات کا یہ کتب فکر انفرادی نفسیات (Individual Psychology) کہلاتا ہے۔

ڈونگ ایسے نقطہ نظر کو بیان کرنے کے لئے تحلیل نفسیات (Analytical Psychology) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، جو نہ صرف شطابی کا ایک طریقہ ہے بلکہ یہ فردیت کے عمل کے ساتھ شخصیت کا ارتقاء ہے، یہ بات بھی بہر حال وہ نظر رکھی جانی چاہئے کہ جو لوگ نفسیات کی مدد مانگتے ہیں، ضرورتی نہیں ہے کہ انہیں فردیت کی آرزو بھی ہو، اور اکثر اوقات تو ان کے مطالبے بہت ہی محدود ہوتے ہیں۔ چنانچہ علاج کرتے ہوئے بہت ہی باتوں کو مد نظر رکھنا ہوتا ہے، یعنی یہ کہ مریض اپنی پیش قدمی کی کوئی منزل میں

ہے اور اس کا علاج کیا ہے اور ہم جنسی تحریک کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ یہ بھول سکتے ہیں کہ اس کے اندر قوت حاصل کرنے کی شدید خواہش بھی ہو، ان میں سے کوئی بھی ندوس کی طلبت کو بروئے کار لانے کا باعث ہو سکتا ہے۔

ڈونک کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ طریق طبع کی کئی صورتیں ہیں، پھر کیسے طے کیا جائے کہ کونسا طریقہ سب سے بہتر ہے اور پھر یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ بیروں میں جنی کے حوالے سے کونسا اور دروں جنی کے حوالے سے کونسا اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو فرائیڈ کی نفسیات بیروں لگتی ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ سب سے بڑی وجہ جس سے ندوس پیدا ہوتا ہے، بچپن میں جنسی انگیزش کا ناآسودہ ہو جانا ہے (اس جملے میں جس کو بڑے وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے) اور یہ بھی کچھ باہر کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ازلہ اس کے برعکس انسان کے اندر موجود ایک انگیزش یعنی قوت کی خواہش پر زور دیتا ہے، اس کے تجربے کے مطابق وہ ندوس پیدا کرنے کا سبب ہے کیونکہ وہ ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور وہ انسان کی بارل معاشرتی سرگرمیوں میں دخل اندازی شروع کر دیتی ہے۔

مجھے یقیناً یہ خیال بھی نہ آتا کہ میں فرائیڈ کے بتائے ہوئے راستے کو خیر باد کہہ دوں، میرے پاس ایسے بہت سے شواہد جمع ہو گئے تھے جنہوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اس نظریے میں کچھ تبدیلیاں لکھوں اور یہی میرا مصلحہ ازلہ کے نظریات کے سلسلے میں بھی تھا مجھے شاید یہ بتانے کی ضرورت بھی نہ ہو ”میں اپنے نظریات کو بھی دیباہی اضافی سمجھتا ہوں اور میں اپنے آپ ایک ایسا نمائندہ سمجھتا ہوں، ہر پہلے سے بڑے شدہ مضموضوں پر کام کر رہا ہے۔

ڈونک نہ تو جنسی انگیزش کو فروغ دیتا ہے اور نہ ہی قوت کی خواہش کو، اگر وہ واقعی ندوس کے فعال عناصر ہوں، لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ فرائیڈ یا ازلہ کے نقطہ نظر کے مریض عام طور پر کم عمر کے لوگوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں، زندگی کی اس منزل میں مرد یا عورت اپنی بہتوں کو اہمیت ضرور دیتا ہے جو ان کا حق ہوتا ہے، تاہم اس کی کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اس کے باوجود اپنا چال چلن اس طرح کا ضرور رکھے جو معاشرتی سطح پر قابل قبول ہو، زندگی کے اس حصے میں جنسی بہت اور حکم ذات (SELF ASSERTION) کی بہت زندگی کے اس

دور کی بنیادی انگیزش ہوتی ہیں، ہادی اور دنیاوی کامیابی اور خاص طور پر دانشورانہ کامیابی عام طور پر جنسی جبلت کی قیمت پر حاصل کی جاتی ہے، اور جب یہ بیماری کا باعث بنتی ہے اور نیورس کی سطح تک آ جاتی ہے تو پھر ان پر توجہ کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر بچپن کے جنسی شعبوں تک جانے کی علامت پیش آتی ہے، اس کے برعکس جو شخص زندگی میں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو پھر وہ اپنے جھگم ذات کی حلالتی کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنے مقاصد کی پڑ قریب نوعیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ڈونگ بھی عناصر کے قہری پیلوس کو فراموش نہیں کرتا جس کے بارے میں اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیورس کے اندر ضرور موجود ہوتے ہیں۔ وہ آگے کی طرف یا پیچھے کی طرف جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ زندگی کے ان اندوہناک واقعات (TRAUMAS) کا کھوج لگائے، جن کا تعلق بچپن کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کا اثر شفاء دینے کی بجائے بیماری پیدا کر رہا ہے، ان معنوں میں وہ صرف بیماری کی وجوہات تلاش کرنے تک نہیں رہتا اس کی ایک کمال کی مثال اس نوجوان کے دوہرے نیورس میں دیکھی جاسکتی ہے جو ڈونگ کے پاس اپنی ہم جنسیت (HOMO SEXUALITY) کے علاج کے لیے آیا تھا اور اس کی ایک وجہ ملی کے ساتھ اس کی شدید محبت تھی، اس نوجوان نے دو خواب دیکھے تھے، ایک پہلے آیا تھا اور دوسرا ڈونگ سے انٹرویو کے فوراً بعد آیا تھا اس میں تعبیر کی کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی تھی۔ وہ خواب تھے۔

1- میں اپنے آپ کو ایک بہت بڑے گرجے میں دیکھتا ہوں، جس میں ہر طرف ہر اسرار بکلی روشنی پھیلی ہوئی ہے، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ لائڈس (LOURDES) کا گرجا ہے، اس کے مین درمیان میں ایک گمراہ اور تاریک کنواں ہے اور مجھے اس میں اترنا ہے۔

2- میں ایک بہت بڑے گوتھک (GOTHIC) گرجے میں ہوں، الٹر (ALTAR) پر ایک پادری کھڑا ہے، میں اپنے دوست کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک جلابی مورت ہے اور میرے دل میں خواہش ہے کہ اس کا بپتسمہ ہونا چاہیے (BAPTIZED) اچانک ایک مہر خاتون آتی ہے اور میرے

ہاتھ سے بھائی بندہ (FRATERNITY) کی انگوٹھی لے لیتی ہے اور اپنے ہاتھ میں پھنسی لیتی ہے۔ میرا دوست ڈرتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس سے بندھا ہوا ہے، مگر اس وقت شاعر آرگن (ORGAN) موسیقی شروع ہو جاتی ہے۔  
ان خواہوں کے بارے میں ڈونگ کہتا ہے

وہ مریض کی صورت حال پر خاص روشنی ڈالتے ہیں، اور یہ ایک ایسی روشنی ہے، جو شعور کے لئے بہت عجیب و غریب ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ صورت حال ایک سامنے کی بات دریافت کرتی ہے، جو خواب دیکھنے والے کی ذہنی خصوصیت کے عین مطابق ہے، اور اس قتل ہے کہ وہ بحالیاتی، عقلی اور مذہبی حوالے سے اعلیٰ دلچسپی کی حامل ہو۔ معاملے کے لئے اس سے بہتر صورت حال کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ایسی صورت حال تخلیق کی جاسکتی ہے۔

اس خواب کی تعبیر کے لئے قادی کو خود ڈونگ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہو گا۔ لیکن اگر کوئی ایسا تعبیر کرنے والا ہو، جو ابھی جتدی ہو، وہ بھی ایسی تعبیر کر سکتا ہے جو اس فضا کے مطابق ہو اور اس کی رسائی کسی حد تک معافی تک بھی ہو سکتی ہے، اس میں شغلیابی کا حوالہ ہے، لازمی ہے جو شغلیابی کا مقام ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ کسی آزمائش سے گزر کر ہی تبدیلی تک پہنچا جاسکتا ہے اور یہ بات خواب سے بالکل واضح ہے اور اس میں کسی لفظ کی یا کسی اور طرف جانے کی گنجائش ہی نہیں ہے، اور اس سے یہ بھی لگتا ہے کہ اس سارے تجربے کو ایک مذہبی حوالے سے دیکھنا چاہیے، اگرچہ یہ بات عمومی یک طرفہ ہم جنسی ملازمت سے بالکل متضاد ہے اور یہ بات خاصی واضح بھی ہے۔ نوجوان شخص کے دوسرے خواب میں باجمعی دانت کی موتی کے ساتھ جو ملازمت ہے، وہ پتھر کے ساتھ ساتھ یہودی کی رسم ختنہ (CIRCUMCISION) سے متعلق ہے، اسے بھی ایک طرح پتھر ہی سمجھنا چاہیے۔ یوں لگتا ہے جیسے جنسی عضو کا پتھر کرنا مقصود تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کوئی دوسرا کام لینا مقصود ہے، خاص طور پر اس وقت جب ایک پادری بھی موٹھے پر موجود ہے۔ ڈونگ اس مقام پر آغاز کرنے کی رسوم کی بہت سی مثالیں پیش کرتا ہے، جن سب میں ایک ہی مقصد نظر ہوتا ہے کہ ابھرتے ہوئے نوجوان کو جو بچپن سے آگے آ رہا ہے بلوغت کے ساتھ دنیا میں شرکت

کرنے کا موقع ملے، آخری بات یہ ہے کہ انکو طبی دوست سے لی جاتی ہے (اور دوست بھی ایسا جس سے اس کا ہم جنسی کا ناتا تھا) اور ایک عورت کو دے دی جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس یوزمی عورت کے بہت سے خواص ماں جیسے ہیں، اس سے یہ بھی متنبہ نکلا جاسکتا ہے کہ یہ تو محض ایک مراجعت (REGRESSION) ہے، کیا اس کا مطلب ماں کے ساتھ جنسی تعلقات (INCEST) استوار کرنے کی خواہش ہے۔ مگر خواب کا خاتمہ ایک مثبت بات پر ہوا ہے، وہ آرگن کی خوبصورت موسیقی ہے، جس نے خواب دیکھنے والے نوجوان کو سکون اور آہنگ کی حالت میں چھوڑا ہے، چنانچہ ہم یہ سوچنے میں پوری طرح حق بجانب ہیں کہ کسی عورت کے ہاتھ کی انگلی میں انکوٹھی ڈالنا ہے ایک پیش قدمی ہے یہ ہم جنسی روابط کی بجائے مخالف جنس کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کرنے کا آغاز ہے۔ اور بعد میں یہی حقیقت بھی تھی، چنانچہ یہ خواب ایک ترقی کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو مناسب ماحول میں اپنے آپ کو زیادہ آسانی سے نمایاں کر سکتی تھی، اگر ہم صرف یہیں تک رہتے کہ اس کی وجہ دریافت کر لیتے تو یہ بے فائدہ تھا بلکہ یہ تو نظر انداز کر دینے والی بات تھی، بلکہ اس سے لاشعور کی وہ طاقتیں جہاں ہو سکتی تھیں جو شیطانی کی طرف رہنمائی کر سکتی تھیں۔

جب بزرگ تر لوگ (چالیس برس کے قریب کے لوگ) اپنی مریض ہوتے ہیں تو ان کا علاج نوجوانوں کے مقابلے میں بہت مختلف طریقے سے کیا جاتا ہے، یہ بات اس وقت خاص طور پر درست ہوتی ہے، جب انہوں نے اپنی زندگی کامیابی کے ساتھ گزاری ہو اور اس کے بعد وہ نیورس کا شکار ہوئے ہوں مگر وہ اپنی زندگی کو خلل خالی اور بے معنی سمجھتے ہیں، یہ ایسا نیورس ہے جسے کسی کلینک میں قابل علاج نہیں سمجھا جاسکتا اور نہ ہی اس حوالے سے اس کی تعریف ہی ممکن ہے، مگر اسے بیان کرتے وقت اسے ”ہمارے عصر کا عمومی نیورس بھی کہا جاسکتا ہے، ڈونگ کا ہر تیسرا مریض انہی لوگوں میں سے ہوتا ہے، چنانچہ یہ قدرتی امر ہے کہ ڈونگ کا نفسی طریق علاج میں حصہ، اس خاص نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور اسے ان خاص مریضوں کے حوالے سے سمجھا جائے۔

ڈونگ کا موقف ہے کہ ہر نیورس کا کوئی ہدف ہوتا ہے، یہ زندگی کے یک دمے روکنے کی غلطی کرنے کی ایک کوشش ہوتی ہے، اور یہ ایک آواز ہے جو انسان کی توجہ شخصیت کے کسی خاص رخ کی طرف مبذول کرنا چاہتی ہے، وہ حصہ جسے نظر انداز کیا گیا ہے اور جو اہلکار

(REPRESSION) کا فنکار ہے۔

نورس کی علامات محض گزرے ہوئے واقعات کا نتیجہ نہیں ہیں، خواہ وہ بچپن کی جنسی انگلیخت ہو یا بچپن کی حالات حاصل کرنے کی خواہش اور یہ زندگی کی ایک نئی تالیف (SYNTHESIS) حاصل کرنے کی کوشش بھی ہیں۔ اس میں صرف اتنا اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ناکام کوشش ہیں، مگر کوشش تو وہ بہر حال ہیں اور ان کے اندر قدر اور معنی بھی موجود ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس میں ڈونک کا نفسی طریق علاج میں اپنا حصہ، تصور پذیر ہوتا ہے۔ اول تو یہ کہ وہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ نورس کو مکمل طور پر کوئی حقیقی شے نہیں سمجھا جانا چاہیے، بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ انگلیختیں محض جنس یا حکم ذاتی تو نہیں ہیں، کچھ اور بھی تو ہیں، اور زندگی کے دوسرے حصے میں تخلیقی یا روحانی انگیزش بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے (ماضی اس لئے اہمیت کا حامل ہے، اگر وہ واضح طور پر حال کو متاثر کر رہا ہو) اور جب لیبیدو (LIBIDO) شخصیت کو آگے لے جانے میں رکاوٹ محسوس کرے اور اسے انکی حیل تک جانا دشوار نظر آتا ہو، یہی وہ نقطہ ہے جہاں ہر طرح کی عقلی تشریح اور مطابقت پیدا کرنے کی شعوری کوشش ناکام ہو جاتی ہے، ایسے موقع پر ایک ہی امید باقی ہوتی ہے کہ لاشعور سے توازن حاصل کی جائے اور زندگی کے نئے فیج کو کام میں لایا جائے، اس بات کا حوالہ پہلے بھی فروید کے باب میں دیا جا چکا ہے اور ہم اس کی طرف پھر لوٹیں گے کیونکہ ایسا کرنا تخلیقی نفسیات کو سمجھنے اور جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اس نے اس کا اندازہ کرنے میں کیا حصہ لیا ہے۔ اس دوران میں یہ ضروری ہو گا کہ عمومی نفسی طریق علاج کا مطالعہ قدرے تفصیل میں کریں۔

نورس ایک خاص طرح کی نفسی بد نفسی ہے، جو زندگی میں دخل انداز ہو جاتی ہے، اور اس شخص کی صحت میں بھی جو اس کا شکار ہو گیا ہو، ڈونک کے خیال میں یہ دو رجحانات کے تصادم سے پیدا ہوتی ہے ایک کا اعتبار لاشعوری طور پر ہوتا ہے اور دوسرے کا اس خطہ (COMPLEX) کے ذریعے جو شعور سے پہنچتا ہے اور اس کا موجود ہونا خود مختصر مگر لاشعوری ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ کامپلکس پہلے سے شعوری طور پر جانا گیا ہو یا نہ جانا گیا ہو، مگر اہم بات یہ ہے کہ نورس کے مریض کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ موجود ہے، مگر وہ مداخلت کرتا ہے اور یہ مداخلت یا تو غیر متوقع طور پر شعور میں دخل اندازی ہوتی ہے یا پھر وہ توازن اپنے طرف کھینچ

لیتا ہے اور شعور اور بلا واسطہ افعال کے لئے استعمال کرنے کے لئے بہت کم چلتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ خود رس اپنے آپ کو بہت ہی جلدی پہنکی سب پر رکھے، ہم بھی کسی نہ کسی حد تک اس کا شکار ہوتے ہیں، ہماری گفتگو میں سو کا پیدا ہونا یا یادداشت میں کسی شے کا کھو جانا اور غٹنے میں غلطی کر جانا یا نہ سننے میں، کچھ اور ہی چارہ لینا یا دوسروں کے محرکات کا غلط انداز کر لینا یا پھر یادداشت میں قریب نظر (HALLUCINATION) کا ظاہر ہو جانا یا جب ہم غلطی سے کچھ لیتے ہیں کہ ہم نے کچھ کیا ہے، حالانکہ ہم نے وہ نہیں کیا ہوتا۔۔۔۔۔ یہ سب کے سب نیورال بنیاد رکھتے ہیں۔ دوسری طرف یادداشت کے کھو جانے کے ذریعہ واقعات ہیں۔

مثلاً ہسٹریائی فالج (HYSTERICAL PARALYSIS) اندھا پن یا بے ہوشی، کوئی بھی ایسی جسمانی حالت جس کے لئے کوئی طبی وجہ تلاش نہ کی جاسکتی ہو، اور بہت سے تشویشوں، خوفوں اور غمبوں (OBSESSIONS) کے درمیان جب مریض ایک بیماری کے عالم میں اپنی جان بھڑانے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ بہت سی ایسی امراض جن کی تشریح نہیں کی جاسکتی مثلاً سردرد، بخار اور دیگر کئی طرح کی علامات بھی نمودار ہو سکتی ہیں، مثال کے طور پر ہم ایک ایسے شخص کا حال بیان کرتے ہیں جسے بہت تیز بخار تھا اور وہ اس وقت بالکل نارمل ہو گیا تب وہ اس قاتل ہوا کہ ایک نہایت تاریک اور بھولے ہوئے راز کو بیان کر سکے۔ اعتراف (CONFESSION) حقیقت میں کسی بھی عقلی علاج کے لئے پہلی بنیادی شرط ہے۔

تفصیلی علاج کا پہلا آغاز (بقول ڈوگ) اعتراف کی صورت میں ہوتا ہے اگر دو طرح کے عمل کے دوران ظاہر کوئی ملتی (Causal) رشتہ نہیں ہے مگر دونوں ایک ہی منبع سے پھوٹتے ہیں، کسی بھی باہر کے آدمی کے لئے فوری طور پر اس رشتے کا بچہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ تفصیل کے بنیادی کام اور اعتراف کی مذہبی صورت حال کا آپس میں کیا تعلق ہے۔

جب انسان مسئلہ کے خیال کا تصور کرنے کے قابل ہوا تھا تو وہ ایسے راستے پر تھا کہ وہ نفسی مسائل کو چھپا لے۔ یا تخلیقی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں سے اہل ان (Repression) کا آغاز ہوا تھا۔

یہ ایک مشترک نفسی نفع ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگ باتوں کو پھیلاتے ہیں، اور ایسا

کرتے ہوئے ٹوہ اپنے آپ کو معاشرے سے الگ تھلک کر لیتے ہیں۔ جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ ایسی ہی چیز ہے جو ہمارے اندر تاریک ہے اور نامکمل ہے اور احتمالاً ہے۔ چنانچہ جو چھپا ہوا ہے وہ گمنام سے سمور ہے، خواہ وہ ہماری اختراعات کے اعتبار سے واقعی غلط ہے یا نہیں ہے۔ حقیقت میں مخفی ہونے کی ایک شکل جس کا اثر بہت زیادہ جلد کن ہو سکتا ہے۔ اسے نیکی جان کر اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ وہ شے ہے جسے جذبات کو مخفی رکھنا کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ایک طرح کی بے تعلقی ضرور ہونی چاہئے۔ کچھ راز تو ایسے ہوتے ہیں جو بطور فرد ہماری ترقی کے لئے ضروری ہیں، اور ہمیں لاشعور میں حل ہونے سے بچاتے ہیں، دوسری طرف وہ ہمیں معاشرے میں کھو جانے سے بھی باز رکھتے ہیں۔ جذبات پر قابو رکھنا لازمی بھی ہے اور پسندیدہ بھی ہے بشرطیکہ کے اسے ٹھیک طرح کیا جائے۔ ان باتوں سے بھی ذاتی رشتے چابی کا فکار ہوتے ہیں۔ اگر سرد مری اختیار کی جائے۔ اپنے طور پر جذبات پر قابو پائے رکھنا ایک ایسی خوبی ہے جو بہ صورت کیفیات اور پاکیزوں کی سند مزاحی کو جنم دیتی ہے۔ ایسی جگہوں پر جہاں گرم جوشی ہونی چاہئے وہ سرد مری کو جنم دیتی ہے۔ برتری کا ایک لفظ احساس چھپایا رہتا ہے کہ ہم زیادہ نیچے کار ہیں یا ایک طرح کا نیم گرم سا آمگ ہے۔ حقیقت میں خود پر قابو رکھنا معاشرتی اور مذہبی معاملات میں بروئے کار آنا چاہئے۔ اس لئے ہمیں کہ یہ ذاتی برتری کی کاسب ہے یا پھر خوفزدگی اس کی وجہ نہیں ہونی چاہئے۔

ایک مکمل اعتراف۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ محض عقلی طور پر حقیقتوں کا اعتراف نہ ہو، بلکہ دل سے ان کی تصدیق ہو، اور اس سے واقعی دے ہوئے جذبات کو رہائی ملے۔ اس کا اثر احتمالی طور پر شغلیابی کا ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں میں جو زیادہ پیچیدہ کیوں کا فکار نہیں ہوتے، لیکن بد قسمتی سے اعتراف کوئی سادہ معاملہ نہیں ہے۔ کیونکہ اعتراف کرنے والے کی شخصیت درست نتائج حاصل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ بھی اکثر ہوتا ہے، لگتا ہے کہ بیمار صحت یاب ہو گیا ہے کیونکہ اعتراف کرنے سے اس کی علامات غائب ہو جاتی ہیں اور وہ اب ان کے منبع کو اور معالیٰ کو سمجھنے لگ پڑا ہے، وہ اپنے علاج کو اس کے بعد بھی مسلسل جاری رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے پیش نظر کوئی ایسا تئورس نہیں ہوتا جو دکھائی دیتا ہو اس کا اس شخص کے بغیر گزارا ہی نہیں ہوتا جس نے اسے شغلیاب کیا ہے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے (اور یہ خاص طور پر فرانیڈ کی دریافت ہے) کہ مریض کا مری طرح



معالج کے ساتھ چٹنے رہنا مریض کے انتقال (Transference) کی وجہ سے ہے اور اس نے اپنے جذبات اس کے ساتھ منتقل کر لئے ہیں۔ یہ وہی جذبات ہیں جن کا مرغ کسی زمانے میں والدین کی طرف تھا۔ یا نفسیات کی اصطلاح میں اس کو یہ کہا جائے گا کہ یہ باپ اور ماں کی یادداشتی شبیہیں ہیں مگر ان کی جذباتی رو کا مرغ تحلیل ماہر کی طرف ہو گیا ہے، لہذا اس منظر کو انتقال کا نام دے دیا گیا ہے۔ مریض بچے کی طرح کا ہو جاتا ہے بلکہ وہ تو بچہ ہی سے بچہ ہی رہا ہے، مگر اس نے اس حقیقت کو چھپائے رکھا اور اب وہ کوشش کرتا ہے کہ ماہر تحلیل کی مدد سے بچپن کی خاندانی صورت حال کو پھر سے پیدا کرے۔ عام طور پر ماہر تحلیل (Analyst) مخالف جنس کے Parent کا نمائندہ ہوتا ہے، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ بھائی، بہن، باپ، بیٹے، اور ماں بچی کا تعلق ظاہر ہو جائے۔ اس ذاتی کیفیت میں وہ بہت کچھ جو ابطان کی حالت میں ہے روشن ہو جاتا ہے اور بہت سے نمٹکیا ابھر آتے ہیں، جس میں خاص طور پر ذائقہ محرم (Incest) خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس لئے یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ باتیں پہلے لاشعور کے اندر رہی ہیں اور آسمان بھی نہیں ہے کہ انسان کو ایسے نواہ کا شعور حاصل ہو جائے، اور ایسے بد مزہ معاملات کو کیونکر باہر نکالا جائے۔ تحلیل کی اس منزل کے دوران جو قوتیں فعال ہو جاتی ہیں اور بہت شدت کے ساتھ شمولی ہوتی ہیں لیکن جس شے کو لالہ قوت کی خواہش کا نام دیتا ہے، وہ بھی جاگ سکتی ہے، مریض کوشش کرتا ہے کہ وہ صورت حال بننے کے لئے اپنے آپ کو بیدار کر لائے اور اپنے نیورس کو اہمیت حاصل کرنے والے ذریعے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ مریض اس ساری شے کا شعور انتقال کی تعبیر سے حاصل کرتا ہے۔ اس سے اس شے کی وضاحت ہوتی ہے کہ اس کے اور ماہر تحلیل کے درمیان کیا واقعہ ہو رہا ہے، اور ہر منزل پر اس کی توجہ دے کر اس سے کئی پڑتی ہے، کیونکہ انتقال قدرتی طور پر آگے بڑھتا ہے اور تبدیل ہو جاتا ہے۔

تشریح (Explanation) شاید ایک ایسا لفظ ہے جو غلط سمت میں لے جاتا ہے اور طریقے (Method) اور عمل (Process) کے معانی ایک ساتھ بیان نہیں کرتے، کیونکہ جذبات بہت کمرائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ انتقال کو پوری طرح بیان نہیں کیا جاسکتا، اس کا تجربہ تو بس ماہر تحلیل ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی کچھ حدود مقرر کی جاتی ہیں۔ مثلاً جس کمرے میں معالجہ (Treatment) کیا جاتا ہے، اور پھر اس کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے۔ ڈونگ کو اس

بات پر اصرار ہے کہ علاج کو مریض کے ساتھ ایک رفیق انسان کی حیثیت میں ملنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو دونوں میں ایک جیسی بے تکلفی ہونی چاہئے کہ 'ہر مصیبت دونوں کو ایک ساتھ جھیلنی چاہئے۔ دونوں کے ایسے ہی رشتے سے نفسی طریق علاج سے ایسے نتائج حاصل ہوتے ہیں، جس پر کوئی تشریح اثر انداز نہیں ہوتی۔

اس انسانی رشتے میں جو ماہر تحلیل کی شخصیت کو اس قدر اہم بنا دیتا ہے کہ مریض کو اعتراف کرنے سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مریض یہ محسوس کرے کہ اس کی شخصیت کا ایک حصہ تقسیم ہو گیا اور وہ اپنے طور پر ایک کمپلکس بن گیا (Autonomous Complex) اور پھر اس کے ساتھ یکجہتی (Integration) حاصل کرنے میں بے حد مشکل پیش آئے، تاہم اس کے باوجود وہ شعوری شخصیت سے مکمل طور پر متضاد کسی شے کا اظہار کرتی ہو، ایسے مقام پر ماہر تحلیل کی سمجھداری اور ہمدردی، احتمالی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ وہ شعوری قوتوں کو پھر سے کارفرما ہونے میں مددگار ہوتی ہے۔ اس وقت تک جب تک وہ پریشان کرنے والے عنصر کو پوری طرح ابھم نہیں کر لیتی۔ چنانچہ مریض اس عمل کے دوران ان جزوی قوتوں کی لڑائی میں تھکا نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا شخص جس پر وہ پورا اعتماد رکھتا ہے، اس کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اس سے اسے وہ اخلاقی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ بے قابو جذبات کی سفاکی سے خبردار آنا ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا قرعہ رشتہ قائم ہوتا ہی ہے، تو وہ احتمالی اہمیت کا حامل ہو گا مگر اس سے پہلے ماہر تحلیل کو اپنی تحلیل کردہائی پڑے گی کیونکہ وہ کسی بھی شخص کی مدد اس مقام سے آگے جا کر نہیں کر سکتا۔ جہاں تک وہ خود پہنچا ہوا ہے۔ ماہر تحلیل کو اپنے شیڈو کے بارے میں ضرور علم ہونا چاہئے اور اسے لاشعوری قوتوں کے حقیقی تجربے سے بھی گزرنا چاہئے، وہ تجربہ جو اب اس کے مریضوں کے لئے مددگار ثابت ہو رہا ہے۔ دوسروں کا علاج کرتے ہوئے وہ اپنی مشکلات سے روگردانی نہیں کر سکتا سب سے پہلے تو اسے خود کو شغلیاب کرنا چاہئے: جب وہ مریضوں کے تجربے میں شریک ہوتا ہے تو اسے یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ ان کی بیماری کے جراثیم کہیں اس کو بھی بیمار نہ کر دیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ڈاکٹر کو یہ خدشہ رہتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر کہیں مریض سے مرض حاصل نہ کر لے؟ اور اسے اس سارے استحکام کی ضرورت ہوتی ہے جو علم سے حاصل کیا جاتا ممکن ہے۔

نفسی طریق علاج کی اس ساری بحث میں ڈونگ اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ اس کا انحصار دو انسانوں کے تعلق پر ہے۔ یہ اتنی زیادہ اہم بات ہے کہ تمام نظریات اور طریق کار کی حیثیت اس کے سامنے ثانوی ہوتی چاہئے، بعض اوقات ماہر تحلیل اپنے آپ کو یہ سمجھنے سے باز نہیں رکھ سکتا کہ مریض کے لئے یہ راستہ یا وہ راستہ سب سے بہتر رہے گا، مگر اسے یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ وہ اپنا نقطہ نظر مریض پر تصویب دے اس کا کام تو محض اتنا ہے کہ وہ مریض کو اس ذہنی حالت میں لے جائے جس میں مددگار ہو کہ جہاں مریض خود اپنے لئے وہ راستہ تلاش کر سکے، جو اس کے ذمہ رہنے میں سودمند ہو، اور پھر اس کے دل میں یہ خواہش بھی ہو کہ وہ اسے عملی طور پر اختیار بھی کرے، نظریات اور طریق محض اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

ہمت سی ایسی منازل آتی ہیں۔ جہاں نفسیاتی علاج اپنے اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً اس وقت جب کوئی ٹائپنیدہ علامت غائب ہو جائے۔ جب بھیجن کی حالت سے کوئی قلبی بخشش پیش قدمی ہو جائے، جہاں زندگی سے مطابقت پیدا کرنے کا نیا اور بہتر طریقہ ڈھونڈ نکالا جائے اور اس وقت جب کوئی لازمی یا لاشعوری موبہ و دریافت کر لیا جائے اور زندگی کو نیا ذوق شوق حاصل ہو جائے، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو ان نتائج کے حاصل کرنے سے ہر دی تحقیقی حاصل نہیں ہوتی اور وہ یا تو ماہر تحلیل کے ساتھ اپنا کام جاری رکھتے ہیں یا بعد میں پھر علاج کے لئے واپس آ جاتے ہیں اور ان کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ مزید آگہی اور پیش قدمی حاصل کی جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے فردیت کا ہدف ایک ضرورت بن جاتا ہے، اور ان پر کسی عام نفسی طریق علاج کا اطلاق کم ہی ممکن ہو پاتا ہے۔ حقیقت میں ڈونگ اسی منزل کو ”مشور اور لاشعور کے مابین ایک جدلیاتی (Dialectical) بحث قرار دیتا ہے۔ یہ ایک پیش قدمی ہے کسی مقصد یا ہدف کے حصول میں، ایک پیش قدمی ہے جس کی پریچین کن نوعیت کئی برس تک توجہ کو مشغول رکھ سکتی ہے۔ وہ ہمت سے مریض جن پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اکثر اوقات مطابقت رکھنے والی زندگی اور با مقصد زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان سب نے کسی نہ کسی صورت میں نفسی طریق علاج سے فیض پائی حاصل کی ہوئی ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو اس سے جزوی فائدہ ہے اور کچھ لوگوں پر اس کا حتمی اثر بھی مرتب ہوتا ہے، اور وہ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ وہ زندگی میں خلل پن یا بے معنویت محسوس کرتے ہیں۔ یا وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ کسی مقام پر انک کر رہ گئے ہیں۔ یا پھر ان کو یہ سمجھ میں نہیں

آنا کہ وہ کس طرف جائیں اور کیا کریں کیا نہ کریں۔ ایسے لوگ عام طور پر قائل اور ذہین لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے لئے نارمل انسان بننا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ ان کے لئے تو نیورس (اگر اسے نیورس کہا جاسکتا ہو) ان کا نارمل ہونا ہے؟ اور ان کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ غیر عمومی یا اہل نارمل زندگی گزاریں۔

”کوئی بھی شے اس سے زیادہ بہتر اور مفید نہیں ہے کہ انسان نارمل (Normal) ہو۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی تو ہے کہ انسان اوسط (Average) میں پھنس گیا ہے۔ یہی حال مطابقت (Adaptation) کے اصول کا بھی۔۔۔۔۔ نارمل ہو کا مطلب ہو جانے والوں کے لئے اعلیٰ عقلیت (Ideal) ہے اور ان سب کے لئے بھی جو ابھی تک مطابقت پیدا نہیں کر پائے، مگر وہ لوگ جن میں قابلیت بہت زیادہ ہے اور اوسط انسان سے بہت بلند ہیں اور جن کے لئے یہ بھی مشکل نہیں تھا کہ وہ کاسپالی حاصل کریں اور دنیا کے کاموں میں اپنا حصہ ادا کریں۔ ان کے لئے یہ پابندی کہ وہ نارمل کی سطح پر رہیں یکسانیت پیدا کرنے والی (Procrustes) اور برداشت نہ کی جاسکے والی پوریت کے ساتھ ساتھ، دائمی بانجھ پن اور کسبیری کی حالت ہے۔“

مگر یہ لوگ اور وہ لوگ جو یہ محسوس کریں کہ ان کے لئے سب دروازے بند ہو گئے ہیں۔ وہ بہت زیادہ پڑھتے ہیں، بہت گہرا سوچتے ہیں اور مذہب اور فلسفے نے جو بھی امکانات پیش کئے ہیں ان کی چھان بھنگ کرتے ہیں ان کو ان تمام جہالت کا علم ہوتا ہے، جو شعور دے سکتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ڈونگ نفسی طریق علاج میں اپنا سب سے بڑا حصہ ادا کرتا ہے۔

”ڈونگ کتا ہے میرے پاس اس کا کوئی بھی بننا بنایا علاج نہیں ہے۔ جب کوئی مریض مجھ سے پوچھتا ہے ”آپ میرے لئے کیا تجویز کرتے ہیں؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ تو مجھے بھی اس سے بہتر کوئی علم نہیں ہوتا۔ میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں کہ جب کسی شعوری نقطہ نظر سے بچہ جانے کی گنجائش ہی نظر نہ آتی ہو اور میں ایک جگہ رک جانے پر مجبور ہو جاؤں تو میرا لاشعور اس ناقابل برداشت فحشاء کے خلاف رد عمل ظاہر کرے گا۔“

سب دروازے بند ہو جانا ایک عمومی اور جاتی پہچانی صورت حال ہے، اور انسان کی تاریخ میں متعدد بار دہرائی گئی ہے۔ چنانچہ یہ بہت سی چیزوں کی کہانیوں، اساطیر کا جن میں خاص

طور پر Open Sesame شامل موضوع ہے۔ جملہ کوئی بند دروازہ جلدی الفاظ سے کھلتا ہے۔ جملہ کوئی چھپا ہوا راستہ کسی مددگار جانور یا عجیب غریب مخلوق کی مدد سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ بری طرح پھنس جانا ان خاص واقعات میں سے ایک ہے، جو ایک خاص وقت کے دوران کوئی خاص رد عمل یا طعنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب یہ صورت حال کسی جدید انسان کے لاشعور میں دہرائی جائے، تو وہ اس کے سلسلے میں خواب نگر والای یا کوئی دیباہی رد عمل پیدا کرے۔

طریق علاج کا مقصد ان حالات میں یہ ہوتا ہے کہ مریض اپنے لئے خود چھپے ہوئے امکانات کو بروئے کار لائے اور یہ معلوم کرے کہ وہ اصل میں کس طرح کا آدمی ہے اور پھر اس کے مطابق زندگی گزارنا سکھے۔ چنانچہ یہ علاج کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے طے شدہ تمام خیالات کو خیرباد کہے کہ مریض کو کس طرح پیش قدمی کرنی ہے، زور علاج پر نہیں ہے بلکہ ماہر تحلیل اور مریض کے رشتے پر ہے، کسی کو جواب معلوم نہیں ہے اور کوئی بھی پیش گوئی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ ڈونگ کہتا ہے ”ہم کسی بھی طریقے سے کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے، یہ علاج تو ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے جس میں ماہر تحلیل کے ساتھ ساتھ مریض کی بھی پوری شخصیت شامل ہوتی ہے اور دونوں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔“

ڈاکٹر اور مریض کے رشتے میں ہماری ملاقات ایک ایسے عنصر سے ہوتی ہے، جو ناقابلِ فور ہے اور اس کے باعث باہم تبدیل (Transformation) عمل میں آتا ہے، اس لیے دین میں، زیادہ مستقل اور مضبوط شخصیت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ آخری سوال کیا ہے؟ میں نے ایسے معاملات بھی دیکھے ہیں، جن میں مریض ڈاکٹر سے کہیں زیادہ مضبوط ثابت ہوتا ہے اور بھی کچھ تمام طبعی نظریات اور ڈاکٹر کی نیت کے خلاف ہے۔۔۔۔۔ یہ حقیقت کہ دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ کچھ بھی اس کے ساتھ حلق ہے اس کے پیچھے تبدیل کی کوئی حیلہ کام کر رہی ہوتی ہے۔

ڈونگ کو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ دونوں شخصیتوں کے اس ملاپ کو دو کیمیائی عناصر کا ملاپ ظاہر کرے۔ اگر کوئی رد عمل ہو تو دونوں ہی یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی تصوراتی یا فیرواحی مماثلت نہیں ہے۔ کیونکہ اسی بات نے ڈونگ کی الگمی (Alchemy) کی بنیاد مسمیٰ کی

ہے یہ عمل (جو ہائپ تھل کا عمل ہے) اس پر ویسا ہی بوجھ معلق ہے جیسا کہ مریض پر ہوتا ہے وہی ایمانداری اور صبر اور استقامت کی ضرورت ہے اور تبدیلی کے لئے ہر لمحہ تیار رہنا پڑتا ہے اور یہ ساری بات اس کے لئے اچھا خاصہ کام بن جاتی ہے کیونکہ بالآخر یہ شخصیت ہی ہوتی ہے جو نتیجے کو مصیبت کٹتی ہے کوئی طریقہ یا تکنیک نہیں۔

اگر مریض کا مسئلہ دینی ہو تو پھر ماہر تحلیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ مریض کے مذہبی مسئلے پر بھی توجہ دے اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات ہے کہ وہ کھلے دل کے ساتھ تمام باتیں مریض کے ساتھ کر سکتا ہو۔ اگر مریض کا معاملہ بلند تر ثقافتی منزل کا حصول ہو تو پھر ماہر تحلیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی اس رخ میں پیش قدمی کرے۔

”فحسی طریق علاج (ڈونگ کہتا ہے) اس صورت میں مطلب (Clinic) کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ محض مریضوں کے علاج کا طریقہ نہیں رہ جاتا یہ تو اب ایک ایسی خدمت ہے جو صحت مند لوگوں کو بھی فرائم کی چاکنی ہے یا کم از کم ان کو جو فحسی صحت پر اپنا حق رکھتے ہیں اور ان کی بیماری ایک ایسی تکلیف ہے جس میں ہم سب جلا ہیں۔“

تحلیل کے آغاز کا زمانہ زیادہ تر ذاتی مسائل سے متعلق ہوتا ہے۔ لہذا اس کا اصل ذاتی لاشعور سے ہے، لیکن آخری درجے میں جب فرد اپنی پوری نسل کی زندگی میں مقام چاہتا ہے، اجتماعی لاشعور کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اور یہ ڈونگ کا نظریہ اجتماعی لاشعور اور ذاتی لاشعور ہے، جو اسے دوسرے نفسیات دانوں سے الگ کرتا ہے۔

## حواشی

۱۔ جب ڈونگ نے فروئیڈ کے طریقے کے برعکس اپنا طریق کار ۱۹۸۰ء تو اس کے لئے درست ہی تھا کہ اسے نئی صورت میں بیان کیا جائے۔ حل ہی کی بات ہے کہ فروئیڈ کا اپنا کتب خیال اور خاص طور پر وہ شارع جو میلانی کلین (Melanie Klein) کی سربراہی میں کام کرتی ہے۔ ان کے راستے میں یہ دشواری حائل ہو گئی کہ وہ بچے کی مشورہ دہانہ انجیل کو نورس کی اہم ترین وجہ قرار نہ دے سکے۔

۱۱۔ اس الجملہ کو دور کرنے کے لئے جو جی ایف سٹاٹ (G.F. Stout) کی اصطلاح (Analytic Psychology) سے پیدا ہو سکتی ہے۔ Analytical Psychology کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ بلکہ برس پہلے تک ڈونگ کی نفسیات کو Complex Psychology کہا جاتا رہا۔ ہر صورت تحلیلی نفسیات وہ اصطلاح ہے جو زیادہ چلتی پہچانی جاتی ہے اور حقیقت میں وہی مروج بھی ہے سٹاٹ کی اصطلاح سے بالکل ہی مختلف معنی میں استعمال ہوتی ہے۔

۱۲۔ یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ جو پیش قدمی خواب میں ظاہر کی گئی ہے۔ فوری طور پر سامنے نہیں آئی تھی اور نہ ہی آسانی سے آئی تھی، اور بغیر کسی مثبت اشارے کے معاملے کے دوران ایسا وقت بھی قیاسی قریب (Passivism) کا دور دورہ تھا۔

Two essays on Analytical Psychology P.P. 114-15  
collected works vol: 7 para 182.

۱۳۔ یہ اضافہ کرنا ضروری ہے کہ جو پیش قدمی خواب میں ظاہر کی گئی ہے، فوری طور پر سامنے نہیں آئی تھی اور نہ ہی آسانی سے آئی تھی، اور کسی مثبت اشارے کے معاملے کے دوران ایسا وقت بھی قیاسی قریب (Passivism) کا دور دورہ تھا۔

## چھٹا باب

### خواب اور ان کی تعبیر

اس سے پہلے باب میں خواب کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے تو اتنا ہی کافی تھا کہ ڈوگ نفسیاتی عوامل میں خواب کے منظر کو کتنی اہمیت دیتا ہے، وہ کہتا ہے، ”خواب کو پورنی سلیڈ کی سے لیتا جاسئے۔ گویا وہ ایک واقعہ ہے جو ہمارے ساتھ وقوع پذیر ہوا ہے، اس کو شعور کا نقطہ نظر تشکیل دینے کے لئے ایک ایسے عنصر کی حیثیت حاصل ہوئی جاسئے، جو کچھ نہ کچھ افسانے کا باعث ہوتا ہے۔“ اور اس کے تجربے نے اسے یہ بتایا ہے۔ اگر ہم کسی خواب پر خاص دیر تک غور کریں اور خاصی تفصیل سے غور کریں۔ اگر ہم اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھیں اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے رہیں۔ تو بیشک اس سے کچھ نہ کچھ ور آمد ہوگا۔

خواب ایک فیراختیاری اور فوری نفسی عمل ہے۔ یہ قدرت کی آواز ہے، یہ عام طور پر فیرواضح ہوتی ہے اور سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا اظہار علامتوں اور تصویروں میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ بہت قدیم رسم الخط ہیں یا تحریریں ہیں، یا پھر ایسے مشکل حروف، جو بچے ڈرائنگ کی شکل میں خودی بناتے ہیں اور انہیں اہم لفظوں کا بدل قرار دیتے ہیں۔ اس کو شش میں کہ خواب کی زبان کو سمجھا جائے، ڈوگ انوائیڈگی (Amplification) کا طریقہ استعمال کرتا ہے۔ جس کا موازنہ بعض پہلوؤں سے اس طریق کار سے ہو سکتا ہے جس میں پرانے رسم الخط اور تحریریں جن کا تعلق بھولی ہوئی زبانوں سے ہوتا ہے، ماہرین لسانیات (Philiologist) پڑھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اس کے خیال میں خواب کی تقسیم کا پہلا قدم یہ ہے کہ اس کا تعلق (Context)



متعین کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کے رشتے کس کس کے ساتھ ہیں اور خود تعلق خواب دیکھنے والے کے ساتھ کیا ہیں، اس کے ساتھ اور اس کی زندگی کے ساتھ کیا ہیں، پھر ان تمام تماشوں کو سمجھا جائے، جو اس خواب میں ظاہر ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہو سکتا ہے کہ کسی کی ماں اس کے خواب میں آئی ہو، ہر ایک کا کوئی نہ کوئی ماں کا تصور ہوتا ہے، مگر ہر شخص کے لئے، ماں کا تصور جدا ہوتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص کے ہاں یہ تصور بار بار تبدیل ہوتا رہے، ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے ہاں ماں کا طائرہ محبت ہو، دوسرے کے لئے قوت، خسر یا ناامیدی اور یوں خواب میں ماں کے مفہام تبدیل ہوتے رہیں۔ جہاں تک ممکن ہو، ہر ایچ اور علامت کو اتنی دیر تک زیر مطالعہ رکھنا چاہئے، جب تک اس کے خواب دیکھنے والے پر اس کے معانی پوری طرح ظاہر نہ ہو جائیں اور جب تک سارا عمل پوری احتیاط کے ساتھ مکمل نہ کر لیا جائے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خواب کا مطلب کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ڈوگ نے تعبیر خواب کا کوئی ایک طریقہ متعین نہیں کیا (مثلاً یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو کچھ تعبیر خواب کے سلسلے میں عام مقبول کتابوں میں لکھا ہوتا ہے یعنی یہ کہ سیاہ جلی کو دیکھنا خوش قسمتی ہے) یہ خواب دیکھنے والے کے لاشعور کا بلاواسطہ اظہار ہے اور اسے صرف اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ وہ کہتا ہے :

”عجب کوئی شخص صورت کی گلی کی بنی ہوئی میز دیکھتا ہے، تو اس کا کوئی تعلق یا طائرہ لکھنے والی میز سے نہیں ہوتا جو کہ صورت کی گلی (Deal) کی بنی ہوئی نہیں ہوتی۔ خواب میں خاص طور پر صورت کی میز کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اگر اس مقام پر خواب دیکھنے والے کو کچھ سوچنا نہیں ہے، تو اس کی چھکچھات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک خاص نام کی اس کے خواب کی حقیقت کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ شخص کی بات ہے۔ ہماری توقع تو یہ تھی کہ صورت کی میز کے ساتھ اس کے بہت سے تعلق ہوں گے اور جب اسے ایک بھی یاد نہیں آتا تو پھر اس کا کوئی خاص مطلب ہونا چاہئے۔ اس خاص صورت حال میں ہم بار بار اس میز کی طرف لوٹیں گے اور اس میں اپنے مریض سے کہیں گے ”فرض کرو مجھے ہانگلی ہی یہ اندازہ نہیں ہے ذیل نیل کیا جاتا ہوتا ہے“ اس شخص کو بیان کرو اور اس کے بارے میں مجھے اس طرح بتاؤ کہ میں یہ سمجھ سکوں کہ اس کا سیاق

ہو جاؤں کہ وہ کس طرح کی چیز ہے۔" چنانچہ اس طریقے سے ہم اس خواب کے انج کے خاص متن کو صحیح کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جب ہم یہ کر سکتے ہیں اور اس عمل کا تعلق خواب میں موجود تمام تاشیل سے ہوتا ہے تو ہمیں یہ تعبیر کی کارگزاری کے لئے عمل طور پر چار ہو جاتے ہیں۔

خوابوں کا ایک سلسلہ تعبیر خواب کے لئے زیادہ قسلی بخش بنیاد فراہم کرتا ہے، بجائے ایک خواب کے، کیونکہ ایسی صورت میں جو بنیادی خیال لاشعور بیان کرنا چاہتا ہے، واضح ہو جاتا ہے، اہم تاشیل بار بار وقوع پذیر ہونے لگتی ہے سے نوٹ کر لی جاتی ہیں اور اگر ایک خواب کی تعبیر میں غلطی ہو بھی جائے تو وہ سراسر خواب اس کی تصحیح کر دیتا ہے۔

خواب کی تعبیر معروضی (Objective) سطح پر بھی ہو سکتی ہے اور ذاتی (Subjective) سطح پر بھی۔ پہلی صورت میں خواب کا رشتہ ان معاملات سے ہوتا ہے، جو وارد گرد و وقوع پذیر ہو رہے ہوں۔ جو لوگ اس میں دکھائی دیتے ہیں وہ حقیقی لوگ ہوتے ہیں ان کا رشتہ اور خواب دیکھنے والے پر اس کے ممکنہ اثرات کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے مگر دوسری صورت میں خواب میں نظر آنے والی صورتیں (Figures) خود اس کی شخصیت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ اس بات کا انحصار فوری لمحے پر ہوتا ہے کہ زور کس رخ پر دیا گیا ہے۔ ایک خاتون جو اپنے باپ کو خواب میں دیکھتی ہے، ممکن ہے اس سے متعلق کسی مسئلے میں الجھی ہوئی ہو، یا اس کے ساتھ تعلق کا کوئی پہلو سلٹنے آگیا ہو یا پھر اس کے موادہ اصول (Male Principle) کو، جس کی نمائندگی اس کا باپ کر رہا ہے، تسلیم کیا جانا ضروری ہو۔ عام طور پر ذاتی یا موضوعی (Subject) معاملہ معاملے کی تحلیل کے آخری منازل میں اہمیت اختیار کرتا ہے۔ جب ذاتی مسائل کو دیکھا جاتا ہے اور اس کی تقسیم ہو چکی ہو۔

بعض خوابوں کی اہمیت محض ذاتی معاملے سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ ایسے خواب عام طور پر بہت واضح ہوتے ہیں اور ان کی نمائندگی حیران کن اور ناقابل تقسیم علامات کے ذریعے ہوتی ہے اور مریض کے ساتھ ان کا رشتہ تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ انج کی جماعت بندی (Classification) ڈرونک "اجتماعی خواب" (Collective Dream) کے طور پر کرتا ہے اور ان کو سمجھنے کے لئے تدریجی یا اساطیری مماثلت تلاش کرنی پڑتی ہے۔ جس کا مطلب یہ

معلوم کرنا ہوتا ہے کہ دوسرے زبانوں کے دوسرے لوگ اس سے کیا مفہوم اخذ کرتے رہے ہیں۔ شروع شروع میں یہ سوچنا ممکن ہے بہت عجیب لگے کہ ان کا ہمارے ساتھ آخر کیا تعلق ہو سکتا ہے! ہم جو کہ ماضی سے اپنا رشتہ اس بری طرح توڑ چکے ہیں کہ اب مجھے وقتوں کے تجربے کو دہرانا کچھ قرین قیاس لگتا نہیں ہے اور نہ ہی اس زمانے کے لوگ ہمارے لئے کچھ معنی رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود صورت ایسی ہے کہ لاشعوری طور پر ہم اپنے پرانے اباداہد کی طرح سوچتے ہیں، اور اس بات کو سمجھ لیتے اپنے تجربے کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے نئے امکانات کے دروازے وا ہوتے ہیں۔ ہم کو استقامت اور قوت ملتی ہے اور اس کا تعلق اپنے منہج کو تلاش کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ بات بہت مشکل ہوتی ہے کہ ذاتی اور اجتماعی خوابوں کے درمیان خط امتیاز کھینچا جائے، اور اس وقت تو اس قدر تفصیل میں چٹا بھی ممکن نہیں ہے۔ بہر صورت زندگی میں کبھی تو یہی کچھ اہلراہ مقدر ہے۔ ہم دو چیزوں کے درمیان امتیاز کا خط کم کم ہی کھینچ سکتے ہیں۔ ہم اپنی ذاتی حیثیت میں کچھ بھی سوچیں اس کے کچھ نہ کچھ اثرات تو دوسروں پر بھی مرتب ہوتے ہیں اور اس کے برعکس خود ہم بھی تو اپنے عصر کا حصہ ہیں، ہمارا عصری ہماری صورت گری کرتا ہے خواہ ہم ایسا چاہیں یا نہ چاہیں۔ سچ بات تو یہ ہے کوئی بھی ذاتی خواب اس وقت اپنی ذاتی سطح سے اوپر اٹھ آئے گا اور اس کا تعلق خواب دیکھنے والے کی ذاتی زندگی کے کسی پہلو سے قائم ہو جائے گا مجب یہ خواب اپنے خاندان کے متعلق، کسی دوست کے متعلق یا روزمرہ کے واقعات کے متعلق دیکھے گا۔

ایک اجتماعی خواب، ہر حال، اجتماعی لاشعور کے آر کے ٹاپ کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس کی اہمیت دوسروں کے لئے بھی ہوتی ہے اور خواب دیکھنے والے کے لئے بھی۔ شاید کچھ قارئین ایسے بھی ہوں جو ناشتے کی میز پر ایسا خواب بیان کرتے ہوں اور پھر دیکھنا چاہتے ہوں کہ دوسروں پر اس کا اثر واضح طور پر اس خواب سے کیسے زیادہ ہوتا ہے، جو وہ ذرا لمبی انداز میں خودی طور پر پیدا کرتا ہے۔ قدیم انسان جبلتی طور پر ان دونوں خوابوں کے درمیان امتیاز کو محسوس کر سکتے تھے۔ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ ذاتی خواب کونسا ہے اور اجتماعی کونسا اور وہ ان کو بھولنے یا بڑے خواب سے تعبیر کرتے تھے، کیونکہ ان طرح ان پر علم کے وہ دروازے کھل جاتے تھے، جو کسی اور ذریعے سے نہ کھل سکتے تھے۔ اس کی ایک مثال راس مومن (Rasmussen) نے اپنی کتب قطبی اسکیمو (Polar Eskimos) میں دی ہے، جس میں

تجیلے کے ایک فرد کو خواب میں ایک رؤیت (Vision) ہوئی اور اس کی وجہ سے وہ دوسروں کو ساتھ لے کر کئی دن تک ہرف کے اندر سفر کرتا رہا اور ایک ایسی جگہ پر جا پہنچا جہاں خوراک بھی تھی اور رہائش بھی میسر تھی اور یہی بات خواب میں بتائی گئی تھی۔ کچھ لوگ سفر کے دوران انتظار کو بچنے کے لئے وہاں پہلے گئے تھے اور وہاں وہ بھوکوں مر گئے تھے اور یہ بات بھی خواب میں پہلے سے بتائی جا چکی تھی۔

قدیم زمانے میں اجتماعی خواب کو بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ خاص طور پر اس وقت جب اس کے بارے میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غیبی اثرات (Oracular) رکھتا ہے، اور اس کے بتائے ہوئے خطرات کو خاص طور پر نظر میں رکھا جاتا تھا۔ ہم کو اب یہ خواب اور ان کی تعبیریں افسانوی لگتی ہیں۔ بہر حال کچھ ایسی حوازی باتیں موجود ہیں، جن کا موازنہ تعبیر خواب کے اس عمل سے ہو سکتا ہے، جو آج رواج پا گیا ہے۔ ان سے بھی تعبیر خواب کے کچھ اصول وضع کئے جاسکتے ہیں۔ فرعون (Pharoan) جس کا ذکر ”پیدا کش“ (Genesis) 41 میں ہے اور پھر اس کے ساتھ حضرت یوسف کی توبیہ، یہ بھی کچھ دی ہے، جسے اجتماعی خواب کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق فرعون کے خواب دیکھنے کے دو برس بعد شروع ہوا تھا۔

بادشاہ کے خواب رعایا کے لئے انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ فرعون تو خدا بھی تھا اور خداؤں کے درمیان اس علاقے کا نمائندہ بھی تھا۔ وہ خدا اور لوگوں کے درمیان ایک تعلق تھا اور تعلق انتہائی نہیں تھا بلکہ لازمی تھا۔ چنانچہ اس کے خواب خدا کی آواز تھے جو لوگوں تک پہنچائی جانی ضروری تھی۔ یہ لازمی نہیں تھا کہ فرعون اپنے خوابوں کی توبیہ بھی خود کرے چنانچہ اس کے لئے وہ جادو گروں کو بلاتا تھا مگر یہ ان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ اس کے خواب کی تعبیر کر سکیں۔ پھر فرعون نے حضرت یوسف کو بلایا تھا وہ اس سے پہلے بھی تعبیر خواب کی صلاحیت کا مظاہرہ کر چکے تھے اور انہوں نے فرعون کے دو غلاموں کے خواب کی تعبیر کی تھی۔

فرعون نے یوسف سے کہا ”میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں دریا کے کنارے پر کھڑا ہوں اور اس دریا میں سے سات موٹی اور خوبصورت گائیں نکل کر میدان میں چرنے لگیں۔ ان کے بعد سات خراب اور ضایت بد شکل اور دلی گائیں نکلیں اور وہ اس قدر بری تھیں کہ میں نے سارے ملک مصر میں ایسی بھی نہیں دیکھیں، اور وہ دلی

اور بد فعل گانگن ان پہلی سات سوئی گانگوں کو کھا گئیں، اور ان کے کھا جانے کے بعد یہ  
 مظلوم بھی نہیں ہوتا تھا کہ انہوں نے کچھ کھا لیا ہے، بلکہ وہ پہلے کی طرح جیسی کی جیسی  
 بد فعل رہیں، تب میں جاگ گیا ہے اور پھر خواب میں دیکھا کہ ایک (یعنی میں سات  
 بھری اور اچھی اچھی پائیں نکلیں، اور ان کے بعد اور سات سوئی اور پہلی اور بد فعلی ہوا  
 کی باری اور مرصائی ہوئی پائیں نکلیں، اور یہ پہلی پائیں ان ساتوں اچھی اچھی پاؤں کو  
 لگل گئیں اور میں نے ان جالود گردن سے اس کا بیان کیا پر ایسا کوئی نہ نکلا، جو مجھ کو اس  
 کا مطلب بتاتا۔

(کتاب مقدس، پرانا عہد نامہ، پیدائش، باب ۳۱ آیت ۷ تا ۲۵)

پائیں اور گانگن<sup>۱۹</sup> دونوں ہی مصریوں کے لئے عظیم اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کا افسار ان  
 کے اساطیر اور مذہبی رسوم میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ معانی ہیں اور وہ روزمرہ سے باور ہیں اور  
 ان کا تعلق خوراک سے لے کر موت تک ہے، پھر ان کا رشتہ، دوبارہ پیدائش اور تخلیق سے ہے،  
 لہذا اپنی فرمیت میں وہ آرکی ٹائپ کی دنیا سے متعلق ہیں۔ حضرت یوسف نے جو کچھ خواب کے معانی  
 نکالے وہ وجدانی مظلوم ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے جب فرعون نے اپنے باورچی اور خادم سے مشورہ  
 کیا تھا تو اس نے کہا تھا کیا تعبیر کا تعلق خدا کی ذات سے نہیں ہے، اور اب وہ یہ کہتا ہے ”مجھ میں یہ  
 بات نہیں ہے“ خدا فرعون کو اس کا صحیح خواب دے گا اور یوں فرعون کا خواب ایسا ہے کہ خدا نے  
 اسے بتایا کہ وہ کیا کرنے والا ہے، سات اچھی گانگن سات برس ہیں اور سات اچھے سال ہیں اور یہ  
 خواب ایک اکائی ہے۔

آج ہم کو بھی خوابوں کے بارے میں ایسے ہی خیالات دینے چاہئیں، جیسا کہ پہلے خواب میں  
 بیان کیا جا چکا ہے۔ لاشعور مستقل طور پر مختلف طلبات استعمال کرتا ہے، جن کو شعور ایک اور ایک  
 جیسی شے ہی سمجھتا ہے۔

حضرت یوسف کا بیان جاری رہتا ہے:

تب یوسف نے فرعون سے کہا کہ فرعون کا خواب ایک ہی ہے، جو کچھ خدا کرنے کو  
 ہے، اس نے فرعون پر ظاہر کیا ہے۔ وہ سات اچھی اچھی گانگن سات برس ہیں، اور  
 سات اچھی اچھی پائیں بھی سات برس ہیں، خواب ایک ہی ہے، اور سات بد فعل اور

دلی گائیں جو ان کے بعد نکلیں اور وہ سات خالی اور پوری ہو ا کی ماری مرصعی ہوئی  
 ہائیں بھی سات برس ہی ہیں، مگر کل کے سات برس یہ وہی بات ہے جو میں فرعون سے  
 کہہ چکا ہوں کہ جو کچھ خدا کرنے کو ہے، اسے اس نے فرعون پر ظاہر کیا ہے۔ دیکھ،  
 سارے ملک مصر میں سات برس تو پیداوار کثیر کے ہوں گے۔ ان کے بعد سات برس  
 کل کے آئیں گے، اور تمام ملک مصر میں لوگ اس ساری پیداوار کو بھول جائیں گے  
 اور کل ملک کو چاہ کر دے گا اور اور ذاتی ملک میں، یاد بھی نہیں رہے گی، کیونکہ جو کل  
 بعد میں پڑے گا نہایت ہی سخت ہو گا، اور فرعون نے یہ خواب جو وہ دیکھا تو اس کا  
 سبب یہ ہے کہ یہ بات خدا کی طرف سے مقرر ہو چکی ہے اور خدا اسے پورا کرے گا۔  
 (انجیل مقدس، پیداؤش، باب ۴۱ آیات ۲۵ تا ۳۳)

ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ خوابوں کے ایک سلسلے کو سمجھنا ایک خواب سمجھنے سے کہیں  
 زیادہ آسان ہے، اور اسی طرح اب بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہم خوابوں کا اعلان ہوتا ہے، اگر وہ  
 ٹھیک سے سمجھے نہ گئے ہوں یا اگر ان پر اصرار کرنے کی ضرورت ہو۔  
 انجیل کی کہانی، اب بات ختم ہوتی ہے کہ حضرت یوسف اس بحران پر قابو پانے کی  
 کوشش کرتے ہیں اور فرعون ان کی تمام باتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ بعد میں وقوع پذیر ہونے  
 والے حالات سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تعبیر کس قدر درست تھی، کثیر پیداوار کے دنوں کے  
 بارے میں بھی اور قحط کے دنوں کے بارے میں بھی اور تمام واقعات اسی طرح رونما ہوئے جیسے  
 کہ ان کی پیش گوئی کی گئی تھی۔

قدیم انسان کا تو یہی خیال تھا کہ یہ خواب خدا کی طرف سے تھا، اور چچ تو اس امکان  
 پر اب بھی ایمان رکھتا ہے (بہت احتیاط کے ساتھ اور اپنے پاس یہ حق رکھتے ہوئے کہ وہ اس پر  
 فیصلہ صادر کرنے کا حق (Ad Judicate) محفوظ رکھتا ہے، عوام کی رائے میں اس قسم کی نفسی  
 سرگرمیاں اس قدر انحطاط پذیر ہو چکی ہیں کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خواب محض طبیعی  
 وجوہات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جیسے کہ سوتے وقت ایسی جسمانی حالت میں ہو جائے جو پڑ سکون نہ ہو۔ یا  
 سوتے سے پہلے بہت زیادہ چیت بھر کر کھانا کھا لیتا۔ یہ درست ہے کہ بعض خواب انہی وجوہات  
 کی بنا پر آتے ہیں۔ (مثیل کے طور پر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خواب کے اندر ہم برقی طاقے

نہ پھر رہے ہیں اور جب آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اوپر سے کھلی کھٹک گیا۔ مگر اکثر اوقات دکھائی دینے والے محرک اور خواب کے اندر بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ موقف اختیار کر کے خواب کے عمل کو صحیح معنی میں بیان نہیں کر پاتا۔ ایک اور خیال جو اس لحاظ سے خاص مقبول ہے، یہ ہے خواب میں وہی کچھ دہرایا جاتا ہے جو دن کے وقت ہم عملی طور پر کرتے رہتے ہیں، خاص طور پر اس وقت جب یہ واقعات ہمارے لئے خصوصی اہمیت کے حامل ہوں۔ جب احتیاط سے یہ مطالبہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ خواب ان واقعات کو اسی ترتیب سے بیان نہیں کرتے۔ اس میں یا تو وہ اضافہ کر دیتے ہیں یا پھر کوئی چیز مع منہا کر دیتے ہیں اور یوں تجربے کی نوعیت ہی تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ بتایا جاسکتا ہے کہ یہ خواب اپنی نوعیت میں تخلیقی کو بروئے کار لے آئے ہیں۔ یہ رہنما کہ کسی شعوری رویے کی تخلیقی خواب کے ذریعے کی جاتے۔ خوابوں کی ایک اہم خصوصیت ہے، اور اسے ہر لحاظ سے نظر رکھنا چاہئے، خاص طور پر اس وقت جب ان کی تقسیم کے لئے کوشش کی جا رہی ہو۔ اس کی مثال کے طور پر ڈونگ ایک نوجوان کا حوالہ دیتا ہے کہ اس کا باپ شریوں کی طرح لڑکھڑاہا تھا اور ایک لڑکا بنا ہوا تھا مگر اس کے باپ نے حقیقت میں کوئی ایسی بات نہ کی تھی اور خود بیٹے کے بیان کے مطابق اس کے باپ کا کردار مثالی تھا۔ نوجوان کے تعلقات اپنے باپ کے ساتھ نہایت اچھے تھے، اور اس قدر زیادہ اچھے تھے، کہ اپنے باپ کے کردار کی وجہ سے وہ نوجوان اپنی ذات کے اندر وہ احساس پیدا نہ کر سکا تھا جو سب کے لئے ضروری ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کی اپنی شخصیت کا ارتقاء رک گیا تھا۔ چنانچہ اب کی بار خواب دوسری انتہاء کو چھوئے لگا اور اس نے باپ کے کردار کو انتہائی طور پر بگاڑ کر پیش کیا، ”وہ ایسا بھی قابلِ قدر اور اعلیٰ درجے کا انسان نہیں ہے اور وہ بہت غیر محتاط انداز اختیار کر سکتا ہے، لہذا مجھے کیا ضرورت ہے کہ اس کے مقابلے میں خود کو احساسی کمزری کا شکار بنا لوں۔“ لا شعور اس رشتے کو اجاگر کر رہا تھا جو باپ کے مثالی تصور کا حامل تھا اور اس باعث وہ بیٹے کی بلوغت کے حصول میں حارج ہو رہا تھا۔

خواب کی ایک کارگزاری دوسری طرف سے بھی ہے۔ اگر ہم عادتاً کسی کی قدر قیمت نکھائیں، تو پھر اس کے بارے میں ایسے خواب آتے ہیں، جس میں اس کو بڑھایا جھٹکایا ہوتا ہے۔ مثلاً وہ ایسی حیثیت میں نظر آتا ہے جو اس کی عام حیثیت سے بہت بلند ہے، اور ایسی شے آسانی سے اور روانی سے کر رہا ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں

ہمارے پر چلتے ہیں اور ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔

خواب چھپے ہوئے تصاویر بھی سامنے لے آتے ہیں اور اس کے لئے وہ کردار کا کوئی ان دیکھا رخ سامنے لاتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی نرم خور اور غیر منتشر شخص ایسے خواب دیکھتا ہے جو "تھکدے لبریز ہوتے ہیں" یا پھر ایسے جنسی افعال کرتا ہے، جو نہایت پشیمند ہوں، لیکن عام طور پر خواب اسنے واضح نہیں ہوتے اور خواب کی زبان ایسی بلا واسطہ نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر اساطیر اور خوابوں میں ایسی بے شمار جنسی علامتیں ہیں جو بہت معروف ہیں، جیسے گدھہ اتار (Pomegranate) یا گھوڑے گھر، نکل اور رقص وغیرہ یہ محض چند مثالیں ہیں۔

بعض اوقات خواب چھپی ہوئی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں مگر ان سب کو اس عنوان کے تحت لے آنا ضرورت سے زیادہ سہل پسندی ہے، آرزو مندانه خواب آسانی سے پہچانے جاتے ہیں۔ جب مثال کے طور پر ایک بھوکا خواب میں لذیذ ترین کھانا کھاتا ہے اور ایک پیاسا صاف شفاف پانی کی آنکھیں خیرہ کرنے والی چمک دیکھتا ہے۔

کچھ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق فرد سے ہوتا ہے۔ یہ وہ خواب جو پرے ہونے والے ہیں اس سے ہوں لگتا ہے جیسے ممکن و ناممکن (Space and time) ہمارے شعور کی پیداوار ہیں اور اضافی (Relative) ہیں اور لاشعور ان تصورات کے حوالے سے کار فرما نہیں کرتا۔

پیش منظری (Prospective) خواب کی ایک مثال یہ ہے کہ انسان دیکھے کہ وہ اٹھا ہے اور اس نے لباس تبدیل کیا ہے، جب وہ سویا ہوا ہو، اور الارم نہ بجا ہو، مگر اس سے کہیں زیادہ واضح خواب اور بھی ہوتے ہیں، ایک خاتون جو جلد ایک نئی جگہ پر جا کر آباد ہونے والی تھی اور علاقہ بھی اس کا دیکھا ہوا نہیں تھا اور اس نے جو خواب دیکھائے گھر کے بالکل مطابق تھا اور پھر وہیں جا کر وہ رہی، یہ خواب بھوئی بھوئی غامض تک درست تھا اور اس خواب میں اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو وہیں رہ رہے ہیں اسے چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں، ایسے خواب کیا ہی تو نہیں ہیں۔ مگر ہم ایسی قسمی سرگرمیوں پر اعتدال نہیں کرتے اور ہم ان کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ تو محض افلاک تھا۔

کبھی کبھی تو یہ بھی لگتا ہے کہ خواب واضح طور پر خطرے سے خبردار کرتے ہیں۔ اس کی مثال پہاڑ کی چوٹیاں سر کرنے والے اس صہم جو کی ہے۔ جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ



بلند سے بلند تر پہاڑ پر چڑھتا جا رہا ہے اور پھر خوشی کے ساتھ اپنا اگلا قدم نکالتا ہے۔  
 اس خواب کے بارے میں یہ سوچا جاسکتا تھا کہ ایسے خواب ان لوگوں کو بھی سوچنے پر مجبور کر  
 دیتے جن میں تو اہل کاشانہ بھی نہیں ہوتے مگر جس آدمی کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ اس پر ہنستا  
 رہا۔ مگر اس خواب کے کچھ ہی عرصے کے بعد وہ ایک پہاڑ کو سر کرتا ہوا ہلاک ہوا۔ اس کے  
 ایک دوست نے دیکھا کہ اس نے واقعی ہوا میں قدم رکھ دیا تھا۔ اگر ہم موت کا خواب دیکھیں  
 تو اس کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کسی جانکام ملوث کی پیش گوئی ہے۔ یہ کوئی علامتی یا  
 واقعی طبعی موت ہے۔ شاعر اس سلسلے میں حقیقت سے آگاہ ہیں۔ سال مر جاتے ہیں، گیت مر  
 جاتے ہیں۔ عاشق عشق کے باعث مر جاتا ہے اور صوفی زندگی کے لئے مرنے لگتا ہے۔

مرے اندر موابکہ بھی رہنے نہ دو

مجھے اس طبع اپنی زندگی پر حاکم کہ میں

میں اپنی ساری زندگی پر موت طاری کر لوں

صرف خواب دیکھنے والے کاظم اور اس کے فوری حالات بھی یہ بتا سکتے ہیں کہ زور  
 خواب کے کس حصے پر دیا گیا ہے۔

بعض اوقات خواب دیکھنے والا ان تجزوں کو دہراتا ہے، جو اس نے کبھی دیکھی تھیں،  
 سنی تھیں، بہت پہلے پڑھی تھیں اور پھر وہ ان کو بھول گیا تھا۔ اب وہ ایک بھول بھری بات کو یاد  
 کر رہا ہے۔ یہ اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کیا واقعی کوئی بھولی ہوئی بات یاد کی گئی ہے یا یہ کہ  
 خواب میں نظر آنے والا واقعہ حقیقتاً وقوع پزیر ہوا تھا۔ مگر اس کی کوئی خاص عملی اہمیت نہیں  
 ہے۔ جو بات اس سلسلے میں یاد رکھنے والی ہے، صرف اتنی ہے کہ خواب دیکھنے والے نے یہ  
 خواب کسی خاص موقع پر کیوں دیکھا ہے اور اس نے یہ کیوں محسوس کیا ہے کہ وہ اس خاص  
 واقعے سے گزر چکا ہے۔

ایک اور عجیب بات جو خوابوں کا خاصہ ہے یہ ہے کہ قریبی دوست ایک خاندان کے  
 مختلف افراد، خاص طور پر میاں بیوی یا والدین اور بچے، ایک ہی خواب دیکھتے ہیں۔ حالانکہ  
 انہوں نے اس کے بارے ایک دوسرے سے بھی کوئی بات نہیں کی ہوئی۔ اس سے بھی کہیں  
 زیادہ حیرت انگیز وہ خواب ہیں، جو بچے اپنے والدین کے مسائل کے بارے میں دیکھتے ہیں، جبکہ

ان مسائل کو ان سے چھپانے کی پوری کوشش کی گئی ہوتی ہے۔ ایسے خواب عام طور پر سیدھے سادھے بیان نہیں ہوتے، وہ کئی بار اطلاقی ہوتے ہیں اور بسا اوقات بہت دیدہ زیب اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ ایک عجیب و غریب مثل ان تین بیچوں کی ہے، جن کی ماں ان سے شدید محبت کرتی تھی۔

جب وہ بلوغت کے قریب پہنچیں تو انہوں نے بہت شربائے ہوئے، ایک دوسرے کے سامنے احترام کیا کہ وہ ایک زمانے سے اپنی ماں کے ہارے میں ایک المیہ خواب دیکھتی چلی آرہی ہیں۔ انہوں نے خواب میں ماں کو چڑیل یا خطرناک جانور کے روپ میں دیکھا ہے، اور یہ بہت کسی طرح بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ کیونکہ ماں تو بہت محبت کرنے والی ہے اور ہمیشہ ان کا کتنا خیال رکھتی ہے۔ کچھ برس کے بعد ماں پاگل ہو گئی اور اپنی دج آگئی میں وہ جوانیوں کے طرح ہاتھ پاؤں سے چلنے لگی اور منہ سے سور کی آواز نکالنے لگی، یا کتوں کی طرح بھونکنے لگی، یا بھر رہیوں کی طرح غرائے لگی۔

سب سے زیادہ چو لگا دینے والے وہ خواب ہوتے ہیں، جو لگتا ہے کہ ایک ہی وقت میں لاشعور سے ابھرے ہیں۔ وہ کوئی ایسی شے پیش کرتے ہیں جو مکمل طور پر عجیب ہوتی ہے۔ مگر بہت صاف نظر آتی ہے اور توجہ اپنی طرف لانا سمجھ لیتی ہے۔ بعض اوقات تو یوں لگتا ہے وہ لاشعور کے اس رجحان کی طرف اشارہ ہے کہ شعوری رویے کو یکسر تبدیل کر دیا جائے، اور یہ خواب اس قدر زیادہ مؤثر ہو سکتے ہیں کہ بعض اوقات خواب دیکھنے والا محض انہی کی وجہ سے بالکل ہی بدل جاتا ہے اور اس کے لئے کسی تعبیر کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مثل کے طور پر ایک عقلی طور پر ترقی یافتہ خاتون نے جو اوجیز عمر کی ہونے والی تھی یہ خواب دیکھا تھا۔

میں ایک بہت بڑے صحر میں اکیلی کھڑی ہوں۔ ایک طرف دج کا بہت بڑا بہت نصب ہے۔ میرے ساتھ ایک پردہت کھڑا ہے، جس نے دمی لباس پہنا ہوا ہے، سدا ماحول مصری یا یمنی ہے۔ ہم بہت ہی وسیع و عریض مگر غالی فرش پر دوسرے کھارے کی طرف دج تا کی صورتی کی طرف بڑھتے ہیں۔ میں چھ قدم اٹھانے کے بعد منہ کے بل گر جاتی ہوں اور بار بار ایسا ہوتا چلا جاتا ہے اور پردہت دج تا سے غائب ہو کر چلا جاتا ہے کہ یہ عورت

کتاب ہو کر تجربے حضور حاضر ہوئی ہے اور پھر وہ میرے اعتراف کو ہار دھرتا ہے اور اس کی آواز بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہم بہت آہستگی سے آگے بڑھتے ہیں مگر بڑھتے ضرور ہیں، لیکن اپنے ذہن کے اندر میں اس سارے عمل کے سلسلے میں ٹھک و شہت محسوس کرتی ہوں! یہ سوچتی ہے یہ تو کچھ عجیب و غریب قسم کی رسم ہے اور سامنے جو دیوتا نظر آ رہا ہے، وہ محض ایک مورتی ہے۔ چتر کی مورتی۔ آخر کار ہم اس تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے ہر طرف بیڑھیاں ہی بنی ہوئی ہیں اور یہی صورت حال قربان گھ (Altar) کے پیچھے بھی ہے۔ جب میں وہاں پہنچ جاتی ہوں اور مندر پھوڑنے سے پہلے میں مڑ کر ایک ہار پھر مورتی کو دیکھنے کی کوشش کرتی ہوں تو وہ مورتی آہستگی سے مڑتی ہے اور میری طرف دیکھتی ہے۔ یہ دیکھ کر میں لرز جاتی ہوں اور اس کے رعب اور دہش کے باعث منہ کے بل زمین پر گر جاتی ہوں اور مجھ پر اس کی اطاعت ظاہری ہو جاتی ہے، کیونکہ اب مجھے واقعی محسوس ہونے لگتا ہے کہ دیوتا کی حضوری میری بہت (Absolution) فنی جا رہی ہے اور اس کی رحمت مجھ پر برس رہی ہے۔ کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ یہ محض جمل ہے، دھوکا ہے۔ کوئی مشین لگی ہوئی ہے جو مورتی کو موڑتی ہے مگر میں اب مجسم جذبہ بنی ہوئی ہوں، اگر ایسا ہے بھی کہ کوئی مشین اس بہت بڑی مورتی کو ایک طرف موڑ رہی ہے، مگر یہ تو حقیقت ہے کہ وہ دیوتا ہے اور وہ مجھ پر وارد ہوا ہے۔ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ میرا دل روشن ہو رہا ہے، میرے اندر انکساری اور انجسلا پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

تحلیل عمل میں خواب ایک قابلِ قدر شے ہے، کیونکہ وہ انسان کے اندر رون بلکہ بیرونی حالات کے بارے میں بھی وہ کچھ بتاتی ہے، جس سے انسان آگاہ نہیں ہوتا۔ وہ پہلا خواب جو مریض ماہر تحلیل کو سنا ہے، وہ ایسی روشن شخصیت ہوتی ہے، جس سے اس کی کیفیت واضح ہو جاتی ہے، اور کوئی ایسا اشارہ بھی کئی بار مل جاتا ہے کہ علاج ان خطوط پر کرنا چاہئے۔ خواب کے اندر آئندہ کے بارے میں جو رویہ پایا جاتا ہے وہ اور کئی وجوہات کے ہمراہ ڈونگ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اس بات پر اصرار کرے کہ ان کو نہ صرف تھوٹی (Reductive) مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خواب نہ صرف بھولے بسے واقعات یا د

دلاتے ہیں اور حالیہ مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مگر خاص طور پر فردیت کے عمل کے لئے۔ یوں لگتا ہے کہ ان کے پیش نظر کوئی متعلیٰ بھی ہے، جوں جوں تحلیل آگے بڑھتی ہے، عام طور پر خواب زیادہ وسیع ہوتے چلے جاتے ہیں اور انہیں سمجھنا مشکل تر ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے۔ جہاں کہ اساطیری فضا سامنے آنے لگتی ہے اور ایک بہت بڑے حوالے کا در کھلتا ہے۔ جو محض مریض کا ذاتی تجربہ نہیں ہوتا، لہذا ایسی صورت میں علامہ (Association) ضروری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو خواب دیکھنے والے کسی باطنی علامہ کی طرف بھی اشارہ نہیں کرتے اور وہ خواب کی صورت حال سے کوئی رشتہ بھی نہیں ڈھونڈ پاتے۔ یہی وہ صورت حال ہے جس میں اساطیری متوازی کام آتا ہے۔ یہ عام طور پر خواب کے اجتماعی معانی پر روشنی ڈالتا ہے اور اس کے بعد خواب دیکھنے والے کے ساتھ اس کا حوالہ ڈھونڈا جاسکتا ہے۔

ژونگ خواب کی تعبیر کبھی مریض پر ٹھونکتا نہیں۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ خواب دیکھنے والا اپنے خواب کو خود سمجھے۔ بجائے اس کے کہ ماہر تحلیل اس کو سمجھائے کہ اصل بات یہ ہے کہ خواب کی تحلیل، خواب دیکھنے والے اور ماہر تحلیل کے باہمی اتفاق سے ہونی چاہئے۔ اس نے بہت سا کام اس رخ پر کیا ہے کہ مریض کو مدد فراہم کی جائے کہ وہ اپنے لاشعوری مواد کی تفسیم خود کرے، اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے خواب کو بہت احتیاط کے ساتھ یاد رکھے، یا نوٹ کرے اگر ممکن ہو تو وہ اس کی تصویر بنائے یا کبلی مٹی سے ڈیڑھ انچ تیار کرے۔ اس کے لئے کسی فنکارانہ صلاحیت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے کہ کام عام سطح پر ہی کر لیا جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں وہ اپنی دیکھی ہوئی تصویر میں ردوبدل نہ کر پائے گا۔ لاشعور کے اظہارات اکثر اوقات بڑی کمنگی (Primitiveness) کے حامل ہوتے ہیں، اور ان کی قوت اس وقت ختم ہو جاتی ہے، اگر ان کو جمالیاتی تصورات کے تحت لانے کی کوشش کی جائے۔ مریض پر اس کے خواب کے سلسلے میں اس طرح کام کے کرنے کے بعد (اگرچہ اب بھی اس امر کا امکان ہوتا ہے وہ ناپسندیدہ مضمرات کو نظر انداز کر دے) یہ امکان موجود ہوتا ہے کہ مریض اپنے آپ پر انحصار کرنے لگے اور کچھ نہ کچھ اس قابل ہو جائے کہ اپنے لاشعور کو سمجھنے لگ جائے، وہ اس فضا کو زیادہ حقیقی بنائے، جو اس کے اندر فعال ہے اور یوں اس کو مظلوم ہو جانے کا کہ وہ کیا ہے۔ صرف پیشنگ بنانے ہی سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس کے لئے بے کیفی کم ہو سکتی ہے اور اس کی ممکن بھی ختم ہو سکتی ہے۔ اس طرح کی فعال باہمی

مدد سے محض بے مقصدیت کے سمندر میں تھرتے رہنے کے عمل میں کمی آسکتی ہے اور کچھ خدشات بھی دور ہو سکتے ہیں اور خواب نام صرف مطلوبات کا ذریعہ بن سکتے ہیں، بلکہ وہ ایک تخلیقی قوت کی شکل بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

## حواشی

- (۱) لوری سس (Orsis) مصری اساطیر میں غلے کا خدا ہے، اس کے علاوہ مقدس بتل بھی ہیں، جو اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور ان کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ انہیں خداؤں کی طرح پوجا جائے۔  
(Golden Bough-Frazer)

## ساتواں باب

### نفیات اور تعلیم

ٹوئنگ نے ایک دلچسپ اضافہ بچے کی نشوونما کی نفیات کے سلسلے میں بھی کیا ہے۔ یہ سب کچھ ملازمہ ٹسٹ (Association Test) کے ذریعے ممکن ہو پایا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچے کی نفیات کا والدین سے امتلائی کمر تعلق ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں، بچے ایسے خواب دیکھتے ہیں۔ جن کا تعلق والدین کے مسائل سے ہوتا ہے۔ اس کے حوالے سے لن کا اعصابی تناؤ والا کردار، بدسلوکی اور بہت سے دوسرے مسائل کا تعلق والدین کے عام کرداروں کے ساتھ ہو سکتا ہے، خواہ اسے بچے سے چھپانے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہو، اگر والدین اپنے مسائل کو حل کر لیں اور بعض اوقات تو یہ بھی ممکن ہے کہ اگر وہ اپنی مشکلات کو روز روشن میں لے آئیں اور بہت بے تکلفی کے ساتھ بچے کو اس میں شریک کر لیں (ظاہر ہے اس کی سطح وہی ہوگی کہ بچہ اس کو سمجھ پائے) تو بچے کا اعصابی تناؤ، سرکشی (Refractoriness) میں غائب ہو جائے گی گویا کہ چادر کر دیا گیا ہو۔

ٹوئنگ نویرس کی ایک بچی کا کیس بیان کرتا ہے۔ جسے کئی ماہ تک ہلکا ہلکا بخار رہا اور وہ سکول جانے کے قابل نہ رہی۔ اگرچہ اس کی کوئی وجہ معلوم نہ کی جاسکی، والدین کی آپس میں باقی نہیں تھی، اور وہ ایک دوسرے کو طلاق دینا چاہتے تھے، مگر دونوں میں سے کوئی خود کو اس قابل محسوس نہ کرتا تھا کہ کوئی عملی قدم اٹھا سکے، انہیں یقین تھا کہ بچی کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے، اور یہ کہ اسے کسی طرح کی پریشانی لاحق نہیں ہے، بچی کے خوابوں سے یہ اندازہ ہوا کہ وہ صورت حال کے بارے میں آگاہی رکھتی ہے، اور اس نے یہ اعتراف کیا کہ

جب بھی اس کا والد کام کرنے کے لئے گھر سے باہر جاتا (وہ کئی بار تجارتی نوڈ پر باہر جایا کرتا تھا) اسے یہ خوف ہوتا تھا کہ وہ شاید کبھی واپس نہیں آئے گا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ اس کی ماں اس کی عدم موجودگی میں بہتر محسوس کرتی ہے۔ آخر والدین کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ بچے کی بیماری کی وجہ بنتے جا رہے ہیں اور انہیں خیال آیا کہ اس مسئلے کو پیش کے لئے حل ہونا چاہئے۔ یا تو وہ آپس میں مستقل مناسبت کر لیں یا پھر علیحدہ ہو جائیں۔ آخر انہوں نے ایک دوسرے کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور انہوں نے بچی کو بتایا کہ وہ دونوں میں کسی سے بھی الگ نہیں کی جائے گی بلکہ آئندہ اس کے دو گھر ہوں گے، اگرچہ یہ انتظام کوئی مثالی انتظام نہیں ہے مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بچے کو اس خوف سے جو ایک نامعلوم صورت حال کا خوف تھا اس کے دل سے اور اس کے وجدان سے نکل گیا اور وہ کچھ ہی دنوں میں پہلی چنگی ہو گئی اور اسکول جانے کے بھی قابل ہو گئی۔

ایک جیسے خیالات کی فراوانی بعض خاندانوں میں خصوصیت کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ جب گھر کا ایک رکن دوسرے کے خیالات کی بازگشت ہوتا ہے۔ ان کی پسندیدگی اور پسندیدگی بھی مشترک ہوتی ہے مگر والدین اور بچوں کی لاشعوری مماثلت کم ہی ہوتی ہے اور اس کا اعتبار عام طور پر یا تو خواہوں میں ہوتا ہے یا پھر ایسے ذریعوں سے جن میں ملازمہ شٹ شامل ہیں۔ والدین کے لاشعوری اثرات بچے کے لئے بوجھ بن سکتے ہیں اور ان کی وجہ سے اس کی ذہنی ترقی رک سکتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی ایسی بیوی جو اپنے خاوند سے مطمئن نہیں ہے وہ لاشعوری طور پر اپنے بیٹے پر ان جذبات کا بوجھ لا سکتی ہے، جن کا رخ عمومی حالات میں باپ کی طرف ہو اور باپ اپنی چھوٹی سی بچی کی محبت میں گرفتار ہو سکتا ہے اور وہ اس بات پر حاسد ہو سکتا ہے کہ کوئی اور اس کی زندگی پر اثر انداز ہو، اگرچہ، ہیروٹ برائننگ (Elizabeth Barret Browning) اس کی ایک اختلاقی مثال سہی، مگر یہ اس کی ابتدائی زندگی کی ایسی مثال ہے، جو بعد میں بھی اس کی زندگی پر اثر انداز رہی، مسٹر بیرٹ نے وکٹوریہ زمانے کے والد کی حیثیت میں ہر وہ حربہ استعمال کیا کہ اس کی بیٹی کسی طرح شادی نہ کر پائے مگر ایک جدید زمانے کا باپ بھی ایسے ہی حالات پیدا کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس صورت میں وہ خاصے ڈھکے چھپے ہوں گے اور اسے شاید خود بھی یہ علم نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ تجزیاتی پریکٹس (Analytical Practice) میں بہت نوجوان مرد اور خواتین حصہ لے رہی ہیں جو اپنے

والدین کی سانچگی پر بھروسہ نہیں کرتے اور اس لئے وہ ہانوں کی طرح زندگی نہیں گزارتے۔  
 ڈونگ تو اس سلسلے میں یہاں تک چلا گیا ہے کہ وہ بچے کے مسائل کو اتنی دیر تک ہاتھ لگانے کو  
 بھی تیار نہیں ہوتا جب تک والدین اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے پورے تیار نہیں ہو  
 جاتے مگر اس کے مقلدین (Followers) نے اس کے اس طریق کار میں تھوڑا بہت رد و بدل  
 کر لیا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بچے کے شعور کی ترقی اور طاقت کے لئے یہ ممکن ہے۔  
 تاکہ وہ کسی نہ کسی حد تک فرد بن سکے، اسے والدین کے بڑے اثرات کی روک تھام کرنی  
 ہوتی ہے۔

بچے پر والدین کے لاشعوری اثرات کا ایک عملی پہلو یہ ہے کہ والدین کی شخصیت  
 بچے کے کردار کی صورت گری میں دور تک اثر انداز ہوتی ہے مگر اس کے تصورات میں اس  
 کے اثرات اتنے نمایاں نہیں ہوتے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ اتنا اہم نہیں ہے جتنا اہم یہ ہے کہ  
 وہ کیا ہیں! یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے بلکہ پرانی حکمت کی ایک مثال ہے۔ جس کی تائید جدید علوم  
 نے بھی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ والدین اور خصوصاً بچے (Maladjusted Children)  
 کے والدین یا اگر تھوڑا بہت تطبیق (Adjustment) ہو بھی کہ اپنے بارے میں زیادہ کچھ جان سکتے ہیں اور ان پر اپنی باطن کی زندگی کھل سکتی ہے اور  
 اس کا انہیں فائدہ بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ معلوم سے کہیں زیادہ نامعلوم کے اثرات خطرناک  
 ہوتے ہیں۔

بعض اوقات بچے اپنے والدین کے ان پہلوؤں کو اپنی شخصیت میں ابا کر کرتے ہیں،  
 جو انہوں نے دیا دینے ہوں یا وہ ماحول جس کی وجہ سے بچوں کی ترقی رک گئی ہو۔ دوسری  
 صورت میں والدین کے اثرات اکثر اوقات شعوری یا نیم شعوری ہوتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگ  
 ان غلطیوں کو آسانی سے دیکھ سکتے ہیں، یہ ممکن ہے کہ خود ان کو اپنی غلطیاں نظر نہ آئیں۔ جب  
 مثال کے طور پر والدین یہ کہتے ہیں۔ ہم نے اسے کما تم وہ تعلیم ضرور حاصل کر دو ہم نہیں کر  
 پائے، وہ یہ بالکل نہیں سوچتے کہ جس تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے، وہ اپنے بچے کو آمادہ کرنے  
 کی کوشش کر رہے ہیں، وہ اس کے لئے موزوں ہے بھی یا نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ  
 سکول یا یونیورسٹی میں ناکام ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب والدین میں سے کسی نے اپنی جنسی خواہشات  
 کو دبا دیا ہوتا ہے، تو اس کا مظاہرہ کم کم ہوتا ہے کہ اس کی بیٹی مردوں کے پیچھے بھاگی پھرتی ہے



اور اس کا بیٹا بد معاشوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ ہر حال یہ اندازہ تو محاط اور تفصیلی مطالعے کے بھی ہی ہو سکتا ہے اور وہ بھی مریض کی زندگی کو کھنگالنے کے بعد کہ یہ واقعہ کیونکہ رونما ہوا لا شعور کے اندر ابھان کے عمل میں ڈال گئی تو ایسی ہزار طریقوں سے پتہ پڑے نکال سکتی ہے اور بچے کو ایسے راستے پر ڈال سکتی ہے جس سے والدین واقعی خوفزدہ ہوں مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ ان کی خواہش بھی ہو۔

لا شعور کے یہ اثرات ٹی ایس ایلیٹ (T.S.Ellot) کے ڈرامے "خاندان کا پھر سے مل بیٹھنا" (The Family Reunion) میں عجیب و غریب اور خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ یہاں ان کا اثر اجتماعی ہے، انفرادی نہیں اور اسے خاندان پر پڑی ہوئی لعنت (Curse) کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ جیسے یہ ان کا مقصد ہے۔ لارڈ مونو ہنسی (Lord Monohensy) اپنی بیوی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ اپنی ہی کمزوری اور اس عورت کے اثر کی وجہ سے یہ کر نہیں پاتا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اس کے بیٹے ہیری (Harry) کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے لا شعوری طور پر اپنی بیوی کو قتل کرنے کی خواہش کی ہے اور اس کو اس جہاز سے باہر دھکا دیتا ہے جس پر وہ سفر کر رہے ہیں۔ ہیری کو بہت سے سوال پوچھے جاتے ہیں اس کا خوف اور فکریا جاکتا ہے اور یہ بھی کہ اس گناہ کے احساس سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے جو اس کو محسوس کرنا چاہتے تھے اور جب وہ اپنے پرانے گھر میں واپس آتا ہے تب اسے اپنے ماضی کے اسرار کا پتہ چلتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنی زندگی خود گزارنے کے قائل ہو جاتا ہے۔

شاید ہیری تمام زندگی ایک خواب ہی تھی  
وہ خواب جو وہ سرے لوگ میرے اہلن سے دیکھتے تھے

یہ ہیری کے الفاظ ہیں جب وہ یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ اس کھیل (Play) میں ٹی ایس ایلیٹ جیسے ہوئے جذبات کے طاقتور اثرات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے جو اس پر اثر انداز ہوئے ہیں کیونکہ اس کے والدین خود اپنے جذبات اور تشدد کو گھننے اور بدوئے کار لانے میں ناکامیاب رہے تھے۔

سات برس تک میں نے اسے ساتھ رکھا  
 آئندہ کے لئے۔۔۔۔۔ وہ ایک مقررہ بھوت تھا  
 اس کے اپنے ہی گھر۔۔۔۔۔  
 اور وہ بیٹے کو اس باپ کے دسے اہل رہا تھا جو تیار نہیں تھا  
 میری کی بل اس کے باپ سے کہتی ہے :

اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ مجھے بیٹے نصیب ہو جاتے اور غلامی کی ضرورت نہ پڑتی، تو میں  
 اس سے جان چھڑا لیتی

اور میری کہتا ہے :

میرا خیال ہے کہ وہ چیزیں جنہیں گھر پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ان کے اثرات بچے پر  
 بہت گہرے مرتب ہوتے ہیں، ان چیزوں کی نسبت جو ان کو بتادی جاتی ہیں۔

اگر بچوں کی نشوونما عقلی بخش ہوتی ہے، تو پھر کسی شے کو اہمیت حاصل ہوگی؟ کیا  
 والدین کو چاہئے کہ وہ زندگی کو قبول کریں اور اس کو پوری<sup>۱۶۱</sup> طرح سمجھنے کی کوشش کریں اور اگر  
 کوئی ناآسودگی ہو جس کا ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، انہیں اپنے ساتھ اطمینان داری کا رویہ رکھتے ہوئے،  
 اسے قبول کرنا چاہئے۔ نقصان وہ شے وہ ہوتی ہے جو گہجی ہوئی ہو یا پھر چھپائی ہوئی ہو، جیسے المادی  
 کے اندر عقلی ہڈیوں کا ہونا اڑھانچہ۔۔۔۔۔ بہت نقصان وہ ہو سکتا ہے۔

جس طرح والدین کے لئے یہ فیصلہ کن ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی ہر ممکن طریقے سے بھرپور  
 گزاریں اور پھر اپنے بارے میں پوری پوری اکٹھی حاصل کرنے کے لئے کوشش کریں اور یہی بات  
 استلوں اور مظلوموں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ یہ رویہ اپنائیں۔ جب بچے سکول جاتے ہیں تو  
 سکول کے دورانیے میں ان کے استاد ان کے والدین کا بدل بن جاتے ہیں۔ طلباء اپنے استاد کی  
 طرف وہ جذبات منتقل کر دیتے ہیں جو وہ اپنے والدین کے لئے رکھتے ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ  
 استلوں کی شخصیت سے بھی خاصے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ باہمی رشتہ تعلیمی طریق کار سے کہیں زیادہ  
 اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اس رشتے میں کوئی خرابی یا رکاوٹ پیدا ہو جائے تو بچے کی تعلیمی زندگی میں  
 بڑا بچاؤ ال پڑی آ جاتی ہے اور اگر استاد صحیح معنوں میں معلم بننا چاہیں تاکہ وہ بچوں کو عقلی

بخش تعلیم دے سکیں، ان کا کام محض یہ نہ ہو کہ علم کے پورے لڑکوں اور لڑکیوں پر لاد دیں، تو وہ اس میں صرف اسی وقت کامیاب ہوں گے، اگر ان کی اپنی شخصیت بھرپور ہوگی۔ جتنا بھی چاہیں آپ وعظ کر لیں اور کہتے بھی اچھے طریقے سے کر لیں، اصول خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجے کے کیوں نہ ہوں، تکنیک خواہ کیسی ہی سمجھداری سے کیوں نہ بنائی گئی ہو، میکا کی ذرائع خواہ کتنے ہی جدید کیوں نہ استعمال کئے جائیں، یہ بھی کچھ کسی ایسی ترقی یافتہ شخصیت کا بدل نہیں ہیں، جو بچوں پر برا راست اثر انداز ہو سکتی ہے۔ استادوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بھرپور افراد (Whole Individuals) ہوں، یعنی ان کے اندر فرصت کا عنصر موجود ہو۔ ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ جب وہ اس پیشے میں داخل ہوتے ہیں تو وہ غاصے کم عمر ہوتے ہیں۔ مگر ان کو چاہئے کہ وہ جس قدر بھی نارمل رہ سکیں رہیں اور بچتے بھی زندگی سے محصور ہو سکیں ہوں، اور جہاں تک ممکن ہو اپنے بارے میں عمل کو وسعت دیتے چلے جائیں اور ان پر توجہ دینے کے دوران بچائے اس کے کہ وہ اپنے ہی کامپیکس طلباء پر تھوپتے رہیں۔ ایسا کرتے ہوئے وہ اپنی ہی توانائی ضائع کریں گے، اور وہ اپنے سے متاثر ہونے والی عمر کے طلباء کے مقاصد کو تروڑ مروڑ دیں گے۔

کسی بھی تشویش سے بھری ہوئی یا مڑی مڑی شخصیت عام طور پر صاف نظر آ جاتی ہے اور بچے ایسے اثرات کے خلاف رد عمل کا اظہار کر بھی سکتا ہے، اور کرنا بھی ہے لیکن جہاں تک کامپیکس کے ایک فرد سے دوسرے فرد تک منتقل ہونے کا تعلق ہے، اس کا طریقہ کیسے زیادہ دور رس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی غیر شاہی شدہ استہلاکی جو اپنے اپنی مس (Animus) کے ساتھ بہتر تعلقات استوار نہیں کر پاتی، ممکن ہے کہ وہ عقلی حصول پر اتنا زیادہ زور دے کہ وہ اپنی خاتون شاگردوں کے اندر محض اس لئے کٹری کا احساس پیدا کر دے کہ ان کے ہدف انسانی نوعیت کے ہیں، اور پھر ان کی باقی زندگی انجین ہو کر رہ جائے۔ سب مشکلات کے باوجود یہ واقعہ ان لڑکیوں کے ساتھ پیش نہیں آئے گا، بلکہ اپنی ناصیبت کی قدر و قیمت کو اچھی طرح جانگتی ہیں مگر اس وقت جب بچے کے اپنی ماں کے ساتھ تعلقات بچپن کے آغاز میں تسلی بخش نہ رہے ہوں تو کچھ مشکلات پیدا ہونے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔

اس وقت بھی استہلا کے کامپیکسوں کا اندازہ اچھی طرح ہو جاتا ہے جب وہ ڈسپلن (Discipline) کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل دیتا ہے۔ وہ بچکانہ قسم کا استہلا جو اس قابل

نہیں ہوتا کہ وہ شاگردوں کو ڈسپلن سکھائے، یہ دلیل دیتا ہے کہ اصولی طور پر یہ اہم مسئلہ نہیں ہے اور دوسرے اساتذہ قوت کی خواہش کو بروئے کار لاتے ہیں اور چونکہ وہ اپنی مماثلت ایک ایسی شبیہ کے ساتھ بنائے ہوئے ہوتے ہیں جو بہت زیادہ قوت اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ امکانات پر سختی سے عمل کروایا جائے اور غلطی کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے۔ یہ لوگ محض دلائل تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ اپنے خیالات کو عملی جامہ بھی پہناتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ ایسا کرنا کس حد تک مناسب ہے مگر اس کے نتائج بہت زیادہ الموسحاک نکلتے ہیں۔ یہی اضافہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے اساتذہ موجود ہیں جو یہی تمام کام کھلے دل کے ساتھ کرنے میں آسانی سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

والدین اور اساتذہ چونکہ آئندہ نسلوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کا رویہ اپنے حیطے میں اور زندگی کے حیطے میں صحت مندانہ ہو۔ یہ اضافہ شاید ضروری ہو کہ تمام سیاست دان جن کے دلوں میں لوگوں کے لئے لگن موجود ہو، وہ قانون بنا کر یا کوئی حکمت عملی اختیار کر کے کسی بڑی غلطی کے امکان کو بڑھاتے نہیں ہیں، اگر وہ اپنے ذاتی اوصاف کو بھی سمجھتے ہوں اور انسانی فطرت کے ہارے میں بھی جانتے ہوں، آج کل تو اس طرح کا علم عام طور پر عقلی انداز ہی میں استحصال ہوتا ہے۔ یعنی ہر صورت حل کا استعمال کیا جاتا ہے اور مثبت رویے اختیار نہیں کئے جاتے۔

لہذا یہی وہ سوچ ہے جو ڈونگ کو یہ تجویز کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ بڑوں کو بھی تعلیم کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ بچوں کو ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ تعلیم ذرا مختلف نوعیت کی ہوگی۔ یہ وہ تعلیم نہیں ہوگی جو سکول میں دیا کرتے ہیں۔ اس کے ذہن میں مختلف بات ہے۔ ڈونگ کہتا ہے۔

ہم لوگوں کو محض وہی تک تعلیم دیتے ہیں کہ وہ اپنی روٹی کمانے کے قابل ہو جائیں اور پھر شادی دہا سکیں، اس کے بعد تعلیم محض طور پر ختم کر دی جاتی ہے گویا کہ تمام ذہنی قربت کا عمل اپنی تحصیل کو پہنچ گیا ہے۔ زندگی کے ہائی پیچیدہ مسائل کا حل لوگوں کو خود تلاش کرنا ہوتا ہے، حالانکہ لوگ اس حیطے میں کوئی علم نہیں رکھتے، ہیشار غلط شبوہیں ہو جاتی ہیں اور بہت سے پیشہ ورانہ غلط فیصلے وجود میں آ جاتے ہیں اور یہ سب

کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں باتوں کی تعلیم کا کوئی رواج ہی نہیں ہے  
بہت زیادہ تعداد میں عورتیں اور مرد اپنی ساری ساری زندگی ایسے حالات میں گزار  
دیتے ہیں جب انہیں اہم چیزوں کے بارے میں کوئی علم سرے سے ہوتا ہی نہیں۔

ہم یہ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح بیویاں ہیں اور دروں بین ایک دوسرے کو  
سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور زندگی کے بارے میں مختلف رویوں کے باعث رشتوں میں کس  
طرح الجھاو پیدا ہونا چلا جاتا ہے۔ یہ بات صاف ہے اگر ان بنیادی باتوں کے بارے میں کچھ علم  
فراہم کر دیا جائے تو وہ مددگار ہو سکتا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کو جو دروں ہیں ہوتے ہیں جو  
عام طور پر بیویاں بیویوں کی عام مقبولیت کے باعث احساس کمتری کا شکار ہو سکتے ہیں یا ان پر یہ  
اہرام عائد کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگوں سے ملنے چلتے نہیں ہیں یا خود سر ہیں اور انہیں کبھی کبھی  
غیر حقیقت پسند بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ لوگوں سے الگ تھلک رہتا  
چاہئیں۔ دروں بیویوں کو ایسے چٹے تلاش کرنے چاہئیں جو ان کو ان کے قدرتی رویوں سے باہر کی  
طرف نہ کھینچتے ہوں، جہاں خود و خوض کرنا زیادہ اہم ہو، بجائے اس کے انہیں جلدی جلدی  
بعض فیصلے کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس کے برعکس بیویاں بین کو ایسی صورت حال میں  
نہیں پڑنا چاہئے، جو عملی کی صورت حال ہو اور ایسا کام جو انہیں تنہا ہی کرنا پڑے۔ اس کے  
بدیہی ہونے کے باوجود اور اس امکان کے باوجود کہ کچھ لوگوں کو یہ علم عام طور پر ہوتا ہے، یہ  
حیرت انگیز ہے کہ وہ کس طرح اس طرح کے غلط فیصلے کر بیٹھتے ہیں اور ایسی روایتوں میں الجھ  
جاتے ہیں، جو ان کے لئے کسی طرح بھی خوشگوار نہیں ہوتیں۔ ممکن ہے کہ شوہر اور بیوی  
قوت برداشت کے حامل ہو جائیں اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اصل صورت حال کیا ہے،  
خاص طور پر اس وقت جب ان کے جیون ساتھی کا رویہ ان کے رویے سے مختلف نظر آتا ہو۔

خاص طور پر انتہا اور اپنی مس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ذاتی رشتوں میں  
بہت زیادہ مددگار ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب کوئی مرد کسی عورت کے بارے میں خاص  
طرح کے مفروضے بناتا ہے یا عورت مرد کے بارے میں سوچتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ  
انتہا اور اپنی مس کو دوسری شخصیت پر منعکس کیا جا رہا ہے۔ اگر مفروضہ ایسا ہے کہ جس نے  
دوسرے کی شخصیت کو بڑھا چڑھا دیا ہے، تو اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ کسی اور کو اس پر

اعتراض ہو (صرف دوستوں کو بسا اوقات اعتراض ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے اس خاتون کے اندر کیا نظر آتا ہے) لیکن جب حالات بگڑ جائیں اور کردار عقلی تک بات جا پہنچے تو جس شخص کے بارے میں غلط فہمی پھیلانی لگی ہو وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ بے شمار لڑائیاں جو خاندانوں اور بیویوں کے درمیان آئے دن ہوتی رہتی ہیں، اسی طرح کی بنیاد رکھتی ہیں۔ مرد کے اندر اس کی انتہا کی وجہ سے جو غصہ اور مرنے مارنے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی کوئی عقلی بنیاد نہیں ہوتی۔ وہ ایک ایسی عورت سے بری طرح الجھ رہا ہوتا ہے، جو اس کی صورت حال کو سرے سے سمجھتی ہی نہیں۔ کچھ کہ تو جبلی طور پر یہ اعزاز ہو جاتا ہے کہ اس طرح کی جذباتی صورت حال کو نظر انداز کرنا چاہئے، ان کو یہ بھی اعزاز ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی چیز کی وجہ سے نہیں ہے، جو انہوں نے کی ہو یا کئی ہو، کچھ خاتمن اپنے اپنی مس کی وجہ سے پریشانی میں گرفتار ہوتی ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ ان سے متعلق مرد بلاخود ان کو تنگ کر رہا ہے۔ جلد ہی طعنہ زنی کا آغاز ہو جاتا ہے دونوں اپنے لاشعور کے اسیر ہو جاتے ہیں اور پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی آدمی یہ اعزاز نہ کر سکے کہ اس کے اندر بھی ایک عورت انتہا کی شکل میں موجود ہے، تو وہ اسے ان عورتوں پر متعکس کرتا چلا جائے گا جو اسے دھننا تو دھننا ملیں گی، خاص طور پر ایک مرد جس کا احساس رخ زیادہ ترقی یافتہ نہ ہو اور اسے آسانی سے اکسایا جاسکتا ہو، بعض اوقات تو حالات بھی ایسے ہوتے ہیں جو اسے اکسانے والے کی گود میں پیسٹک دیتے ہیں، اور اگر واقعی وہ اس کی گرفت میں آجائے تو پھر وہ ہر شے کو جس جس کر سکتا ہے اور اس عالم میں وہ اپنے مستقبل کو بھی داؤ پر لگانے سے دریغ نہیں کرتا۔ بہت سی فلمیں اسی خیال پر استوار کی گئی ہیں، بے شمار ناول لکھے گئے ہیں کہ کس طرح یہ عنصر زندگی میں کار فرما ہوتا ہے۔ شاید یہ تو ممکن نہیں ہے کہ انتہا کی انکاسی کار فرمائی باری طرح ختم کر دی جائے۔ یہ کئی لحاظ سے انسان کے لئے ایک قابلِ قدر شے بھی ہے۔ زندگی کی کئی جتوں کا اعزاز اسے اسی کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر اسے یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون سی ایسی شے ہے، جو اس کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ تاکہ وہ اس تجربے کو اپنی نشوونما کے لئے استعمال کر سکے، اور محض اس پر ایک شے کو جہاد نہ کر بیٹھے جو اس نے زندگی بھر کی محنت سے پٹائی ہے۔ مردوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ عورت کی قدر و قیمت کو کم کر دیتے ہیں اور اس حد تک کر دیتے ہیں کہ اس کے لئے

صورت حال کو قبول کرنا ناممکن ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ نہیں پاتی کہ یہ شخصیت کا کونسا عنصر ہے۔ بہر حال یہ تو انی طرح ممکن ہو گا کہ وہ شخصیت کے اس رخ کو ترقی دیں تاکہ وہ انسانی طور پر انیما کے اثرات کے اس تغزبی پہلو سے محفوظ رہ سکیں، عورتیں اس کے برعکس، یہ رجحان رکھتی ہیں کہ وہ اپنے مردانہ خواص کی اہمیت کو بڑھا چڑھا دیں کیونکہ ایسا کرنا ان کے لئے اکثر اوقات فخر و افتخار کی بات ہوتی ہے۔ لہذا وہ اسے بڑھا دیتی ہیں اور ایسی منظر (Woman Masculin) بن جاتی ہیں۔ یہ وہ عورتیں ہوتی ہیں جن میں عورت کی بجائے ان کا اپنی مس حکومت کرتا ہے۔ حالانکہ عورتوں کو اپنی شخصیت کے اس حصے کا استعمال نہایت گواہاگر کرنے کے لئے کرنا چاہئے۔

اگر اپنی مس عورت پر مسلط ہو جائے، تو عورت بیش غیر عقل کنٹرول کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اس کا رویہ تشددانہ ہو جاتا ہے اور وہ ضدی اور اڑیل ہو جاتی ہے۔ عورتوں کی تحریکیں جن کے پیچھے بیش اپنی مس کی قوت ہوتی ہے، عورت کی لاشعوری خصلت کی فہمی کرتی ہیں اور اکثر اوقات نہایت کے خواص کو گمراہ دیتی ہیں یا فراموش کر دیتی ہیں حالانکہ وہ ویسے ہی قدر و قیمت والے خواص میں، جو صحت مند زندگی کو متوازن رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔

شعوری زندگی میں انیما اور اپنی مس کا مربوط ہونا۔ یہ اگرچہ دو الگ الگ آرکی ٹائپ ہیں مگر ان کو مربوط کر لینا ممکن ہے، اور اس طریقے سے مرد اور عورت کے رشتے میں نئے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے خلائی بن کر رہ جائیں وہ برابر کے رفیق بن سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے دونوں کو ہی کوشش کرنی پڑے گی، ایسا تو ممکن نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایک بھی اپنے کردار سے چٹا رہے، اگر ایسا ہو تو ممکن ہے زندگی سکون سے گزر جائے مگر یہ خطرہ بہر حال درپیش رہے گا کہ لاشعور کسی وقت بھی اس سکون کو جس جس کر دے، اب اس بات کی ضرورت ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے قربانی دیں اور اپنے مخصوص حصے میں دوسرے کو بھی شریک بنائیں، ایسے کرتے ہوئے وہ یقیناً پریشان کر دینے والے لاشعور کی پلکار سے محفوظ رہ جائیں گے، کم از کم اتنا تو ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کو بہتر طور پر جان پہچان لیں گے۔ شخصیت میں اس طرح کی ترقی مرد اور عورت کے تعلقات میں نئے امکانات کو دور کر دیتی ہے، اور شادی میں ایسی رفائیت پیدا ہوتی ہے جو محض جسمانی تقاضوں

تک محدود نہیں رہ جاتی وہ جنسی تعلقات کی تحفہ کی آگے بھی کچھ دیکھ سکتی ہے اور بچوں کی دیکھ بھال زیادہ صحت مندانہ طریقے سے ہو سکتی ہے۔ اس کے شاہد بھی موجود ہیں کہ یہ رویہ اب معاشرے میں پھیلنے پھولنے لگا ہے، کئی طریقوں سے مرد و عورت کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ یہ بات میں برس پہلے بھی سنی ہی نہیں مگنی تھی، اور یہ بھی کوئی عام بات نہیں تھی کہ عورت گھر کے باہر کے معاملات میں دلچسپی لے اور گھر سے باہر کوئی کام ہاتھ دگی سے کرنے لگ سکتے جائے۔ یہ ترقی، ہر حال ضرورت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اس میں اس شے کا دخل بہت کم ہوتا ہے کہ شخصیت کی توسیع کی شعوری کوشش کی جائے، یہ سچ ہے کہ خواتین کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے مردانہ رخ کو ترقی دیں مگر ایسا کرتے ہوئے وہ اپنی نسائیت کو لا شعور کے اندر دھیرے میں دھکیل دیتی ہیں، لہذا اس عمل کی وجہ سے وسعت پذیری تو نہیں ہو پاتی البتہ چیزیں الٹی ضرور ہو جاتی ہیں۔ چونکہ مردوں اور عورتوں کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کر کیا رہے ہیں لہذا برائیں قدی کے ساتھ ایک بے چینی سی ہی لگی رہتی ہے اور وہ معاشرے کے ساتھ جمل نہیں پاتے۔

بد قسمتی سے اس دہدھا (Dilemma) کا کوئی آسان حل موجود نہیں ہے، وہ طبع جو ہمارے علم اور آگاہی میں پیدا ہو جاتی ہے، اسے چند پتھروں میں شریک ہونے سے بچا نہیں جاسکتا اور نہ ہی ان کا حل نفسیات کی کتابیں پڑھنے سے نکلتا ہے۔ بلکہ ڈرایا بھی ہوتا کہ خود علم ہی رکاوٹ نہ بن جائے اور پھر علم کو تجربے کے خلاف مداخلت کے طور پر استعمال کیا جائے اور یہ مشکلات کا سامنا نہ کرنے کا دوسرا ایک ہوا زمین کر رہ جائے اور اگر اسے آگے چلا جائے تو یہ شخصیت کی ترقی میں مشکلات بھی پیدا کر سکتا ہے یا پھر اسے قومی روپے کا جواز فراہم کرنے کے کام میں لگا دیا جائے۔ آپ کئی بار ایسے لوگوں سے ملے ہوں گے جو نفسیات کا علم پڑھنے کے بعد اپنی تمام باتکامیوں کی وجہ سمجھنے کے ان حالات کو بناتے ہیں، جو مثالی نہیں تھے۔ اگر وہ اپنے کو د نظر نہ ہوتے تو وہ یہ دیکھ سکتے تھے کہ سمجھنے کے یہ مشکل حالات فرد کے طور پر ان کے ارتقاء میں بھی ممدو معاون ثابت ہو سکتے تھے اور ان سے بہتر آغاز کیا جاسکتا تھا مگر یہی تو سارے کا سارا انحصار ہی والدین پر کر لیا گیا ہے۔ اگر کوئی مثبت محبت ہی ان کو مل جاتی تو ان کا یہ چہ کرنے والا اثر ختم ہو سکتا تھا۔ ایسے بے شمار مشہور لوگوں کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جنہوں نے دکھ سے بھرے ہوئے سمجھنے پر فتح حاصل کی اور یہی رویہ زندگی بھر ان کے کام آیا اور انہوں نے



اس خراب زمانے کو آئندہ کامیابیوں کی بنیاد بنالیا۔ مشہور ماہر تعلیم فورے بل (Forebel) کی سوانح اس کی ایک روشن مثال ہے۔

ڈونگ ایک ایسے چڑھے لکھے نوجوان کی کہانی سناتا ہے جو نفسیات کا علم کچھ نہ کچھ جانتا ضرور تھا مگر اس کا اظہار وہ عجیب و غریب طریقے سے کرتا تھا۔ وہ جب ڈونگ کے پاس آیا تو اپنے مسائل کے بارے میں ایک نکتہ نظر پہلے سے بنا چکا تھا۔ اس نے اپنے کیس کو بیان کرتے وقت کہا کہ ”نیورس کی ساخت اور معانی یہ ہیں“ مگر ایسا کیوں ہے، کیا آپ مجھ کو بتا سکتے ہیں، اگرچہ میں اس معاملے کو خود بھی پوری طرح سمجھتا ہوں مگر میری علامات پھر بھی مجھ کی توں ہیں! میں صحت یاب کیوں نہیں ہو جاتا!

نوجوان کے ساتھ مکالمے میں یہ نکلا کہ اگرچہ اس کے پاس کوئی خاص رقم نہیں تھی مگر اس کے باوجود وہ اپنی سردیاں سینٹ مورٹز (St. Moritz) کے جنوب میں گزرتا تھا۔ ”ڈونگ نے پوچھا یہ کس طرح ممکن ہے۔ معلوم ہوا کہ کوئی اس کی خاتون دوست جو کسی سکول میں پڑھاتی تھی، وہ اس کی تعطیلات کا خرچہ برداشت کرتی تھی مگر جب ڈونگ نے اسے یہ بتایا کہ ایسا کرنا مناسب ہے، اس پر وہ خاموش ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہم نے اس پر کئی بار ہمت کی ہے اور ہم بیٹھ اسی نتیجہ پر پہنچے کہ اس خاتون کے خرچ پر ہمیں ضرور گزارنی چاہئیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس خاتون کے محبت بھرے نگاہ کا استحصال کر رہا ہے اور بچکانہ اور انایت سے بھرپور رویہ اس کے نہ ختم ہونے والے نیورس کا ایک بنیادی عنصر ہے، لوگ عام طور پر ان کمزوریوں کو قبول کر لیتے ہیں جن پر وہ کوئی نفسیاتی تحلیل چسپاں کر سکیں اور پھر وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس مسئلے میں جو کچھ کرنا ضروری تھا انہوں نے کر لیا ہے اور یوں وہ اپنے ہی شیڈو کے وجود سے بے بس ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی نے بہت سی نفسیات بھی پڑھ لی ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی شخصیت اس سے ذرا بھر بھی متاثر ہوئی ہو، اکثر اوقات یہ ضروری ہوتا ہے کہ کسی ماہر تحلیل کی مدد حاصل کی جائے تاکہ یہ علم عمل کی صورت اختیار کر سکے۔

تحلیل، بطور ایک تعلیم کے بارڈل انسانوں پر منطبق کی جاسکتی ہے اور پھر یہ امید کرنی چاہئے کہ اس کا اثر آہستہ آہستہ ہو گا اور وہ بھی چند ہی افراد کے حلقے میں۔ ڈونگ بطور طیبست سے افراد کا علاج کر چکا ہے، یہاں فرد کا لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے، وہ اس حلقے

میں کہتا ہے:

ہمارے تمام آغاز خاصی خاموشی کے ساتھ ہوتے ہیں، لہذا اگر ہمیں خاصی صحت کرنی پڑے اور ایسے لوگوں کے ساتھ کام کرنا پڑے، جو جانے پہچانے لوگ نہیں ہیں، خواہ یہ محسوس ہو کہ ہماری منزل کو سوس دور ہی نہیں، بلکہ ناممکن بھی نظر آتی ہے، کم از کم ایک ہدف تو ہم حاصل کر ہی سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنی شخصیت کو زیادہ ہلکتے اور منفرد شخصیت بنالیں۔

حقیقی علوم کو رد کر دینا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی ان کو بے فائدہ کہا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ بھی لوگوں کے لئے تحریک کا سبب بنتے ہیں اور ان کی مدد سے بھی دور تک اور گہرائی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ تو ہو جاتا ہے کہ عام طور پر مشکل کھلی پیدا ہوتی ہے اور کس مقام سے آگے بڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ علم لوگوں کو ان چیزوں پر دوبارہ غور کرنے کے لئے اکساتا ہے جن کے بارے میں ہمارا خیال ہوتا ہے کہ کبھی کبھ جانتے ہیں، مگر ہم ان کے بارے میں سوال اٹھاتے ہیں۔ اس سے انسان کی قدر و قیمت میں فرق پڑسکتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو سکتا ہے کہ قوت عقیدہ صرف شاعروں یا آرمسٹوں تک محدود نہیں ہے۔ تحلیل کی خاص بات یہ ہے کہ وہ لاشعور کو ایسی قوت کے طور پر پیش کرتی ہے جسے پہچانا ضروری ہے اور ایسے حالات میں اس کا اظہار بھی ہونا چاہئے جب حالات ہمارے قابو سے باہر ہونے کا امکان نہ ہو، اور لیٹیو کے لئے نئے نئے راستے بھی تلاش کرنے چاہیں، خصوصاً اس وقت جب پہلے راستے بند ہو چکے ہوں (اس کا دلچسپ موازنہ دل کی مرض انجانیت سے کیا جاسکتا ہے جس میں بالی پاس اس لئے اباتے جاتے ہیں کہ خون کی گردش میں رکاوٹ کو دور کیا جاسکے) اس کے علاوہ یہ ان گہرے سرچشموں تک بھی جاتی ہے جنہیں مذہب کا نام دیا جاتا ہے۔

ادنیٰ لاشعور کا کچھ عمل اور تجربہ بے حد ضروری ہے۔ اگر ہمیں ان کی تقسیم واقعی کرنی ہو تو کیونکہ یہ ایسی قوتیں ہیں جنہوں نے اس جدید اور مذہب زمانے میں کئی مردوں اور عورتوں کو وحشی اور قسود دوسے اہلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ قومیں مختلف افراد سے مل کر بنتی ہیں جن میں مرد اور عورتیں دونوں ہی شامل ہوتے ہیں اور فرد کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح فٹ ٹیپ کے اندر بچے کو بعض قوتیں حرکت دیتی رہتی ہیں۔ اسی طرح

عوام کے نفسی امراض کا منبع انفرادی نفسیات کے اندر ہوتا ہے۔ مگر جب بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور اجتماع تشکیل دیتے ہیں تو کسی فرد کی خصوصی حیثیت کے خواص کسی شمار نظام میں نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس سے امتیازات پیدا ہوتے ہیں، بجائے میں خود نہیں ملتی۔ یہاں تو وہ چیزیں کام میں آتی ہیں جو سب میں مشترک ہیں یعنی جب ایک ہی طرح کے آرکی چمپ بہت سے لوگوں میں جاگ اٹھے تو وہ ان سب کو جمع کر لیتا ہے۔ جیسے محتاطیوں کو بے کو کچا کرنا ہے اور پھر ان کو مجبور کرنا ہے کہ وہ غیر عقلی طریقے سے صورت حال میں کار فرما ہوں، اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ آپ جس گروہ کے رکن ہیں اس میں شامل بھی ارکان اپنے ہی تحفظ کے لئے حالات سے مطابقت پیدا کریں۔ تاکہ فرق کم ہو جائیں اور مشترکہ خواص کی افزائش ہو سکے، چنانچہ گروہ جس قدر بڑا ہوگا اتنا ہی احمق ہونے کے امکانات زیادہ ہوں گے اگر کوئی ایسا گروہ ہو جس میں بھی لوگ اعلیٰ ذہانت کے ہوں مگر جب وہ گروہ بیش کے قوانین کی اوسط ذہانت اجتماعی اوسط سے کہیں کم ہو جائے گی۔ ایک بار ڈونگ نے طنزیہ طور پر کہا تھا کہ سو ذہین دماغ جب اکٹھے ہوں گے تو وہ سب ایک ہو کر استعنائے دماغ (Hydrocephalus) کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۱۹۳۸ء میں اس نے لکھا:

عظیم عقلمیوں کے لئے ہماری دھبہ الٹنی فوراً زوال پذیر ہوتی شروع ہو جائے، اگر ہم کو یہ آگاہی حاصل ہو جائے کہ گروہ کا دوسرا رخ کیا ہے، یعنی اس قدیم اور کثرت انسان کے کئے ہوں کاموں کے بڑے بڑے ذمہ دار بار بار کی ہوتی ایک ہی باتیں اور اس کی انفرادیت کی ناگزیر تازہ پھر ڈابھو ہلا کر ایک خرد شاک ہے ترتیبی بن جاتی ہے۔ یہ شے ہر عقلم کے دائیں اور بائیں طرف موجود ہوتی ہے۔ آج کا انسان جو آج کے اجتماعی اخلاقی آئینہ دل سے کم و بیش مطابقت رکھتا ہے۔ اس نے اپنے دل میں قتل و غارت کے لئے جگہ پیدا کر رکھی ہے۔ یہ بات اس کے اجتماعی لاشعور کے تجربے کے بعد ثابت کرنی مشکل نہیں ہے، اگرچہ وہ ان عوامل کی موجودگی سے بالکل پریشان نہیں ہوتا۔ اگر اب تک وہ نارمل طریقے سے اپنے ارد گرد سے رابطہ رکھے ہوئے ہے تو اس کے گروہ کو کہیں بھی بڑی بدنامی نہیں مل جاتی، اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے

کا اور یہ اتنی دیر تک اسی طرح قائم رہے گی جب تک اس کے ساتھیوں کی زیادہ تعداد پوری طرح اس بات میں یقین رکھے گی کہ ان کے معاشرتی ادارے اخلاقی لحاظ سے قائم و دائم ہیں۔

یہ بہت سخت الفاظ ہیں مگر اس کے بعد جو واقعات رونما ہوتے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ ڈونگ اس معاملے میں کسی قدر افسوسناک طور پر حق پر ہے۔

پچھلے ایک سو برس میں جو اخلاقی سائنس نے نشوونما پائی ہے۔ انسان نے مادی طور پر بے حد ترقی کی ہے، مگر وہ مٹی میں اپنی جڑوں سے دور ہوتا چلا گیا ہے۔ درخت جس قدر بلند ہوں اسی قدر اس کی جڑیں بھی مٹی میں ہونی چاہیں مگر جدید انسان کا قدرت کے ساتھ رشتہ بے حد کمزور پڑ گیا ہے، لہذا وہ خطرناک طور پر حیران ہو گیا ہے، اور وہ ہر طرف ان کا نشانہ بننے کے خطرے میں ہے، اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ ہمارے معاشرتی ادارے اپنے قوانین رکھتے ہیں۔ خواہ وہ کھسے ہوئے ہوں یا نہ کھسے ہوئے ہوں۔ اس کا نظام تعلیم لاشعوری جلی فطرت کو دبانے کے لئے کام کرتا ہے اور اپنے ساتھ متعلق لوگوں کو بظاہر مذہب بتا رہا ہے، جبکہ اس کے اندر کا قدیم وحشی انسان ویسے کا ویسا غیر تربیت یافتہ رہ جاتا ہے اور پابندوں کے پیچھے رہا ہوا محسوس کرتا ہے، اور چونکہ اسے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ اندر سے کس قدر کنگلی کا مظہر ہے، وہ ایک ایسے شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس نے اپنے لباس کی جیبوں میں ڈاکا ماریٹ چھپا رکھے ہوں، مگر دیکھنے والے کو سگرنوں کی طرح غیر نقصان دہ لگتے ہیں۔ جس چیز کی بھی وجہ سے یہ اعلان کمزور پڑے گا اس کے اندر سے تشدد کا لہر پھوٹ پڑے گا یا پھر اس کا سارا کردار الجھا ہوا اور بے ترتیب ہو جائے گا، یہ اصل میں لاشعور کا احتجاج ہے۔ تاکہ خواہ مخواہ مذہب اور شعوری رویے کی کچھ غلطی ہو سکے۔

جب زندگی میں ترتیب ہو اور نظم ہو تو لاشعور اپنا اظہار بے ترتیبی سے کرتا ہے، جب وقت کا قانون ہی بے ترتیبی ہو جیسا کہ جنگ کے فوراً بعد عام طور پر ہوتا ہے اور اس سے کہیں زیادہ یہ انقلاب کے دنوں میں ہوتا ہے تو پھر لاشعور کو شش کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطی ترتیب کی علامات پیدا کر کے اور لوگ یہ خواہش کتنی شروع کر دیتے ہیں حالات پر سکون ہوں اور ان کے اندر پھر سے نظم و ضبط آ جائے۔ بھائے اس کے کہ یہ اندازہ کیا جائے کہ اس

کی لاشعور خواہشات پہلے فرد کی اپنی زندگی میں اپنا اظہار کریں، وہ انہیں حکومت پر منعکس کرتا ہے یا بھرپور لوگوں پر جنہوں نے بہتر حالات کا وعدہ کیا ہوتا ہے، وہ یہ سوچنے کی تکلیف گوارا ہی نہیں کرتا کہ اس کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ وہ ایک استیلا سے دوسری استیلا تک لڑھکتا پھرتا ہے، اس کے محرک اور اس کے مالک لاشعور کے آثار کی ٹائپ ہوتے ہیں۔

لاشعور کی عقلی کرنے کی کوشش، کسی بھی فرد میں، اگر شعور کے ساتھ مربوط نہ ہو، تو اس کا لازمی نتیجہ غورس ہوتا ہے، کبھی کبھی سائی کوکس (Psychosis) بھی ہو سکتا ہے، اور اس کا اطلاق اجتماعیت پر بھی ہوگا۔ چنانچہ اس بات کا احتمال شعوری رویے کی اس طرح کی عقلی کی کوشش ممکن ہو سکے، مگر اس میں یا تو کسی شے کی کئی واقع ہو جانے کی یا پھر زیادتی، کیونکہ کوئی نفس والا شعوری رویہ ہی لاشعور کی اس قسم کی کوشش کے خلاف مزاحمت کر سکتا ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ لاتعداد چیزیں غلط ہوں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ اس سلسلے میں آرا بھی تقسیم شدہ ہوں گی، صحیح رویہ کیا ہے اس کا پتہ تو خاصی دیر کے بعد چلے گا، ہم اپنے شعوری رویے کے شخص کا اس وقت اندازہ کر سکتے ہیں جب ہم یہ دیکھ لیں کہ اس کی وجہ سے لاشعور کے اندر کونسا رد عمل برپا ہو رہا ہے۔

عظیم کی اس خواہش میں اور جہاں کی صورت حال کو برداشت کرنے میں مشکلات کو، جو لوگوں کو مجبور کر دیتا ہیں کہ وہ حکومتوں کا آمرانہ رویہ برداشت کریں اور اس کا نتیجہ لوگوں کی غلامی کی صورت میں نکلا ہے اور فرد محض کسی مشین کا پرزہ بن کر رہ جاتا ہے، اس کے برعکس ڈونگ کہتا ہے:

صحیح بصورت اعلیٰ درجے کا نفسیاتی ادارہ ہوتی ہے، جو عیش فطرت انسانی کو، جیسی کہ وہ ہے، نظر رکھتا ہے، لہذا وہ اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ اس کے قوی عوامل کے اندر تصادم کی اجازت برقرار رکھی جائے۔

دوسرے لفظوں میں نہ تو مکمل انارکی (Anarchy) اور بے ترتیبی اور نہ مکمل عظیم ہی ممکن ہیں، اور فطرت انسانی اسی قسم کی واقع ہوتی ہے۔ واحد نسبت مندانہ حالت وہ

ہے جس میں تھوڑی بہت اختلاف رائے اور بے ترتیبی کی گنجائش رکھی گئی ہو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کچھ ترتیب اور تنظیم بھی موجود ہو۔

انفرادی شعور کی ترقی اور ذاتی لاشعور سے اس کی بچھتی ایک طرح کا تعلق ہے جو آدمی جپ کے تسلط سے آزادی دلاتا ہے، لہذا وہ خطرناک عوامی تحریک میں فراہم ہوتا ہے، ہر چیز کی طرح آدمی جپ بھی لاشعوری طور پر دو چہرے رکھتا ہے: جس کے باعث وہ مکمل طور پر متعلقہ اثرات پیدا کر سکتا ہے۔ وہ شر بھی ہو سکتے ہیں اور خیر بھی، تعمیری بھی تخریبی بھی، جو رویہ وہ اختیار کرے گا اس کا تعلق اس رویے سے ہو گا جو شعوری طور پر اختیار کیا گیا ہے اور اس کے اثرات فرد کی ان صلاحیتوں پر مرتب ہوں گے، جو تنہا اور اخلاقی پرکھ سے متعلق ہیں۔

چنانچہ لاشعوری مواد کے ساتھ بچھتی پیدا کرنا ایک انفرادی مسلکی فعل ہے، جس سے تنظیم بھی حاصل ہوتی ہے اور اخلاقی قدر دانی بھی ہوتی ہے۔ یہ بہت ہی دشوار کاموں میں سے ایک کام ہے اور اس کے لئے اعلیٰ درجے کی اخلاقی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سلسلے میں مکمل چند ہی افراد ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں یہ توقع ہاندھی جائے کہ وہ یہ کام سرانجام دے سکیں، ایسے لوگ سیاسی تو نہیں البتہ اخلاقی رہنما ضرور ہوتے ہیں اور انسانیت ان کے عقب قدم پر چلتی ہے۔ تہذیب کا قائم ہو جانا اور تہذیب کا ترقی کرنا ان لوگوں پر منحصر ہوتا ہے۔

لیکن اگر چند افراد بھی ایسے ہوں جو اس سمت میں پیش قدمی کر سکیں، دوسروں کو اس سلسلے میں کم از کم کوشش تو کرنی ہی چاہئے۔ حقیقت میں بات صاف ہے کہ ہر کوئی خواہ صرف اپنے ہی تحفظ کے لئے اتنی جدوجہد تو بہر حال کرے کہ وہ اپنے لاشعور کو مان بھی لے اور جان بھی لے۔

## حواشی

۱۔ ”بہر حال زندگی سے کیا مراد ہے۔ یہ تجربہ سے مراد کرنا نہیں بلکہ تجربہ کو قبول کرنا ہے۔ مثال کے طور پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اس بنیاد پر شادی کو اٹھا میں ڈالتے ہیں کہ وہ ایسا کرنے کی اہم

ضمیں رکھتے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اس قاتل ہو چکے ہوتے ہیں یا وہ یہ سوچتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچیں گے۔"

بھراؤ زندگی سے کیا مراد ہے؟ یہ تجربے سے گریز کرنا نہیں بلکہ تجربے کو قبول کرنا ہے۔۔۔۔۔ مثال کے طور پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اس دنیا پر شک کی کو انہوں میں ڈالتے ہیں کہ وہ ایسا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ اس قاتل ہو چکے ہوتے ہیں یا وہ یہ سوچتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچیں گے۔

معاشرے میں بیٹھ ہی ایک ایسا گوشہ موجود رہا ہے، جہاں عورتوں کے گھر کے علاوہ کرنے والا کام ہاتھ نہیں تھا بلکہ آبجلی تھا۔ جو عورتیں کام کرتی تھیں، وہ خصوصی دائرہ تھا معاشرے کا عمومی دور یہ نہیں تھا۔

## آٹھواں باب

### تحلیلِ نفسی کا ولی عہد

استاد اور شاگرد کا ادارہ ہمیشہ سے ایک جذباتی بیجان کا شکار رہا ہے۔ اس میں بھی وہی ہی جذباتی دو کوئٹ (Ambivalence) پائی جاتی ہے، جیسی کہ باپ اور بیٹے کے رشتے میں موجود ہے۔ استاد ہر صورت میں اپنی اتھارٹی کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور شاگرد اسے ریڑھ ریڑھ کرنے کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتا ہے۔ سوائے سقراط اور افلاطون کے، شہت تعلق کی شاید کوئی اور ایسی مثال نہ ڈھونڈی جاسکے، جنہاں شاگرد مکمل طور پر استاد کا فریضہ بردار رہا ہو۔۔۔ مگر شاید یہ تاثر درست نہیں ہے۔ سقراط تو ویسے ہی تحریری شواہد کا قائل نہیں تھا۔۔۔ مگر افلاطون نے اس کے بارے میں، بلکہ خود اسی کو مرکزی کردار بنا کر جو مکالمے لکھے تھے، وہ انسانی علم اور ادب کی بنیادی دستاویز ہیں۔ اگر افلاطون سقراط کی ہدایت پر عمل کرتا اور لکھنے کی طرف راغب نہ ہوتا تو ساری دنیا ایک عظیم آغاز سے محروم ہو جاتی۔

پھر اس بات کی کیا حقیقت ہے کہ جو کچھ افلاطون نے سقراط کے کردار کی زبان سے ادا کیا وہ واقعی سقراط نے کہا بھی تھا۔ یہ خیال عام ہے کہ افلاطون نے اکثر مکالمات میں اپنے افکار و خیالات سقراط کے ذریعے بیان کئے تھے اور ایسا کرتے ہوئے وہ سقراط کی حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ سقراط کے سپاہی شاگرد نے جو یادداشتیں چھوڑی ہیں، ان میں سقراط بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ مگر اس کی وجہ شاگرد کا سپاہی ہونا بھی ہو سکتی ہے، ممکن ہے وہ فلسفے کی پاریکیاں کو سمجھائی نہ ہو۔

تیسری بات وہ الیہ ہے جو افلاطون کو پیش آیا۔ خود اس کے شاگرد ارسطو نے اس کے فلسفے پر غلامانہ تنقید کی۔ اس پر اس قدر شور مچا ہوا کہ لوگ ارسطو کو اپنے استاد کا باقی سمجھنے لگے۔ کچھ نے کہا یہ بغاوت نہیں تھی، محض رائے کا اختلاف تھا۔ غرض خوب خوب خاک اڑائی



گئی، آخر ولڈورانت (Wlldurant) کو کٹا چڑا۔ ”جہاں اس قدر دھواں ہے، وہاں کبھی شعلہ بھی ضرور رہا ہو گا۔“

فرائیڈ اور ڈونگ کا باہمی تعلق فرائیڈ کی ایڈی پس صورت حال کے بہت قریب ہے۔ دونوں ہی اس سلسلے میں بے حد جذباتی ہیں اور کسی حد تک غیر عقلی رویہ بھی اپنائے ہوئے ہیں۔ ڈونگ کے بارے میں یہ کتاب لکھتے، وقت میرا ارادہ نہیں تھا کہ میں ان کے باہمی روابط کو زیادہ واضح کروں مگر پھر میں نے سوچا کہ جب مجھے فرائیڈ کے بعد ڈونگ پر ایک مفصل کتاب لکھنی ہے، تو قاری بجا طور پر مجھ سے توقع کر سکتا ہے کہ میں کچھ نہ کچھ ان دونوں کے اختلافات کو ان کی شخصیات کے حوالے سے بھی بیان کروں۔ پھر جب میں نے آکٹ یعنی عقلی علوم کو بھی خاص طور پر موضوع بنایا ہے، تو پھر اس سلسلے میں دونوں کے متضاد رجحانات کو بھی قدرے تفصیل سے بیان کروں۔ چنانچہ یہ باب کتاب مکمل ہونے کے بعد لکھا گیا اور اس کا خصوصی حوالہ پال روڈن (Paul Roazen) کی کتاب FREUD AND HIS FOLLOWERS ہے۔

اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ دونوں کی نفسیات سے متعلق ہے، جس میں طریق علاج (Psychotherapy) بھی شامل ہے۔ دوسرا حصہ عقلی علوم کے بارے میں دونوں کے رویوں سے متعلق ہے۔ اس کتاب کے موضوعات کی بڑی تقسیم بھی نفسیات اور عقلی علوم ہی ہیں۔ یہ سوال بہت اہمیت کا حامل ہے کہ عمیق نفسیات، عقلی علوم ہی کی توسیع ہے یا نہیں؟ لا شعور، اجتماعی لا شعور، تعبیر خواب، انسانی کردار کا آزاد تلازم خیال کے حوالے سے مطالعہ۔۔۔۔۔ سائنسی رویہ (جدید مغفل میں) ہے بھی کنہ نہیں ہے۔ ان سوالوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم ان دونوں عظیم نفسیات دانوں کے باہمی تعلق کا مطالعہ کریں گے۔

باہمی روابط:

پال روڈن نے جو باب ڈونگ کے لئے مختص کیا ہے، اس کا عنوان ”کروڈن پر پس“

سی جی ڈونگ (CROWN PRINCE C.Q. JUNG) رکھا ہے۔ گویا فرائیڈ نے اسے اپنا جائزین نامہ کر ہی دیا تھا۔ فرائیڈ کے دی آنا کے شاگرد ڈونگ سے بہت حسد کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ان کا روحانی باپ، ڈونگ کو دوسروں پر فوقیت دیتا ہے۔ فرائیڈ کے سب سے پہلے سوانح نگار فریڈرلز (Fritz Wittels) نے جو فرائیڈ کا شاگرد بھی تھا۔ یہ لکھا ہے کہ جب تحلیل نفسی کی بین الاقوامی انجمن بنائی گئی تو فرائیڈ نے اس کا پہلا صدر ڈونگ کو مقرر کیا۔ دی آنا کے یہودی شاگردوں کو یہ بات پسند نہ آئی، چنانچہ انہوں نے ایک مقامی ہوٹل میں جمع ہونے کا فیصلہ کیا مگر اس سلسلے میں کوئی حکمت عملی بنائی جاسکے۔ اس اجلاس کے بارے میں نہ جاننے کس طرح فرائیڈ کو معلوم ہو گیا۔ ابھی یہ جلسہ شروع ہی ہوا تھا کہ فرائیڈ داخل ہوا اور وہ اس وقت خاصہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہوئے ہو مگر یاد رکھو اگر میں نے اس انجمن کا صدر کسی یہودی کو بنا دیا تو اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا اور اس کے جاتے ہی یہ اجلاس بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

مگر عیسائی ہونا ڈونگ کی واحد خصوصیت نہیں تھی۔ فرائیڈ کے نقطہ نظر میں سی جی ڈونگ (۱۸۷۳ء-۱۸۸۷ء) کی تحلیل نفسی سے جدائی، اس سے جدا ہو جانے والے تمام شاگردوں سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھی۔ ڈونگ نے اس تحریک کے لئے سب سے زیادہ فصل دانہ شورات کو ہار ادا کیا تھا۔ اڈلر (Adler) اور سٹیکل (Stekel) کے انحراف ناک انحراف کے بعد، فرائیڈ نے ڈونگ کو زندقہ (Heretic) قرار دیا تھا۔ مگر ان تینوں کا فرائیڈ سے جدا ہو جانا تاریخی طور پر ایک دوسرے سے بہت قریبی تعلق رکھتا تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے تحلیل نفسی کی روایت کے اندر انقلاب کی بنیاد رکھی تھی۔ چنانچہ انہی کی وجہ سے بعد میں اس تحریک کے اندر داخل ہونے والوں کے لئے تحریک سے انحراف کرنا ایک وقت ایک خواہش اور ایک خوف کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ ۱۹۲۰ء تک جب آٹورنک (Otto Rank) اس تحریک سے الگ ہوا تو گویا۔۔۔ کے سربراہ اور وہ شاگرد، ایک دوسرے کو اس انحراف کی طرف دھکیلنے لگ پڑے تھے۔ چنانچہ یہی وقت تک بہت سی ایسی منحرف حکمت عملیاں پیدا ہو گئی تھیں، جو ماہرین تحلیل نفسی کو اس تحریک سے حلقہ بھی رکھتی تھیں اور ان کے اندر انحراف کے رجحانات بھی پروان چڑھتے رہتے تھے۔

اس سلسلے میں جو اثرات بھی فرائیڈ پر عالمہ کئے گئے ان میں سے دانشورانہ سطح پر وہ اثرات شاید سب سے زیادہ جاہل کن تھے، جو ڈونگ نے عالمہ کئے تھے۔ ہر چنانچہ ٹھنٹ (Subculture) کے اندر اس کے ولن (Villains) موجود ہوتے ہیں۔ فرائیڈ کے لئے ڈونگ خاص طور پر ایک نفرت انگیز کدواں تھا۔ اس کی ایک جزوی وجہ تو یہ تھی کہ فرائیڈ نے اس کے ساتھ بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ پھر اس وقت یہ نفرت اپنی انتہا تک پہنچ گئی، جب یہ معلوم ہوا اس کا رابطہ نازیوں کے ساتھ ہے۔ فرائیڈ اور اس کے شاگرد تو پہلے ہی سے اس کے لئے حقیقی جذبات رکھتے تھے۔ یہ لوگ آج بھی ڈونگ کو رد کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے اسے مسٹک (Mystic) اور فیر سائنس رویے کا طعنہ دیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اوڈر کو سوشلسٹ کہہ کر رد کیا جاتا ہے۔

فرائیڈ کے حلقہ میں ڈونگ سے کس قدر ناراض ہیں، اس کا اندازہ ان مشکلات سے کسی حد تک لگایا جاسکتا ہے۔ جو ڈونگ کے خطوط "فرائیڈ کے آثار (Archive)" سے حاصل کرنے کے لئے ڈونگ کے مقلدین کو پیش آئیں۔ فرائیڈ کی موت کے بعد جب ڈونگ ابھی زندہ تھا (فرائیڈ کی موت ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی) ڈونگ کے اہل آثار نے فرائیڈ کے اہل آثار سے دونوں کے خطوط کے چلنے کی درخواست کی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کچھ عرصے تک خطوط کا چالوہ ہوتا رہا تھا۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ فرائیڈ کی بیٹی ایسا فرائیڈ (Anna Freud) کو اپنے باپ کے آثار سے ڈونگ کا کوئی خط دستیاب ہی نہ ہوا تھا۔ آخر ڈونگ کے حلقے نے فرائیڈ کے خط ان کو بھجوا دیئے، مگر ان کی طرف سے کوئی بھی خط جواب میں موصول نہ ہوا۔ مگر پھر حیرت انگیز طور پر جب ارنسٹ جونز (Ernest Jones) کو فرائیڈ کی سوانح نگار بننے کے لئے ان خطوط کی ضرورت پڑی، تو وہ کسی نہ کسی طرح فرائیڈ کے آثار سے دریافت کر لئے گئے۔

یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ ڈونگ کے نفسیاتی مضامین نے فرائیڈ کی زندگی اور کام میں کس طرح مرکزی کردار ادا کیا یہ دیکھنا ضروری ہے کہ فرائیڈ کے احساسات کس طرح اپنے زمانے کے طبی علوم سے الگ تھلگ ہوئے۔ فرائیڈ ایک تربیت یافتہ ماہر اعصابیات (Neurologist) تھا۔ اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس کی ہمعصر سماجی انجی

(Psychiatry) نفسیات عوامل میں دلچسپی نہیں لیتی۔ اس نے تو صرف بعض شعبوں کے حصص نام ہی رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں کچھ بتائی نہیں ہے۔ فرائیڈ ان شاکردوں میں سے ایک جس نے اس سے سائنسی انداز میں تربیت حاصل کی تھی، یہ کہتا ہے کہ فرائیڈ سے پہلے کی کیس ہسٹریاں (Case Histories) بنی بنائی (Streotyped) ہوتی تھیں۔ مریض تو کچھ کہتا نہیں تھا کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ بکواس کرتا ہے اور وہ صاف سچا بھی نہیں ہے۔

سائنسی انداز کی اس زمانے کی جو آسٹرو۔ ہنگیرین (Austro-Hungarian) مملکت تھی۔ وی آنا یونگورسٹی میں سب سے بڑا سائنسی انداز کا عہدہ فرائیڈ کے ایک پرانے ہم جماعت جو لیس وگنر وان جوریک (Julius Wagner Von Jauregg) کے پاس تھا۔ ایک دل دکھا دینے والے ذوق مزاح اور دلیں کر دینے والے نفسوں کی بلند آہنگی میں، وہ فرائیڈ کا مذاق اڑاتا کرتا تھا۔ اگرچہ وگنر کو فرائیڈ ذاتی طور پر پسند تھا اور دونوں ایک دوسرے کو دوستانہ خطوط لکھا کرتے تھے مگر ایک سائنسی انداز ہونے کی حیثیت میں یہ لازم تھا کہ وہ تحلیل نفسی کے خلاف محاذ آرائی کرے۔ جس چیز کو فرائیڈ عظیم دریافت سمجھتا تھا۔ وہ اسے بکواس قرار دیتا تھا۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ وگنر کو سائنسی تربیت کی کمی تھی۔ بعد میں تو اسے اس واحد نوبل انعام کا حقدار قرار دیا گیا تھا جو کسی بھی نفسیات سے متعلق معالج کو ملا ہے۔ یہ انعام ان غصہ کے صلے میں ملا تھا جو اس نے فلج کے دوران بخار ہو جانے کے علاج کے سلسلے میں سرانجام دی تھیں۔ عمومی سائنس کا رویہ اس سلسلے میں واضح ہے۔ آج بھی نفسیات اور اس سے متعلق مختلف معالجی طریقوں سے وابستہ لوگوں میں سے کسی کو بھی نوبل انعام کا حقدار قرار نہیں دیا گیا۔ اس میں ٹونگ اور فرائیڈ بھی شامل ہیں۔ مگر ایک عجیب اتفاق یہ ہے کہ لندن میں آر تھر کوستلر (Arther Koestler) جب فرائیڈ کو ٹٹے گیا تھا تو اس کا خیال تھا کہ وہ نوبل انعام حاصل کر چکا ہے۔ جب فرائیڈ کو اس کا حوالہ دیا گیا تو اس نے، کہا تھا ”مجھ بوڑھے یہودی کی قسمت میں یہ انعام کہاں“ جن ٹنگ وگنر کا تعلق ہے وہ تو نفسیاتی طریق علاج میں ذرا سی بھی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ اگرچہ وہ عرشِ رُوح تھا۔ کبھی کبھی اکسپریمن کا مظاہرہ بھی کرتا تھا مگر اس کے باوجود وہ ایک مہیاں شخص تھا اور اپنے مریضوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔

وگنر اگرچہ فرائیڈ کا بہت مذاق اڑاتا تھا مگر اس کے دل میں فرائیڈ کے لئے معاذ اللہ

جذبات نہیں تھے۔ وہ کسی حد تک غیر متعصب بھی تھا اور اس نے اپنے فالیوں کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ فرائیڈ کے بارے میں جو چاہیں ردیہ اختیار کریں۔ مگر اتفاق دیکھئے کہ وہ فرائیڈ کی تنقید کرنے کے سلسلے میں، تو اس سے اتفاق رکھتے تھے، مگر فرائیڈ کے لئے اس کے دل میں جو نرم گوشہ یا احرام موجود تھا وہ ان میں سے کسی کے حصے میں نہ آیا تھا۔ چنانچہ فرائیڈ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ دی آنا یونیورسٹی میں اس کے مخالفین ہر دی طرح قابض ہو چکے ہیں اور قابض رہیں گے اور جو کوئی بھی دکن سے تربیت حاصل کرتا تھا اس کے بارے میں صرف یہی امید کی جاسکتی تھی کہ وہ بس فرائیڈ کی مخالفت ہی کرے گا۔

چنانچہ ۱۹۰۶ء میں فرائیڈ اس وقت بے حد خوش ہو رہا تھا جب ڈوگ نے اس کی نفسیات کے بارے میں اسے ایک خط لکھا۔ ڈوگ کا تعلق اس زمانے کے ایک نہایت ہی کامل احرام مرکز سے تھا۔ جہاں سائیکسٹری کی تربیت ہوتی تھی۔ یہ سوڈرلینڈ کے شہر زیورچ کی پرنسٹون شفا گاہ تھی۔۔۔ (یہ بات نہایت کامل توجہ ہے کہ جب ڈوگ نے سائیکسٹری میں تربیت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، تو اس کے غیر خواہ اس بات پر بے حد پریشان ہوئے تھے کہ ڈوگ اپنے کیریئر کو تلاء کر رہا ہے)۔۔۔ ڈوگ ۱۹۰۰ء سے پرنسٹون کے خلاف کارکن تھا اور اس دوران اس سے دفتری سطح پر یہ پوچھا گیا تھا کہ وہ فرائیڈ کی کتاب "INTERPRETATION OF DREAMS" پر ایک رپورٹ لکھے۔

۱۹۰۶ء تک ڈوگ سائنسی معاشرت میں ایک کامل احرام مقام بنانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ نفسیات۔ آکلفٹ تجربات پر اس کے طبی مقالات (Dissertations) کے علاوہ وہ لفظی ملازمت (Word Association) کی تکنیک کو اپنے کمال تک پہنچا چکا تھا۔۔۔۔ اس میں تجربہ کرنے والا ایک لفظ D کہہ پھر جواب کتنی دیر میں ملتا ہے، اس کے وقت کو نوٹ کیا جاتا تھا۔ ڈوگ کا اس سے مقصد یہ تھا کہ ابھائی (Repressed) جذباتی تصادم تک رسائی حاصل کی جائے۔ اس کو اس نے بعد میں کمپلکس (Complex) کہنا شروع کر دیا تھا۔ یہ رسائی جوابی حرکت (Response) اور علامات کے سلسلے سے ہاتھ آتی تھی۔ جوں جوں ڈوگ تحلیل نفسی کے وسیلے سے مریضوں کے علامات کی توجہ سے کرنا چلا گیا اس کے لئے ان نفسی علامتوں کے معانی کو سمجھنا ممکن ہوتا چلا گیا جو شروع شروع میں بے حد الجھی ہوئی اور عجیب و غریب نظر آتی تھیں۔ نومبر ۱۹۰۶ء میں ڈوگ نے فرائیڈ کے ہیپٹیا (Hysteria) کے نظریے

کی تھپیڑ پر اپنا ایک بڑا پٹ شائع کروایا۔ پھر فروری ۱۹۰۷ء میں اس نے فرائیڈ سے وی آنا میں ملاقات کی۔ پہلی ملاقات میں وہ مسلسل تیرہ گھنٹے تک ایک دوسرے سے گفتگو کرتے رہے۔ وہ فرائیڈ جس کو وی آنا کی سائنسی ابھری والے ماہر والا (Outsider) خیال کرتے تھے اور یہ بھی چشم نظر رہتا چاہئے کہ عوام الناس میں بھی فرائیڈ کوئی مقبول شخصیت نہیں تھا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ فرائیڈ سرکاری طور پر تسلیم کئے جانے کے کسی بھی امکان کو جو بھی بھی روپے کے طور پر ابھرتا تھا مطلوب ہو کر قبول کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔

اس وقت ڈونگ پر یمن بلوئر (Eugen Bleuler) کا نائب اعلیٰ تھا۔ وہ برنغولی کا سربراہ تھا اور اسے اختلاق ذہنی (Schizophrenia) کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ اپنے نظریہ دو گوئیت (Ambivalence) کی وجہ زیادہ شہرت حاصل نہ کر سکا۔ بلوئر کی دلچسپی نفسیات میں بھی تھی۔ اور اس نے ایک ہرلکی (Cosmopolitan) مرکز سائنسی ابھری کے لئے بھی قائم کیا تھا۔ آئندہ کے ماہرین تحلیل نفسی ارنسٹ جونز (Ernest Jones) سینڈور فرینزلی (Sandor Ferenczi) کارل ابراہام (Karl Abraham) اور ابراہام ہل (Abraham Brill) نے وہاں تربیت حاصل کی تھی۔ اور فرائیڈ ڈونگ سے مکمل علیحدگی کے بعد بھی ۱۹۱۳ء میں اس کا اعتراف خوش دل کے ساتھ کرتا رہا۔ وہ کہتا ہے کہ میرے ساتھی اور مقلدین زچ رچ کے راستے سے مجھ تک پہنچے تھے اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں، جنہیں وی آنا زچ رچ سے کہیں زیادہ نزدیک پڑتا تھا۔

بلوئر ڈونگ اس وقت دنیا کی اعلیٰ ترین سائنسی ابھری کی اکادمی میں کام کر رہے تھے۔ فرائیڈ کے لئے ۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۹ء کا زمانہ اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں وہ وی آنا کے تنگ ماحول سے نکل کر یورپ کی سائنسی ابھری کے وسیع ماحول میں پہنچ گیا تھا۔ بلوئر، فرائیڈ سے ایک سال بڑا تھا۔ وہ تحلیل نفسی کے جماعتی کردار کے سلسلے میں بہت ممتاز تھا۔ فرائیڈ نے بعد میں بلوئر اور ڈونگ کو کیڈٹ دیتے ہوئے کہا تھا ”انہوں نے ابتداء میں تجویزی نفسیات اور تحلیل نفسی کے مابین ایک پل تعمیر کیا تھا۔“ اور اس کے لئے انہوں نے طائرانی مطالعے کے لئے سٹاپ داچ استعمال کی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں اہل تحلیل نفسی کی پہلی کانگریس کے لئے ڈونگ کے ہمراہ بلوئر نے بھی سالزبرگ (Salzburg) میں شرکت کی تھی۔ جس کے بارے میں فرائیڈ نے بعد میں کہا تھا ”سالزبرگ میں بلوئر نے مجھ پر ایک پراسرار

(Uncanny) تاثر قائم کیا تھا۔ یہ بات اس کے لئے خوش کن نہ ہو گی۔ ”جب ڈوئگ نے اپنی تمام تر توجہ تحلیل نفسی پر مبذول کرنے کے لئے بلجیئر کے مطلب سے استنبط کیا تھا تو فرائیڈ خوشی سے پھولا نہ سکتا تھا۔ یہ بات جوتز نے اس کی سوانح میں لکھی ہے۔

۱۹۰۷ء میں ڈوئگ نے ایک کتاب (اضطلاح ذہنی) (DEMENTIA PRAECOX) کی تعلیمات کے بارے میں شائع کی، جس میں اس نے یہ بتایا کہ دیوانگی کی یہ قسم فرائیڈ کے نظریہ نیورس (Neurosis) کے حوالے سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں ڈوئگ اجسام (Delusion) کے معنی تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کمرانی میں اترتا چلا جا رہا تھا اور اس عمل میں اس نے اضطلاح ذہنی یعنی شیئرو فرینڈ کی توجیسہ بھی کر دی تھی اور یہ بھی بتایا کہ اس میں رمزیت (Symbols) بست ہوتی ہیں۔ لہذا وہ ان لوگوں میں شمار ہونے لگا تھا جنہوں نے شیئرو فرینڈ کے علاج کے سلسلے میں پہل کی تھی۔ بلجیئر اور ڈوئگ دونوں نے سائی کوکس (Psychosis) کے مریضوں میں ان حرکی عزاکت کا مطالعہ کیا جو اختلال ذہنی (Psychosis) کی وجہ بنتے ہیں اور پھر قدرتی طور پر انہوں نے اس علم کو معاملے میں استعمال کیا۔

فرائیڈ کو یہ شکایت تھی کہ اس کے دی آنا کے گروپ میں متوسط ذہانت کے لوگ بست ہیں۔ لہذا وہ تحلیل نفسی کے مرکز کو دیو رچ میں منتقل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ رویہ جزوی طور پر اس لئے بھی تھا کہ اسے دی آنا پسند نہیں تھا اور بعض اوقات تو یہ اندازہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ فرائیڈ کو دی آنا سے اس قدر نفرت کیوں تھی؟ کیا یہ نفرت محض ایک دیوانی دکھلاوے کے سوا کچھ اور نہیں تھا؟ اس حقیقت سے تو بہر حال انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے بلوغت کے بعد اپنی ساری عمر اس شہر میں گزار دی تھی۔ فرائیڈ نے ۱۸۹۰ء میں ایک بے نام آپ جی کہی تھی اور اس میں یہ لکھا تھا ”میں نے کبھی اس شہر میں پر سکون محسوس نہیں کیا۔“

بہر صورت ۱۹۰۰ء میں نیورم برگ کانگریس (Nuremberg Congress) میں اس کے ہنگری کے شاگرد سیندور فرینڈی (Sándor Ferenczi) نے دی آنا کے ماہرین تحلیل نفسی کے بارے میں بعض سخت باتیں کی تھیں اور یہ تجویز دی تھی کہ آئندہ ان کا مرکز دیو رچ ہونا چاہئے۔ وہیں سے ساری کارگزاری پر نظر رکھنی چاہئے اور اس وقت ڈوئگ ان کا صدر تھا۔ چنانچہ اس وقت فرائیڈ کے دی آنا کے شاگردوں سے اشتباہات کی بنیاد حتمی طور

پر رکھ دی گئی۔ فرائیڈ جب سوئیڈر لینڈ والوں کو فوقیت دیتا تھا تو اس کی وجہ محض یہ نہیں تھی کہ اسے وہاں سے بہتر دماغ فراہم ہونے کی توقع تھی، تاکہ تحلیل نفسی کے کام کو آگے بڑھایا جاسکے۔ بلکہ اس میں یہ شدید خواہش بھی تھی کہ اپنی ذاتی پہچان نمایاں کی جائے اور زیادہ وسیع سائنسی معاشرت سے تعلق قائم کیا جائے، کیونکہ اس وقت اسے وہی آنا میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

یہودی کے طور پر بھی فرائیڈ کو ڈوئچ کے اشرافیہ کی ضرورت تھی، کیونکہ وہی آنا کا سارا کا سارا گروہ تقریباً یہودیوں پر مشتمل تھا اور فرائیڈ چاہتا تھا کہ تحلیل نفسی محض یہودی فرقے تک محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ ایک زمانے میں ڈوئچ بقول فرائیڈ "اس کالے بالک تھ بڑا چٹا تھ اس کا وارث تھا اور کراؤن پرنس (Crown Prince) تھا۔" فرائیڈ اس سوس (Swiss) کووی آئوئی حسد سے بچانا چاہتا تھا چنانچہ ایک بار اس نے ابراہام کو لکھا تھا

"ذرا میرے کام لگجے، یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ آپ کے لئے میرے خیالات کو سمجھنا ڈوئچ سے کہیں زیادہ آسان ہے، اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ عمل طور پر خود مختصر ہیں، پھر آپ میرے عقلی نظام کے بھی قریب نہیں ہیں، کیونکہ مجھ میں اور آپ میں ایک نسلی تضاد ہے، جب کہ وہ جسمانی ہے اور پادری کا بیٹا ہے اور مجھ تک جسمانی حاصل کرنے کے لئے اسے اندرونی مزاحمتوں میں سے گزرنا پڑتا ہے، اور اس باعث اس کا ہم سے تعلق کہیں زیادہ قائل قدر ہے۔ میں تو یہ بھی کہنے کے لئے تیار ہوں کہ سنج پر اس کے نمودار ہونے کی وجہ سے ہم اس خطرے سے بہت حد تک محفوظ ہو گئے ہیں کہ تحلیل نفسی محض یہودیوں کا معاملہ ہے۔"

فرائیڈ نے محسوس کیا تھا کہ ابراہام بہت ہی شدید طور پر ڈوئچ کے سلسلے میں بے اعتمادی کا شکار تھا، یہ بات اس حد تک اہمیت کی حامل تھی کہ وہ اس وقت تک کامیابی کی امید ہی نہیں کر سکتا تھا جب تک وہ اشرافیہ (Centiles) میں اپنے عقلمندانہ کمرے اور یہودی کے طور پر وہ حیلہ جوئی کے ساتھ فتح حاصل کرنا چاہتا تھا، خصوصاً عیسائی انطاقیات کے معیارات کے معاملے میں۔ فرائیڈ کی یہ خواہش تھی کہ وہ وہی آنا کے یہودی حلقوں کو توڑ کر باہر نکل جائے۔



فرائیڈ سے علیحدگی کے بعد ڈونگ کے شاگردوں نے (اڈلر اور اس کے ساتھیوں کی طرح) اس بات سے انکار کرنا شروع کر دیا تھا کہ ان کا رہنما کبھی فرائیڈ کا شاگرد رہ چکا ہے۔ جہاں تک فرائیڈ کا تعلق ہے، وہ اپنے شاگردوں کے بارے میں جو کچھ کہتا تھا، وہ کھل کر کہتا تھا تو اس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا تھا۔ جب بھی فرائیڈ ڈونگ کا ذکر کرتا تھا تو اس کا چہرہ کھل اٹھتا تھا۔ ”وہ میرا عزیز بیٹا ہے، اور میں اس سے بے حد خوش ہوں۔“ فرائیڈ نے ایک طویل عرصے تک اپنی مماثلت حضرت موسیٰ سے قائم کئے رکھی تھی۔ وہ خود کو لوگوں کا نجات دہندہ اور رہنما سمجھتا تھا اور اسے خدشہ تھا کہ لوگ اس کے بدلے میں اس کے ساتھ زیادتی اور ناانسانی کریں گے۔ ڈونگ اس کا جو شوا (Joshua) تھا اس کے میں مقدور میں لکھا تھا کہ وہ سائنٹلی لیٹری کی سرزمین کو دریافت کرے گا اور یہ وہ عطیہ تھا جسے فرائیڈ کو محض دور سے دیکھنے کی اجازت تھی۔ فرائیڈ ڈونگ کو اپنا بیٹا اور چائین سمجھتا تھا۔ جب وہ سلطنت جس کی بنیاد میں نے رکھی ہے جیم ہو جائے گی تو اس کے تمام ترکے کا وارث ڈونگ ہو گا۔ ”ولی عہد مقرر کرنے کا یہ قصہ فرائیڈ جیسے قہیلے کے سرخیل (Patriarchal) آدمی کے لئے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ جب ڈونگ اس سے منہ موڑ گیا تو فرائیڈ نے کہا ”میرا یہ خیال ہے کہ میری تمام بچے پوری طرح حقوق حاصل کر سکیں گے، ایک یہودی باپ کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے، میری خواہش ہے کبھی کچھ ڈونگ کے وسیلے سے حاصل ہو۔۔۔۔۔۔“

فرائیڈ ڈونگ سے انھیں برس بڑا تھا اور ایک روز افریقہ ترقی کرتی ہوئی تحریک کا متاثرہ سرخیل تھا۔ ڈونگ نے یہ کوشش کبھی نہیں کی کہ وہ فرائیڈ جیسا سربراہ بنے اور اسے تحفظیں پہنچائیں بھی نہیں تھیں، نہ اپنی، نہ دوسروں کی۔ شاید فرائیڈ کے اسی رویے کی وجہ سے ڈونگ نے اسے بروں میں قرار دیا تھا اور اپنی آپ کو اور اڈلر کو بروں میں ظاہر کیا تھا۔ حالانکہ اڈلر سوشل ورک اور معاشرتی اثرات کا بے حد قائل تھا اور فرائیڈ اپنے تمام تر انتہائی رجحانات کے باوجود ایک باطنی شخصیت رکھتا تھا۔ تحلیل نفسی کے ادوار سے بنائے بغیر فرائیڈ کے لئے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک تھا محض کے طور پر تحلیل نفسی کو متعارف نہیں کروا سکتا اور نہ اس کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ تحلیل نفسی کے تمام پہلوؤں پر کام کرنے والا اور جواب

دینے والا تھا شخص ہو، اس کے دروں بنی کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ اس کے تعلقات لوگوں سے بہت گہرائی تک نہ ہوتے تھے، وہ جب تعلقات بنانا بھی تھا، تو بھی اپنی ذات کو بچا بچا کر رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ اور دروں بنی کے دعوے کے باوجود ڈونگ کو اپنی تحریک کی بھی ایک باقاعدہ صورت بنانی پڑی تھی۔ اگرچہ اس کے بارے میں وہ زیادہ سنجیدہ کبھی نہ ہو پایا تھا۔ مگر اس کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا یہ مزاج ہی نہیں تھا کہ وہ تحلیل نفسی کی تحریک کا صدور بن کر طوٹی محسوس کر سکتا۔ جب فرانیڈ نے اس کو تحلیل نفسی کے ادارے میں اہم انتظامی ذمے داری دی تھی، تو اس وقت بھی وہ اسے بوجھ ہی محسوس کر رہا تھا۔ اور فرانیڈ بار بار اسے کہا کرتا تھا کہ تم اپنی ذمے داریوں کو سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ پھر آخر کار ڈونگ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی انتظامی ذمے داریوں سے کہیں زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ وہ اپنے نفسیاتی کام کو ترجیح دے۔ اس کے لئے بین الاقوامی تحلیل نفسی کی انجمن کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں تھی۔

اگرچہ اپنے ادارے کے مشنل کے لئے فرانیڈ ہر آنے والے کو خوش آمدید کہتا تھا اور ان کے بارے میں تنقیدی رویہ اختیار نہیں کرتا تھا مگر ڈونگ کے سطلے میں تو اسے پہلے سے مظلوم تھا کہ ڈونگ بہت ہی باصلاحیت ہے اور غیر معمولی شخصیت کا حامل ہے۔ فرانیڈ کے بیٹوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ ڈونگ جب فرانیڈ کے گھر سے کھانا کھاتا تھا تو کھانے کی ہمیز پر اس کی کیا اہمیت ہوتی تھی۔

میں نے بھی ذرا سی بھی کوشش نہ کی کہ وہ ہماری والدہ سے یا بچوں سے رسمی میزبانی منگلو کرے، اور اس نے اس موضوع پر منگلو کو بغیر وقفے کے جاری رکھا جس پر کھانے سے پہلے بات چیت ہو رہی تھی۔ اس مواقع پر ڈونگ ساری کی ساری منگلو کیا کرتا تھا اور ہمارا والد بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اسے سنا کرتا تھا۔ بہت کم باتیں ایسی ہوتی تھیں، جو ہماری سمجھ میں آتی ہوں۔ مجھے مظلوم تھا کہ ہمارا والد بڑے شوق کے ساتھ مریض کے حالات کے خاکے کو سنا کرتا تھا۔ میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی توانائی تھی، زندگی سے معمور باتیں تھیں اور اس کی وہ صلاحیت

جس کے ذریعے وہ اپنی شخصیت کو دوسروں پر حاوی کرتا تھا اور نئے دلوں کو محور کے  
رکھتا تھا۔ ڈونگ کی سوجھ بوجھ کی ایک ایسا اثر تھی جو طاری ہو جاتا تھا اس کا قد بہت لمبا تھا  
اور شانے بہت چڑے تھے۔

فرائیڈ کا قد مشکل سے پانچ فٹ سات انچ تھا۔ جب کہ ڈونگ چھ فٹ دو انچ کا بلک  
تھا جب ڈونگ کا سامنا ہوتا تھا تو فرائیڈ کو اپنے قد اور جسم کے بارے میں کمی کا احساس ہوتا  
تھا۔ ۱۹۱۹ء میں جب ڈونگ فرائیڈ کے ساتھ امریکہ میں کھہ تو ایک ایسی تصویر لی گئی تھی جس  
میں فرائیڈ اور ڈونگ اکٹھے بیٹھے تھے، ڈونگ فرائیڈ سے زیادہ جسم کا لگتا تھا پھر ۱۹۲۱ء میں جب  
وائمر کانگریس (Welmer Congress) کے دوران گروپ فوٹو لی گئی تھی، فرائیڈ دونوں میں  
سے زیادہ قد آور نظر آتا تھا فرائیڈ یہ اثر پیدا کرنے کے لئے نہ صرف کسی شے پر کھڑا تھا اور  
ڈونگ بڑی نیاز مندی کے ساتھ آگے کی طرف ہٹکا ہوا تھا تاکہ وہ فرائیڈ کو اس تحریک کا صحیح  
مستقل میں لیڈر دکھائی دینے میں مدد کر دے۔

جب ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی تو فرائیڈ اپنے چھٹے عشرے کے آغاز میں تھا اس کے  
پاس اس وقت نہ صرف طے شدہ چند نظریات تھے بلکہ اس کی کٹائی ہوئی یہ دولت بھی تھی کہ  
وہ زندگی میں کچھ حاصل کر چکا ہے، ڈونگ چھ تھی دہائی میں تھا اور ابھی تک خود کو سالک ہی  
محسوس کرتا تھا ۱۹۰۹ء میں ڈونگ نے اپنے ایک خط میں یہ اعتراف کیا تھا ”آپ کے اندر جو  
جھنجھٹ اور سکون ایک خصوصیت کے طور پر موجود ہے، میں ابھی اس کی تلاش میں ہوں۔“  
فرائیڈ کو ان دونوں کے درمیان یہ فرق بہت اچھا محسوس ہوتا اور یہ اسے پسند تھا۔

”مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ میری شخصیت کے اندر کوئی ایسی شے ہے کہ میرے  
الفاظ اور میرے خیالات لوگوں کو اجنبی لگتے ہیں مگر آپ کے لئے سب کے دل کے  
دروازے وا ہو جاتے ہیں، اگر آپ جیسا صحت مند انسان بھی خود کو اکٹرا ہوا محسوس  
کے، تو میرے جیسے شخص کو تو غیبی ہونا چاہئے، ایسا غلبہ جس کی گرفت میں آنے کے  
بعد دنیا کے سب دروازے بندے پر بند ہو جاتے ہیں۔“

جیسے فرائیڈ کو شروع شروع میں فلیس (Fliess) کی ضرورت تھی کہ بات کرتے والا

کوئی تو ہو، اب وہ زیادہ بہتر بنانے پر ڈونگ پر انحصار کرنے لگا تھا۔ ”ایک پر سکون مقام جو مجھے حاصل ہوا جس نے مجھے اس امر پر آمادہ کیا کہ میرے اندر سے باوراء کوئی آواز آنے لگی اور وہ اسے قبول کریں۔ وہ آواز تمہاری تھی“ فرائیڈ نے اپنی آخری زندگی میں تقریباً یہی جملہ ایک سے زیادہ شاگردوں کو لکھا تھا وہ کس قدر شوق سے منہ معلوم، ان کی آواز سننے کا طلبگار تھا۔ ایک خاص وقت تک ان کی شخصیتوں کے ایک کلیدی پسلو نے ان کو باہم اکٹھے رکھا مگر بعد میں ان میں مسلسل تضاد کو جاری رکھ سکتا ناکھن ہو گیا۔ اس کی وجہ انہیں میں بنات کی تھی، ڈونگ نے اپنے فطری رجحانات کی وجہ سے بدعت اختیار کر لی تھی، اس کے زمانے کی نفسیاتی حکمت کے لئے فرائیڈ کا پہنچ جو دوسرے لوگ اس کے بارے میں محسوس کرتے تھے ڈونگ کے لئے دلچسپی کا باعث تھا۔

”میں شاید خود ہی قاسم (Heretic) ہوں۔“ فرائیڈ نے ایک سے زیادہ موقعوں پر لکھا تھا ان کی ملاقات سے پہلے فرائیڈ نے ڈونگ کو لکھا تھا ”سائنسی انٹری میں بڑے ناموں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، مستقبل ہمارا ہے اور ہمارے خیالات کا ہے، دنیا بھر میں تو ہمارا ہماری آواز پر لبیک کہہ رہے ہیں“ ۱۹۰۹ء میں جب وہ امریکہ گئے تھے تو نیویارک کی ہندو گاہ پر فرائیڈ کی ایک بات نے ڈونگ کو چوکا دیا تھا ڈونگ اس وقت آسٹن کو دیکھ کر بے حد متاثر نظر آ رہا تھا فرائیڈ نے کہا تھا ”کیا وہ سب کچھ سن کر حیران نہ رہ جائیں گے جو کچھ ہم نے ان کو بتانا ہے۔“ --- ڈونگ نے کہا تھا ”آپ بہت مہم جو لگ رہے ہیں“ میں، فرائیڈ بولا تھا ”میں تو بے حد خاکسار قسم کا انسان ہوں اور بالکل مہم جو نہیں ہوں“ پھر ڈونگ کو یاد آیا کہ اس نے فرائیڈ سے کہا تھا ”کیا یہ بہت بڑی بات نہیں ہے۔ آپ اپنی طرح کے واحد انسان ہیں۔“

فرائیڈ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ان دونوں کے مزاجوں کا فرق، جس کے باعث انہیں بالآخر ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑا تھا ان کے کئے ہوئے کام میں بھی نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آ جاتا ہے، پھر فرائیڈ کا یہ بھی خیال تھا ”جب کردار کی تشکیل کے معاملے کو پیش نظر رکھا جائے، تو پھر اس کام میں ڈونگ اس سے بہتر تھا کیونکہ وہ انسان کو اسکی سلیمت کی سطح سے دیکھنے کے بعد گمراہی میں اترتا ہے، جب کہ میرا سفر اس کی الٹی سمت میں ہے۔“ پھر ۱۹۱۰ء میں فرائیڈ نے یہ سوچا تھا کہ ڈونگ کے ساتھ اس کا ملنا بہت اچھی شے ہے اور اس سے اسے

بہت لائقہ ہوا ہے۔ میں نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا ہے، مثلاً اذکر کے معاملات کے سلسلے میں، اپنی مشکلات کے سلسلے میں، اور اس معاملے میں کہ میں ٹیلی وینٹی کے بارے میں کیا رویہ اختیار کروں، فرائیڈ کو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ ڈونگ اساطیر میں دلچسپی لے۔۔۔۔۔ وہ اسے کہا کرتا تھا "تم جس قدر جلد بخیر کی طرف لوٹ آؤ گے، تمہارے لئے بہتر ہو گا کیونکہ یہی وہ علاقہ ہے جس کے ذریعے ہم نے سب سے پہلے اپنی سلطنت کو مضبوط بنانا ہے، ہر پہلو سے اور ہر شخص کی نظر میں۔"

یہ فرائیڈ کی فطرت تھی کہ وہ بہت جلد کمری دوستی پیدا نہ کر سکتا تھا تاہم جب بھی ایسا ہوتا کہ وہ کسی پر انحصار کرنے کے لئے خود کو آزاد کر رہا تو عام طور پر تعلقات کی یہ گہرائی خط و کتاب تک محدود ہوتی تھی۔ (دوسوں تک فرائیڈ نے جو خط لکھے اور جو وصول کئے ان کا پتلا، دیکھاؤ رکھا تھا) مگر ڈونگ کے لئے یہ خط و کتابت زیادہ فیصلہ کن نہیں تھی، فرائیڈ بہر حال محسوس کرتا تھا کہ جب تک خطوط کا آنا جانا لگا رہے گا اس کا مخاطب اس کے گاہک میں رہے گا۔ فرائیڈ کا قلبی تعلق جو وہ اپنے نوجوان ساتھی کے لئے محسوس کرتا تھا کم نہ ہوا تھا۔ پھر ڈونگ ایک ہم عصر ناول فرائیڈ کے مطالعے کے لئے لے کر آیا ہے اس لحاظ سے نہ تھا کہ وہ کوئی بولی شکار تھا بلکہ اس لحاظ سے کہ فرائیڈ کی نفسیات کے حوالے سے اس کی بہت اہمیت تھی۔ چنانچہ فرائیڈ ڈونگ کو خوش کرنے کے لئے اس کا دیا جانے لگا دیا تھا۔ فرائیڈ شرم کی ہا ہی میں پلا بڑھا تھا، سرخ رونا کسانوں کے بچوں کے ساتھ سکول چلا کرتا تھا لہذا زمین سے اس کا رشتہ زیادہ قریبی تھا جب فرائیڈ کے شاگردوں میں سے کسی نے کہا کہ ڈونگ کا مزاج خاصہ اکٹڑ ہے تو فرائیڈ نے فوراً جواب دیا تھا "یہ صحت مند اکٹڑ ہے۔"

ڈونگ کی نجی زندگی کئی ضروری پہلوؤں میں فرائیڈ سے بالکل مختلف تھی، فرائیڈ کی بیوی مارٹھا (Martha) کے برعکس ایما ڈونگ (Emma Jung) اپنے خاوند کے کام کو سمجھتی تھی اور خود بھی نفسی معاملے کرنے لگ پڑی تھی۔ ڈونگ اپنی بیوی اور پانچ بچوں سمیت ایک بہت بڑے خاندان کی صورت میں زندگی گزارتا تھا اور یہ خاندان فرائیڈ کے خاندان کے مقابلے میں خوب پہلا پہلا بھی تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈونگ کا خاندان کے ساتھ رویہ زیادہ رعایتی بنیادوں پر استوار تھا تاہم ایک سانگی ایڈرسٹ خاتون انٹرویو وولف (Antonia Wolff) جو ڈونگ کی مریض بھی رہ چکی تھی، طویل عرصے تک ڈونگ سے

جنسی روابط رکھے ہوئے تھی، اور جب یہ تعلق ختم بھی ہو گیا تھا تو بھی ان کے روابط دوستانہ ہی رہے تھے اور ان میں قربت بھی برقرار رہی تھی۔ ڈوئگ نے اپنی تحریروں میں اس کے کام کے بہت حوالے بھی دئے ہیں۔

ڈوئگ کے دوسری عورتوں کے ساتھ تعلقات ابھی مکمل کر سائے نہیں آئے لیکن لگتا ہے کہ ڈوئگ کے تعلقات کئی عورتوں کے ساتھ تھے، یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا کبھی اس نے ان تعلقات کے بارے میں فرائیڈ سے بھی گفتگو کی تھی یا نہیں۔ ڈوئگ کے اندر بہت سی عورتوں کے ساتھ بیک وقت تعلق قائم کرنے کا جو رجحان تھا ڈوئگ اسے بہت اچھی چیز سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا ”ایک کامیاب شادی کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے کہ۔۔۔۔۔ بے وفائی کرنے کی اجازت ہمیشہ موجود رہے۔“ ایسا ڈوئگ نے بہر حال اپنی شادی شدہ زندگی کے بعض مسائل پر فرائیڈ سے ضرور گفتگو کی تھی۔ اس نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ فرائیڈ کی زندگی میں تیس کی بیوی سے مختلف رویہ اختیار کرے، اس نے کہا تھا مجھے ان عورتوں میں مت شمار کریں جس کے بارے میں، آپ نے کہا تھا کہ ”وہ دوستیوں کو تباہ کر دیتی ہیں۔“

اگرچہ فرائیڈ کا رویہ اپنے شاگردوں کے ساتھ الگ تھلگ اور کھینے کھینے رہنے کا تھا مگر ڈوئگ کے سلسلے میں اس کا رویہ یہ نہیں تھا ان میں خاص ہے تلفظ بھی تھی۔ اس نے ڈوئگ کی بیوی کو یہ بتا دیا تھا کہ ماؤتھا کے ساتھ اس کی شادی شدہ زندگی میں جنس کو بہت کم دخل رہا ہے پھر ۱۹۱۰ء میں اس نے ڈوئگ کو لکھا تھا ”میری زندگی کا وہ گرم شہوانی موسم، جس کے بارے میں میں نے تم سے سیاحت کے دوران بات کی تھی کام کے بوجھ تلے جلد ہی دب گیا تھا۔“

بعد کے برسوں میں جب فرائیڈ اور اس کے شاگرد ڈوئگ کو بڑی کاٹھن دے رہے تھے اور اس کے بچپن کی جنسی زندگی کے حوالے سے مذاق اڑاتے تھے۔ تو ڈوئگ یہ سوچ کر یقیناً مسکراتا ہو گا کہ حقیقت میں جنسی سطح پر اس نے فرائیڈ سے کہیں زیادہ آزادی کی جنسی زندگی گزاری تھی، ڈوئگ نے فرائیڈ کا جنسی نظریہ مسترد کیا تھا لیکن یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اسے ذاتی طور پر جنس کو اہمیت دینے کی ضرورت فرائیڈ سے کہیں کم تھی۔

## آکٹ:

فرائیڈ اور ڈونگ دونوں ہی کو عقلی علوم (Occult) میں دلچسپی تھی اور ایک بار فرائیڈ نے لکھا تھا کہ وہ دو موضوع جو ہمیشہ ہی اسے تنگ کرتے رہے ہیں، وہ آکٹ اور پیرا نفسیات (Parapsychology) کے مسائل تھے اور یہی طویل عرصے سے ڈونگ کی دلچسپی کے مرکز تھے۔ فرائیڈ کو اس بات پر ابھی خاصی پریشانی تھی کہ ٹیلی وینٹی (Telepathy) یا انتقال خیالات (Thought Transference) جیسا کہ وہ عام طور پر ان کو نام دیتا تھا) کا اطلاق خود اس کے کام پر بھی حد تک کیا جاسکتا ہے مگر فرائیڈ اور ڈونگ دونوں ہی یہ جواز رکھتے تھے کہ انہوں نے زندگی بھر اس میں اپنی اپنی دلچسپیوں کو قائم رکھا تھا۔

جب فرائیڈ نے خوابوں کی زندگی کا مطالعہ شروع کیا تھا تو اس وقت ہی یہ شبہ ظاہر کیا جانے لگا تھا کہ وہ منگ ہو گیا ہے، یا وہ غیر سائنسی رویہ اختیار کئے ہوئے ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ فرائیڈ نے اس زمانے کی نام نہاد سائنسی حکمت کو نظر انداز کیا، اس کی بجائے اس نے اس لوگ رویے کو اپنایا کہ خوابوں کے اپنے طور پر کچھ معانی ہوتے ہیں۔ ٹیلی وینٹی اور خواب دونوں ہی سائنس دانوں کے تضادات کے بڑی طرح شکار ہو رہے تھے۔ مگر فرائیڈ نے اس امر کو ضرور ہی سمجھا کہ وہ ان دونوں میدانوں میں تحقیق و تحقیق کر کے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

آکٹ میں اپنی دلچسپیوں کے جواز کے طور پر فرائیڈ نے پھر سے خوابوں کے سلسلے میں اپنی دریافتوں کی طرف رجوع کیا۔

انسان کو اپنا رنگ دکھانا چاہئے اور اپنے زمانے کی افواہوں پر کان نہیں دھرنا چاہئے، اس سے پہلے زمانے میں بھی ایسے ہی سیکڑل رہے ہیں۔۔۔۔۔ شاید ان مواقع پر زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔۔۔۔۔ ذرا کم بیانے پر مجھے زندگی کے ان تجربات کو دہرانا ہے اور مجھے اپنے ہی عزم و ہمت کو بروئے کار لانا ہے، ڈٹے رہنا ہے اور جیرونی دنیا کی ہڈ گشت کو خاطر میں نہیں لانا ہے۔

جتنی فرائیڈ کو سائنس کی ضرورت تھی، اتنی ہی ضرورت اس کو تھمیلی کی بھی تھی۔ فرائیڈ کا ایمان تھا کہ اس نے خواہوں کو تصوف کے تجربہ میدانوں سے بازیافت کیا ہے۔ ایک زمانے تک دیوانگی کا تعلق ہی خواہوں کے ساتھ ایک طرازے کے طور پر قائم کیا جاتا رہا تھا لہذا جب فرائیڈ نے نورس کا مطالعہ شروع کیا تو اس نے خود کو اس بات کا بھی حقدار چاہا کہ آکھٹ کے دھند سے اُٹے ہوئے رستے میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔

فرائیڈ کے خیالات کی بنیادی دلچسپی ان لوگوں سے مستعار تھی، جو پورا نفسیات کے مظاہر میں دلچسپی رکھتے تھے۔ فرائیڈ کے شاگردوں میں ڈونگ اس میدان میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اس نے تو زائچوں (Graphology) علم نجوم (Astrology) اور حتیٰ کہ کیمائری (ALCHEMY) میں ٹانگ جھانک شروع کر دی تھی اور بعد میں تو اس نے اڑن طیشوں کو بھی اپنا موضوع بنا لیا تھا۔ ڈونگ کے دل میں مذہبی تصوف کے لئے بھی نرم گوشہ موجود تھا۔ بلکہ اس نے تو زعموں اور مردوں کے درمیان گفتگو کے امکان پر بھی غور کیا تھا۔ یہ چند عناصر ڈونگ کے کام کے اندر ایسے تھے، جنہوں نے جونز (JONES) جیسے مخالفین کو یہ موقعہ دیا تھا کہ وہ ڈونگ کو تنگی کہہ کر رد کر دیں، تنگی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو نہ تو صاف طور پر سوچ سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں اشتکال ہوتا ہے۔ اس کے لئے جونز نے Breezy Personality کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ پھر اس نے ڈونگ کو الجھا ہوا ذہن بھی کہا تھا اور متعقبات لائینیت کا بھی ذکر قرار دیا تھا۔

جونز کی یہ شدید ترین فقرے بازی مجموعی طور پر ڈونگ کے عمومی کردار کے بارے میں ہی نہ تھی، بلکہ کام کے بارے میں بھی تھی۔ یہ شاید اسی وجہ سے بھی تھا کہ ایک زمانے میں جونز پریشان رہا تھا کہ ڈونگ بہت بڑی طرح فرائیڈ پر اثر انداز ہو رہا ہے، پھر جونز نے زندگی کے آخر دنوں میں فرائیڈ کو خبردار کیا تھا کہ وہ ٹیلی پیتھی کے سلسلے میں اس قدر سنجیدگی سے دلچسپی نہ لے۔ جونز کی اس تشویش میں کچھ دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔ ان میں کارل ابراہام (Karl Abraham) خاص طور پر قتل ذکر ہے وہ زیورچ کے ان رجحانات سے بہت غائب تھا جسے وہ آکھٹ، اسٹولونی، اور مسٹی سزم کا نام دیتا تھا۔۔۔۔۔ فرائیڈ نے ابراہام کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ڈونگ کی وجہ سے تحلیل نفسی کی بنیاد پڑے نہ پائے گی۔ یہ بات ہم یہودیوں کے



لئے کہیں زیادہ آسان ہے، کیونکہ ہمارے اندر متصوفانہ عناصر نہیں ہیں۔

یہ بات میرے لئے تعجب کا باعث ہے کہ یہودیوں کے ہاں متصوفانہ عناصر نہیں ہیں، معلوم نہیں یہ بیان فرائیڈ نے کسی نقطہ نظر سے دیا ہے۔ حالانکہ یہودیوں کے اندر تصوف کی ایک پوری تحریک قدیم زمانے سے موجود تھی۔ کئی چھوٹے چھوٹے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں، جو ان متصوفانہ خیالات کو آگے بڑھاتے رہے ہیں۔ ایسے (Essene) فرقہ جن کے اعتقالات جو عیسائیت کا بنیادی عنصر قرار دیا جا رہا ہے، تصوف ہی کے حوالے سے دنیا کو دیکھتے تھے۔ جب فرائیڈ نے Moses And Monotheism ("موسیٰ اور وحدانیت" کہیں تھی) تو کم از کم اس زمانے میں تو اسے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہودیت کے اندر تصوف کس حد تک موجود تھا۔ یہ موقعہ تفصیل میں جانے کا نہیں، مگر اتنی بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ قبائل (Kabala) بنیادی طور پر متصوفانہ اثرات کی حامل ہے۔ بلکہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تصوف کی مضبوط ترین تحریکوں میں سے ایک ہے۔ بسا اوقات یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ دنیا بھر کا تصوف اس تحریک سے متاثر ہوا ہے۔ جہاں تک بحیرہ مردار (Dead Sea) کے سکرولز (Scrolls) کا تعلق ہے، اس کا علم فرائیڈ کو نہیں تھا، کیونکہ وہ اس کی موت کے نو برس بعد دریافت ہونے شروع ہوئے تھے، اور اب تو جدید علمی حلقے بھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ عیسائیت کی بنیاد انہیں معتقدات پر رکھی گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ کے اعتقالات ایسے پر منحصر تھے، بعد میں سینٹ پال نے اس میں ترمیم کر کے اسے رومنوں کے لئے قابل قبول بنایا تھا۔ مگر یہ بحث ہم سے متعلق نہیں ہے۔ صرف یہ عرض کرنا ہے کہ تصوف کے اثرات خود یہودیت کے اندر خاص گہرائی تک پہلے ہوئے تھے۔

اس وقت اسرائیل کی ریاست میں اور دیاسپورا (جو یہودی اسرائیل کے باہر آباد ہیں) دو طرح کے یہودی موجود ہیں، ایک تو وہ ہیں جو خاصے مذہبی ہیں اور دوسرے آزاد خیال ہیں۔ مذہبی یہودیوں میں تصوف کے اثرات خالص نمایاں ہیں۔ ممکن ہے فرائیڈ کے اس جملے کا تعلق محض آزاد خیال یہودیوں کے ساتھ ہو۔

اگرچہ فرائیڈ کے سوانح نگار جو نز نے جو کتاب تین جلدوں میں لکھی ہے، اس میں وہ فرائیڈ پر آکمل یا ملوم حلقے کے اثرات کے حلقے میں ماضی تک بھی کیا ہے مگر اپنے پر تکلیف روئے کے باعث وہ ان عوامل کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پایا اور اس نے ان اثرات کو سوانح سے

خارج کر دیا (یہ پال روڈن کا خیال ہے) اگر فرائیڈ کے ساتھیوں کے کام پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ سمجھنا ممکن ہے کہ ٹیلی ڈیٹنسی کے مسائل نے فرائیڈ پر کیا اثرات مرتب کئے تھے۔ مثال کے طور پر سینڈور فرنزئی جو فرائیڈ کا دوست بھی تھا اور ہنگری کا اہم ترین ماہر تحلیل نفسی بھی تھا وہ ٹیلی ڈیٹنسی کی حقیقت کو نہ صرف مانتا تھا بلکہ اس پر اصرار بھی کرتا تھا۔ ایک بار فرائیڈ نے فرنزئی کے مطالعات کو بطور شاہد پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ تحلیل نفسی کے نظام کے اندر فرنزئی آزادانہ طور پر ان نتائج تک پہنچا ہے۔ اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ تحلیل نفسی کے اندر جو بخلاء تھے ان کی وجہ یہ نہیں تھی کہ فرائیڈ ضرورت سے زیادہ اطلاعات کا خواہش مند تھا۔

فرنزئی (Ferenczi) تو اس بات کا قائل تھا کہ پیش گوئی کی جاسکتی ہے اور پہلی جنگ عظیم کے پہلے وہ وی آنا کی تحلیل نفسی کی سوسائٹی میں ٹیلی ڈیٹنسی کے ایک ماہر کو ملاقات کے لئے آیا تھا۔ کوئی شخص کلنڈر پر کچھ لکھتا اور معمول (Medium) یہ اندازہ لگاتا تھا کہ کلنڈر پر کیا لکھا گیا ہے۔ جب بھی اس کے شاگردوں میں سے کوئی کسی ایسے خواب کو بیان کرتا تھا جس میں ٹیلی ڈیٹنسی کا عنصر موجود ہو، کوئی ایسا کام جو کسی شخص کو کرنے کی ہدایات کی جائے۔ فرائیڈ اس بات سے انکار کئے بغیر کہ یہ مظاہر موجود ہیں، اپنے مقلدین سے کہتا تھا کہ وہ اس سطح میں احتیاط کریں۔ ۱۹۱۰ء میں وی آنا سوسائٹی کی جو کانفرنس ہوئی تھی اس کی روداد میں یہ درج ہے ایک طویل فیرر سی مکنگو اور بحث۔ روحانیت، عقلی علوم اور غیب بینی (Clairvoyance) کے بارے میں۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران حالات ایسے تھے کہ خود تحلیل نفسی کے دنیو کے باقی رہ جانے کے متعلق یقین سے کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا ان حالات میں ٹیلی ڈیٹنسی جیسے مسائل کو شامل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ فرائیڈ نے کم از کم اتنا تو کیا کہ وہ پبلک کے سامنے خود کو شک و شبہ میں نہ ڈالنا چاہتا رہا۔ پھر ۱۹۱۰ء کی سوسائٹی کی میٹنگ میں جہلی روحانیت، آکٹ ازم اور غیب بینی کو زیر بحث لایا گیا تھا تو فرائیڈ نے کہا۔ اگر ایسی چیزیں واقعی موجود ہیں تو پھر یہ فعلیات (Physiological) ہو سکتی ہیں، نفسیاتی نہیں، پھر یہ لگتا ہے کہ سوسامی طور پر ایسے خیالات جو غریب دیتے ہیں۔ تاہم فرائیڈ کے دیکھار ترین شاگرد ٹیلی ڈیٹنسی اور آکٹ ازم کے بارے میں لکھتے لکھاتے رہے۔ جو اس بات کی غمازی بھی تھی کہ فرائیڈ کی اپنی

دلچسپی بھی ان موضوعات میں سے ختم نہیں ہوتی تھی۔

اگرچہ فرائیڈ ٹیلی بیٹھی اور عقلی علوم کے سلسلے میں کھلا دماغ رکھتا تھا مگر وہ پراسرار اور معجزات کی اہم کے بارے میں سخت رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ جب فرائیڈ نے یہ لکھا تھا "خوش اعتقاد اور معجزات میں عمومی اعتقاد" انسانیت کے ایسے رجحانات ہیں، جن کو ہر صورت میں تحلیل نفسی کو فتح کرنا چاہئے۔ یہ بھی شبہ کیا جاتا ہے کہ عقلی علوم میں دلچسپی حقیقت میں مذہبی رجحانات کی بناء پر ہے۔ اور یہ بنیاد ہمارے نزدیک کسی بھی مضمون کے لئے بدترین بنیاد ہے۔ پھر فرائیڈ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا "جب تحلیل نفسی اور آکٹ ازم ایک دوسرے کا آئنا سامنا کرتے ہیں، تو اول الذکر تمام ذہنی حلقوں کو اس کا مخالف پاتا ہے اور یوں بڑی گرجوٹی اور پراسرار ہمدردی سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔" فرائیڈ کے نزدیک جب مخالفت ہوتی تھی، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی سچائی تلاش کر لی گئی ہے، اور گرجوٹی اور پراسرار ہمدردانہ استقبال کا مطلب تھا کہ لوگ اس پر ایمان لانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

چونکہ فرائیڈ کا خیال تھا کہ انسان کے اندر متضوفاۃ جذبات مٹائے نہیں جاسکتے، اور وہ اپنے طور پر شدید کوشش کرتے رہتے ہیں کہ متضوفاۃ اہم جو تعبیر خواب کے باعث کودی گئی ہے دوبارہ حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ اس طریقے سے فرائیڈ نے متضوفاۃ انگلوں کے کردار کو بیان کیا تھا اور آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ غیر واضح اور اک ذات انگو کی وہ اہم ہے جو اصل میں اڈ (ID) ہے۔ وہ انسانی احساسات جو فرائیڈ نے متضوفاۃ اعتقادات کے پس منظر میں دیکھے تھے۔ ان کا رشتہ دوسرے ایسے جذبات کے ساتھ تھا جن کو سمجھنا یا برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔

پلائیداری کا احساس یا احساس بحر آسا (Oceanic Feeling) فرائیڈ کی عقلی مہینیت کے لئے ہم کرنا آسان نہیں تھا کہ وہ کی سی یہ کیفیت فرائیڈ کے اسی دانشورانہ قلم روپ کے خلاف تھی، جو اسے بے حد عزیز تھا۔

فرائیڈ کے نزدیک سائنس کا جوہر یہ تھا کہ وہ اصول لذت (Pleasure Principle) سے ذہنی عوامل کا بہترین انحراف پیش کرتی تھی، اسے اس بات پر



آرزد معائنہ خواہش کی تکمیل۔

جب ہم کسی شے کو وجدان، کشف یا غیب جی کا نام دیتے ہیں، تو گویا ہم اسے فضولیات کے زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ کہیں فرانیٹز نے یہ بھی لکھا تھا ”ہم دلی (Empathy)۔۔۔۔۔ اس تقسیم میں بہت زیادہ کردار ادا کرتی ہے، جو شے ہم دوسروں میں دیکھتے ہیں، جو ہمارے اندر سے باہر ہوتی ہے“ مگر اس کے باوجود وہ اس حد تک عقلیت پسند تھا جب نظریات کو تفکیک دینے کا وقت آیا، تو انہوں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ”میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کے کاموں میں وجدان کا بھی کوئی ہاتھ ہوتا ہے“ اور پھر یہ کہ ”جو کچھ میں وجدان کے بارے میں نہیں جانتا ہوں وہ مجھے عقلی غیر جانبداری ہی کی پید اور نظر آتی ہے۔“

جیسا کہ اس کے ایک سوانح نگار نے مشاہدہ کیا فرانیٹز کے دو واضح رخ ہیں:

”ایک اس کا تاریک، جذباتی، خود انزوی اور توانائی رخ ہے، جو بلحاظ جذباتیت کی سطح تک بھی چلا جاتا ہے مگر اس کے باوجود اس میں خوش دلی کا عنصر بھی موجود ہے۔ دوسرا رخ دانشورانہ ہے، جس میں دلیل بازی خاصی حد تک موجود ہے۔ یہاں وہ اپنی لطیفوں کو فوراً حلیم کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ کوئی انہیں ثابت کر دے، پھر اس میں اصول وضع کرنے کا رجحان بھی ہے اور وہ ہر شے سے سچی بھی حاصل کر لیتا ہے۔“

جوں جوں فرانیٹز کی عمر بڑھتی گئی، اس کے دو پہلو۔۔۔۔۔ مظلوم کا رویہ پھلوا اور مشاہدہ کئے جانے والے عوامل کا عقلی سائنسی پہلو۔ زیادہ سے زیادہ واضح ہوتے چلے گئے۔ فرانیٹز کے وہ پہلو جن کا مشاہدہ اس کے شاگرد پہلے پہل کیا کرتے تھے اور ان کو محض اس کی ذاتی عقلی عادات (Eccentricities) سمجھتے تھے، بعد میں ٹیلی ویشن کے وجود کی موافقت سے منسلک نظر آنے لگیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ انتقال خیالات میں اس کا ایمان لے آئے فرانیٹز کی زندگی کے ایسے حصے میں نمودار ہوا جس کا تعلق ۱۹۲۰ء سے ہے، جب وہ عقلی نفسی کے فنکارانہ پہلو کی بجائے سائنسی رویوں پر زیادہ سے زیادہ زور دے رہا تھا۔ اگرچہ اس کے یہ رجحانات اس وقت ظاہر ہوئے تھے، جب ٹوٹک اس کے حلقے کو چھوڑ کر چاہکا تھا۔ اگر یہ جاننے کی خواہش ہو

کہ وہ دونوں کیسے اکٹھے ہوئے تھے اور ان کے جدا ہو جانے کا سبب کیا تھا تو فرانیٹز کی زندگی کو مجموعی طور پر دیکھنا پڑے گا۔

”فرانیٹز نے ۱۹۱۱ء میں لکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مارٹا سے اس کی منگنی ہوئی تھی، وہ زمانہ جب میں ایک انجینیئر میں (پرس) آگیا رہتا تھا اور میں اس زمانے میں نوجوان آدمی تھا۔ اس زمانے میں مجھے واضح طور پر یہ لگتا تھا کہ کوئی اچانک بہت محبت بھری آواز میں میرا نام پکارتا ہے۔ اس میں غلطی کی گنجائش ہی نہیں تھی، پھر میں نے یہ نوٹ کرنے کی غلطی کہ یہ بل مجھ پر کب دارو ہوتا ہے اور اس کا صحیح وقت میں نے نوٹ کیا تھا اور بڑے تجسس سے یہ معلومات حاصل کی تھیں۔ اس وقت میرے گھر میں کیا واقعہ ہوا تھا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔“

۱۹۲۳ء میں، بہر صورت ٹیلی ڈیجیٹی کے سلسلے میں فرانیٹز کا رویہ اس قدر تبدیل ہو چکا تھا کہ جس تجربے کو اس نے کبھی بل اور فریب (Hallucination) قرار دیا تھا کہ اس کے بارے میں اس نے کہا۔

”مجھے یہ بات اب تسلیم کرنی پڑے گی کہ پچھلے چند برس میں مجھے کچھ ایسے ہائل تجربات ہوئے ہیں جن کو صرف ٹیلی ڈیجیٹی یا انتقالی خیالات کے حوالے ہی سے بیان کیا جاسکتا ہے۔“

فرانیٹز نے کم از کم ٹیلی ڈیجیٹی کے ایک حاضرہ (Seance) میں ضرور شرکت کی تھی۔ اس کے دل میں اس وقت آکٹ کے لئے اتنی ہی گنجائش تھی، جتنی گنجائش ساوہ لوح نفسیات دان ولیم جیمز (William James) کے دل میں کبھی موجود تھی۔ اس محفل میں شرکت کرتے وقت اصولی طور پر فرانیٹز مردوں سے منگلو کا خواہش مند نہیں تھا بلکہ وہ تو زندوں کے ساتھ انتقالی خیالات کرنا چاہتا تھا۔ اسے اس بات کی خوشی بھی تھی اور وہ اس امر سے گریزاں بھی تھا کہ وہ انسانی ذہن بغیر شعور کے پلی کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مواصلاتی تعلق قائم کریں گے۔ فرانیٹز کے لئے ٹیلی ڈیجیٹی بہت جاہلیت رکھتی تھی، کیونکہ اس کے ذریعے وہ لا شعور کی اہمیت کو اجاگر کر سکتا تھا۔ مگر اس کو خوف تھا کہ یہ سمجھا جائے گا کہ ہم نے سائنس

کے جلوے کو خیرباد کہہ کر پھر سے توہمات کا راستہ اختیار کر لیا ہے، ایک بار تو اس نے والدہ اور بیٹے کے مابین ٹیلی پیٹھی کو بڑی طرح رد کیا تھا اور کہا تھا کہ ان میں لاشعوری ذہن اس قدر تھا کہ اسے کسی ٹیلی پیٹھی کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ اس کے حوالے سے اس کی تشریح کی جاتی۔

پھر کیرئرز کے آغاز یعنی ۱۸۸۹ء کی تحریک کا حوالہ دیتے ہوئے فرانیٹز نے کہا تھا کہ جو غیر واضح مسائل چٹانوں کے گرد جمع ہو گئے ہیں، اس میں اشتعالی خیالات بھی شامل ہے۔ چٹانوں پر اس کا انحصار اس قدر تھا کہ شروع شروع میں اس نے اسے ٹھنک کو بلور طریقہ علاج بتایا تھا۔ فرانیٹز اس زمانے میں بھی یہ جانتا تھا کہ انسانی ساجھی کے اندر ایسے عوامل بھی ہیں، جو محرکی طرح نظر آتے ہیں۔ پھر اس نے یہ بھی سوچا کہ نیند کی حالت ٹیلی پیٹھی کے پیچلات کے لئے خاص طور پر موزوں ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ تعبیر خواب کے بارے میں اپنی سرگرمی الارا کتاب لکھنے سے پہلے وہ اشتعالی خیالات کی منطق پر غور کر رہا تھا۔ فرانیٹز نے نہ صرف اس حقیقت کو بیان کیا تھا کہ نیند کی حالت ٹیلی پیٹھی کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ بلکہ شاید اس کا یہ خیال بھی تھا کہ نیند ایک عارضی موت ہے اور پھر اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ شاید اسی لئے ٹیلی پیٹھی کے اکثر پیچلات کا تعلق موت سے یا موت کے امکان سے ہوتا ہے۔

اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ فرانیٹز ٹیلی پیٹھی کے بارے میں جانب دار تھا یا نہیں تھا مگر موت کے ساتھ اس کا تعلق اس قدر شدید تھا کہ اسے توہم کا درجہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ پھر اس نے بعد میں ہیلٹ مرگ بھی دریافت کی تھی اور اسے اپنی پوری باہد انہسیات (Metapsychology) کی بنیاد بنایا تھا۔ مگر شروع شروع کے زمانے میں بھی اس کا یہ حال تھا کہ وہ جب کسی ایسے شخص کو ملتا جو شکل و صورت میں اس کا مشابہ ہوتا، تو اسے لگا کہ یہ موت کی مشین کوئی ہے۔ پھر اس نے کھلے عام یہ بھی کہہ دیا تھا۔ ”اپنے لاشعوری خیالات کے مطالعے سے مجھ پر یہ نکلا ہے کہ کچھ خیالات تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ میرے اندر ایک توانائی رجحان پیدا ہو گیا ہے، اور ہر بار ان اعداد کا تعلق کسی نہ کسی طرح میری موت سے نکل آتا ہے۔“ عام طور پر میرے ساتھ یہ واقعہ ہوتا ہے کہ میں اپنی زندگی کی موت اور اپنے عزیزوں کی زندگی کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔۔۔۔۔ جو ز نے لکھا تھا کہ جب فرانیٹز ساتھ برس کا ہوا تھا تو اسے یہ خیال تھا کہ اس کی زندگی محض دو برس باقی رہ گئی ہے، اور پھر جب وہ اٹلی گیا تھا تو وہ کاہنوس بار بار اس ذہن پر سوار ہو جاتا تھا۔ مختلف اوقات میں اس نے یہ سوچا

کہ وہ کسی خاص وقت مرنے والا ہے، جب اس کی عمر ۸۰ برس ہوئی تھی تو وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ بھی اس عمر میں مرے گا جس عمر میں اس کا باپ فوت ہوا تھا۔

نئی حقیقی کے بارے میں فرائیڈ کے خیالات کا تعلق فانی ہونے کے تصور (Mortality) سے تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی چونکہ فرائیڈ جذبات میں دو کونیت (Ambivalence) کا قائل تھا اس لئے فانی اور بھائے دوام اس کے لئے ایک ہی خانے میں فٹ ہونے والی چیزیں تھیں۔ لہذا ہم اسے بھائے دوام کو خواہش بھی کہہ سکتے ہیں، ممکن ہے کہ فرائیڈ یہ محسوس کرتا ہو کہ جو کام وہ کر رہا ہے، اس سے اسے بھائے دوام حاصل ہو گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے یہ بھی محسوس ہوتا ہو کہ وہ جسمانی طور پر پیشہ موجود نہیں رہے گا۔ ایٹو کے گویا دو حصے تھے جن میں سے ایک قائم رہنے والا تھا اور دوسرا فنا ہو جانے والا، یا ممکن ہے یہ اسی طرح کی جذباتی کیفیت سمجھی گئی ہو، جو بیٹا باپ کے سلسلے میں اور بیٹی ماں کے سلسلے میں محسوس کرتی، یعنی ایڈی پس حالت۔۔۔۔ جس میں ایک ہی معروض کے ساتھ محبت بھی کی جاتی ہے اور نفرت بھی، اسے فرائیڈ محبت۔ نفرت کا رشتہ کہتا ہے۔ یہ اسی طرح کا تعلق ہے جو آئن سٹائن نے ہمیں کی جتنوں (Dimensions) کا وقت کے ساتھ قائم کیا تھا اور زبان کو مکان کی چوتھی ابعاد بنا دیا تھا۔ فرائیڈ کا خیال تھا کہ ڈبل (Double) کا یہ تصور بنیادی طور پر اس بات کی یقین دہانی تھی کہ ایٹو کے اندر تحریک کثرت نہ ہو اور موت کی قوت سے عملی طور پر انکار کرنا ممکن ہو سکے۔ پھر آئو رینک (Otto Rank) نے کہا تھا ”فنا نہ ہو سکتے والی روح جسم کا پسلا اہل تھی، جیسے وقت کے تین ابعاد ہمیں سے متعلق ہوتے ہیں۔“

جب بھی فرائیڈ کے کسی خیال کو بیرونی حقیقی دنیا میں ڈپلیکیٹ (Duplicated) کیا گیا اس کے تواتر جاگ اٹھے۔ ۱۹۰۶ء میں فرائیڈ کی پہچاسویں سالگرہ پر ایک میڈل بنایا گیا جس پر سوفوکلیز (Sophocles) کے ایڈی پس ریکس (Oedipus Rex) کا ایک مقولہ درج تھا۔ ”کس نے ابو الملک کا معرہ حل کیا اور سب سے طاقتور آدمی کون تھا؟“ مگر فرائیڈ کو یہ الفاظ اچھے نہ لگے، یہ کھلا کہ جب وہ وی آنا یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تو اس نے یہ الفاظ اپنے ایک کچ کے لئے سوچے ہوئے تھے۔ جب اس کی نظر میڈل کے پیغام پر پڑی، تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔۔۔۔۔ اس نے بڑی اذیت کے ساتھ اور گھٹنی ہوئی آواز پوچھا کہ ان الفاظ کا خیال کس کو آیا تھا۔ فرائیڈ اپنی یادداشت کے سلسلے میں بہت حساس واقع ہوا تھا یادداشت کا استحباب اور



اس کے اندر ہونے والی تبدیلیاں منطقی طور پر اس کے لئے بہت دلچسپی کی حامل تھی۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عقلی نفسی کا طریق کار مکمل طور پر یادداشت پر انحصار کرتا ہے۔ جہاں یادداشت میں کوئی رکاوٹ آتی ہے، تو یہ گویا خبط کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ جب ہم یادداشت کے مانعہ تک رسائی حاصل کر لیں تو خبط (Complex) غائب ہو جاتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ خبط یا کمپلکس ایک گرہ ہے، جو یادداشت کے اندر پڑ گئی ہے، جب اسے کھول دیا جائے تو جذباتی ہماؤ بغیر کسی رکاوٹ کے آگے سفر کرنے لگ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے جو تحقیق کی تھی، اس میں وہ انہوں کا تعلق متاثرہ نفسی احسانات سے تھا، پھر وہ جو کچھ پراسرار عنوان Rubic Of Uncanny کے تحت زیر بحث لایا تھا اگر وہ عقلی نظریں نہیں تھا، تو کم از کم مایوس کن ضرور تھا۔ اس کے لئے پراسرار کا مطلب نہ قابل قبول تھا۔ ہر ایک مضمون میں اس نے اس کا تعلق خوفناک سے جوڑا تھا، پھر بال روزن کا یہ بھی خیال ہے کہ پراسرار کے اندر خود فرانیٹز کی تشویش بھی شامل تھی۔ ایک ایسا انسان جس کو دوستوئسکی (Dostoyevsky) کی طرح ڈبل میں اس قدر دلچسپی تھی، وہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ شعور ضرور رکھتا ہوگا، جو ان موضوعات کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔ یہ بات قطعی ذکر ہے کہ فرانیٹز نے پراسرار کے بارے میں تقسیم کے لئے جو نگہداشت پیدا کی ہے، اس کے بارے میں اسے یہ دعوے نہیں ہے کہ اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ایک مضمون جو اس نے پہلی جنگ عظیم کی جان لیوا عقلی کے دور ان لکھا تھا۔ اس میں وہ کہتا ہے:

میں نے لوب کو پوری طرح سمجھا نہیں ہے۔ خاص طور پر غیر عقلی ادب کو، اپنی ان عکسرات، معروضات میں، ان وجوہات کی بناء پر جن کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے اس عصر سے تعلق رکھتی ہیں، جس میں ہم آباد ہیں۔ لہذا میں اپنی معروضات کو پیش کرتے ہوئے یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کے ساتھ ترقی پسند سلوک کیا جائے۔

فرانیٹز کا جھگڑا اڈلر (Adler) اور سٹیکل (Stekel) سے کیوں ہوا؟ یہ سمجھنا آسان نہیں ہے اور فرانیٹز کی ترجیحات کو سمجھنا بھی آسان نہیں ہے۔ اگرچہ وہ درست ہو سکتی ہیں مگر عام طور پر اس کی تشویش کی پیداوار ہیں، اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ آئٹل ازم کے ساتھ ساتھ جن دوسری چیز نے فرانیٹز کو پریشان کئے رکھا، وہ یہ تاجزہ تھا کہ ٹیکپیٹر

(Shakespeare) کے کھیل اصل میں کس نے لکھے تھے؟

فرائیڈ پر اسراریت کے احساسات کے حقیقی پہلو جاننے کی کوشش میں لگا رہا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ یہ تجربات اصل میں بغیر کسی استثنیٰ کے کسی ایسی جاتی پر بھی صورت مل سکتے ہیں، جسے ذہن میں دیا گیا ہو۔ اگر ڈونگ کا استاد بلے لڑ (Bleuler) سائبرگ کانفرنس میں فرائیڈ پر اسرار اثر ڈال سکتا تھا تو اسے ممکن ہے فرائیڈ اپنے ایک عمومی اصول کے حوالے سے بیان کرتا "ہم کسی ایسے شخص کے بارے میں پر اسراریت کا شکار ہو سکتے ہیں" جو زندہ ہو، ایسا اس وقت ہوتا ہے، جب ہم اس کی ساتھ شرانگیز خواہشات کو متعلق کریں" (بلے لڑ فرائیڈ کا ایک ایسا حریف تھا جس سے وہ ڈونگ کو جھین لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔)

فرائیڈ کو ڈونگ کے سلسلے میں بھی انہیں مسائل کا سامنا کرنا پڑا جن کا سامنا وہ پہلے اولر اور فلیس (Fliess) کے سلسلے میں کرچکا تھا مثلاً اس میں یہ بحث بھی شامل ہے کہ کونسا خیال کس کو پہلے سوچا تھا۔ عقلی نفس کے معاملے کا انحصار انتقال، خیالات پر تھا۔ جس میں شعوری اور لاشعوری دونوں طرح کے خیالات شامل تھے۔ یہ خیالات مریض کے معالج کی طرف منتقل ہوتے تھے۔ لہذا فرائیڈ کے لئے یہ مشکل بات نہیں تھی کہ وہ ٹیلی وٹھنی کے مواصلات کے لئے عقلی جواز فراہم کر سکتا ہے۔ شاید کوئی معاصر ماہر عقلی فرائیڈ کی پریکٹس میں اس بات کا اندازہ کر سکتا تھا کہ انتقالی خیالات کے سلسلے میں اس کے جو جذبات تھے، ان کا تعلق اس کے بچپن کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے۔ یعنی کوئی شخص اس سے کوئی شے جھین کر لے جاسکتا ہے۔ پھر اسے اس یقین دہانی کی بھی ضرورت تھی کہ وہ اپنی ماں کا اگر اکلوتا نہیں، تو سب سے بڑا بیٹا ضرور ہے۔

اس طرح کی کم از کم کوئی تشریح تو درکار تھی کہ فرائیڈ جیسا سائنسی ذہن ٹیلی وٹھنی کی حقیقت کو قبول کرنے کے معاملے میں اس قدر دور تک چلا گیا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے فرائیڈ کلنی ہاؤس میں اپنے دوستوں کو یہ بتایا کرتا تھا کہ اسے ایک پر اسرار شے کے بارے میں یقین کی حد تک علم ہے مگر وہ اس سلسلے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا بے باک ہو گیا اور آخر ۱۹۱۱ء اپنے قریبی ساتھیوں کے درمیان اس نے ایک مقالہ پڑھا تھا جس کا عنوان تھا Psychology And Telepathy مگر اس کی موت کے بعد تک یہ

مقالہ شائع نہ ہوا۔ اب اس کا کچھ حصہ ضمیمے کے طور پر اس کتاب میں شامل ہے۔ (مغلی علوم اور  
ژونگ کے حواشی میں)۔ اگرچہ اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس مواد کے سلسلے میں اس کا ذاتی  
رویہ ذوق و شوق سے جاری اور دو کوئٹ کا شمار رہا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں  
بے باکی آتی گئی۔

۱۹۳۲ء میں فرانیڈ نے آکٹ ازم کے بارے میں لکھا جب وہ پہلی بار میری نظر میں  
آئے۔ یہ کوئی دس برس پہلے کی بات ہے، تو میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ سائنسی شاہکار حیات  
(Weltanschauung) کے خلاف ہے، اس وقت مجھے یہ خیال تھا کہ اگر یہ درست ثابت  
ہو گیا تو پھر روحانیت اور تصوف، سائنسی شاہکار حیات کی جگہ لے لیں گے۔ مگر اب میرا خیال  
اس کے برعکس ہے، فرانیڈ کو پورا یقین تھا کہ اپنے طبی تجربے میں اس نے ٹیلی بیٹھی کے  
سلسلے میں بہت سا مواد حاصل کر لیا تھا جس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ پلڑا انتقال خیالات  
کی جانب جھکا ہوا ہے۔ جیسا کہ آغاز کار میں فرانیڈ اپنے کام کو تصوراتی کی بجائے حقیقی سمجھتا  
تھا۔ اس نے لکھا تھا ”یہ حقیقت ہے کہ انتقال خیالات کے سلسلے میں امکان یہی ہے کہ توازن  
اس کے حق میں ہو“ اور پھر اسی سال اس تحریر کے بعد اس نے کہا تھا ”تمام معروف آکٹ  
مظاہر کے پیچھے کوئی شے غی اور اہم موجود ہے۔ یعنی یہ کہ خیال کے مظاہر بھی اپنے رازوں کو  
نظر آنے والے مواد کے پس پردہ چھپائے رکھتے ہیں۔“

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ کسی زمانے میں فرانیڈ ژونگ کی طرح ٹیلی بیٹھی کا  
معتقد ہو گیا ہو۔ توانیات (Supersticiousness) کے مانعہ کو بیان کرتے ہوئے، فرانیڈ نے  
اس بات کو غامض طور پر نوٹ کیا تھا کہ جو ادعا (Predilection) ظلوئے وہم  
(Obsession) کے مریض، بے یقینی اور شک کے سلسلے میں ظاہر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے  
اس کا دھیان اور موضوعات کو ترجیح دینے کی طرف منتقل ہو گیا ہے کہ تمام انسانیت بے یقینی پر  
تکفیل ہوتی ہے اور اپنے دل و دماغ کو تھکیک کے لئے کھلا رکھنا چاہئے۔ کہ اس کے بعد فرانیڈ  
موت اور یادداشت کا ذکر کرتا ہے، اس کے علاوہ وہ پدریت (Paternity) اور بتائے دوام  
(Immortality) کے موضوعات بھی زیر بحث لاتا ہے۔ خواہ ژونگ کسی بھی وجہ سے آکٹ  
کی طرف متوجہ ہوا ہو۔ فرانیڈ کے ذاتی غلطی مسائل اس طرف مبذول کرنے کے لئے کافی  
تھے۔

یعنی طور پر فرائیڈ نے یہ سوچا تھا کہ اس کے اپنے قواعد کا ماخذ اس کے دے ہوئے ارمان ہیں۔ (ہٹائے دوام) اور پھر اس نے کہا تھا کہ موت کے سلسلے میں میری تشریح زندگی کی عام بے یقینی سے ابھرتی ہے۔ فرائیڈ اور ڈوگک دونوں ہی ہٹائے دوام کی آرزو رکھتے تھے اور ان دونوں کے مابین جو لڑائی رہی، وہ شاید فرائیڈ کے اس سنہری اصول کے مطابق تھی کہ بعض اوقات ہم دوسروں کے لاشعوری محرکات کے بارے میں جو اندازہ لگاتے ہیں، وہ اصل میں اپنی خواہشات کو پہچاننے کے سلسلے میں آنکھیں بند کرنے کا عمل ہوتا ہے۔ فرائیڈ کا معالجی طریقہ نفسی حقیقت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کا سبب ہے اور فرائیڈ کا خیال تھا کہ یہ رجحان اس کے قواعد کا ماخذ ہے۔

۱۹۰۱ء میں اس نے لکھا تھا کہ اعلیٰ ترین ذہانت کے لوگوں میں

”قواعد دے ہوئے حریفانہ اور محدود آئینہ جذبات سے ابھرتے ہیں۔ قواعد زیادہ تر کسی مرکز کی توقع پر انحصار کرتے ہیں اور وہ شخص جو اپنے اندر شر کو پالنا رہتا ہے دوسرے کے خلاف ہو جاتا ہے، لیکن اسے یہ تربیت دی گئی ہوتی ہے کہ وہ بھلا آدمی ہے، لہذا وہ ان خواہشات کو لاشعور میں دھکیل دیتا ہے اور پھر وہ اپنی لاشعوری کینکوں کی وجہ سے یہ توقع کرتا رہتا ہے کہ باہر سے کوئی اس پر حملہ آور ہو گا۔“

اس طرح کی خصوصیات فرائیڈ کے کردار کے قریب تر ہیں۔ اسی کے نقطہ نظر کے مطابق وہ لوگ جو غلوئے و ہم کار رجحان رکھتے ہیں، غیر معمولی اتفاقات سے اکثر دوچار ہوتے ہیں۔ ۶۳ کے عدد سے بار بار منہ بھیڑ ہو جانا جو اصل میں اس کے اپنے ہی اندرونی احساسات کا انعکاس ہے۔ اس سے ان قواعد کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جو ان کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ وہی خیالات بیرونی دنیا میں نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ بہر صورت فرائیڈ نے ایک بار یہ دعویٰ کیا تھا۔

”وہ ان بھلل لوگوں میں سے ہے جن کی موجودگی دوسروں کو یکہ کرنے میں دیتی اور باوقی الفطرت انہیں دیکھ کر خوفناک ہو جاتے ہیں۔ لہذا میں ساری زندگی بھی اس قابل نہیں ہو سکا کہ کسی شے کا خود تجربہ کر سکوں، جس کی وجہ سے میرے دل میں بھڑکت

کے لئے گھماؤں پیدا ہو جائے۔“

لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں ہے کہ فرائیڈ کی دلچسپی آکٹ ازم میں تھی، ایک بار اس نے لکھا تھا۔

اگر مجھے ایک اور زندگی مل جائے تو اسے تحلیل نفسی کی بجائے سائیکل کل تحقیق پر خرچ کروں گا۔

اس میں بھی شاید کوئی تناقض ہوں کہ فرائیڈ اس سلسلے میں اپنی دور تک کیوں گیا تھا۔ اپنے اندرونی دہاو کی وجہ سے فرائیڈ نے نفسی طریق علاج میں ایک نئی تکنیک کی بنیاد رکھی تھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک پورا نظریاتی نظام تشکیل دیا تھا اور مریضوں کا علاج کرتے کرتے اس نے ایسے طریقے بھی دریافت کر لئے تھے، جو اپنا علاج خود کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ جب فرائیڈ کی شخصیت کو پھر سے صاف شمرے طریقے سے دوبارہ تشکیل دینے کی کوشش کی جائے، تو اسے حقیقی طور پر کھٹنا مشکل ہو جاتا ہے، مگر اتنا ضرور محسوس کیا جاسکتا ہے کہ فرائیڈ کے اندرونی تصادم، خواہ وہ جزوی طور پر ہی سمجھے جاسکیں، خود فرائیڈ کے لئے بہت زیادہ ابھام کے حامل تھے، اور کئی بار انہوں نے اس کے انسانی تعلقات کو بڑی طرح توڑ پھوڑ دیا تھا۔ یہ گویا فرائیڈ کی مصروفانہ آرزوئیں تھیں اور اس کا تکلیف دہ آکٹ ازم میں دلچسپی لینے کا رجحان تھا جو معمولی سائنسی اختلافات کے باعث ایک انسانی شے بن گیا تھا اور وہ اس کے اور اس کے ولی عہد کے درمیان دیرینہ کر مائل ہو گیا تھا۔

ہم نے فرائیڈ کے اندر کچھ غیر عمومی نفسی علامات دریافت کی ہیں۔ اگرچہ ہم واضح طور پر ان کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ اس کا بار بار ٹکرا جانا، اس کی شخصیت کے ایسے رخ کو ضرور پیش کرتا ہے جو بے حد غیر معمولی ہے۔ مگر کیا ایسی کوئی صورت حال خود تک کے سلسلے میں بھی موجود ہے؟ پال روزن کا خیال ہے۔ ڈونک بھی مزاج کے لحاظ خاصہ بے پلگ تھا مگر اس میں ایک خوبی بھی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک کسی سے ناراض نہ رہ سکتا تھا۔ فرائیڈ سے الگ ہونے کے بعد اس نے فرائیڈ کے مقلدین کے خلاف خاصی دیر تک نفرت ہی

مخصوص کی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ انہوں نے اس کی پریکٹس (Practice) کو برسوں تک خراب کیا تھا۔ پھر اس نے ذاتی طور پر فرائیڈ کے نیورس کے مریض ہونے کے بارے میں کہانیاں سنائی تھیں، مگر جب ارنسٹ جونز (Ernest Jones) نے جو فرائیڈ کی سوچ لکھ رہا تھا اس سے پرہیز کیا کہ وہ اس معاملے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرے، تو جواب میں اس نے کہا تھا کہ اس بات کو ایک زمانہ ہو چکا ہے۔ فرائیڈ کو مرے ہوئے بھی کئی سال گزر چکے ہیں۔ وہ اب اس لڑائی کو طول دینے کو تیار نہیں ہے۔ مگر جب جونز سوچ مری لکھ چکا تو ڈونگ نے یہ اعتراض اٹھایا کہ جونز کو اس سلسلے میں اس سے رابطہ کرنا چاہئے تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ فرائیڈ ڈونگ سے کہیں زیادہ مضبوط مزاج کا تھا۔ مگر ایک بار جب وہ چڑھتا تو پھر وہ اپنے قابو میں نہ رہ سکتا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں اس نے جب اڈر اور ڈونگ کی طبیعت کی بارے میں لکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ اس قدر ناراض ہو سکتا ہے اور کتنی نازیبا زبان استعمال کر سکتا ہے۔ فرائیڈ کو ڈونگ سے ناراض ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ ڈونگ نے اس سے اور تحلیل نفسی سے بہت کچھ حاصل کیا تھا مگر فرائیڈ اس کے بدلے میں زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکا تھا پھر لوگوں کے سامنے اس نے قصہ دکھانے سے گریز کیا تھا چنانچہ اس نے کہا تھا کہ اڈر اور ڈونگ سے وہ توقع ہی نہیں کرتا تھا کہ وہ اس کے ممنون ہوں گے، لیکن وٹل (Wittel) جو فرائیڈ کا پہلا سوچ نگار ہے، یہ کہتا ہے جس قدر قصے کا اعتماد اس نے شیکل کے معاملے میں کیا تھا اس سے اڈر اور ڈونگ کے بارے میں اس کے جذبات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ پھر جب ۱۹۱۳ء میں وہ اپنے تصور جبر اعادہ (Repetition Compulsion) پر کام کر رہا تھا تو اس نے ناشکری کے اچھے نمونے (Tragedy Of Ingratitude) پر بات کرتے ہوئے کہا تھا ”میرا ان لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اور ان سب کو بالکل ایک سا پایا ہے، ایک ہی نتیجہ نکلا ہے، اگرچہ ان کے مزاجوں میں خاصے اختلافات تھے، مگر ان سب نے اپنے صحن کو ایک ہی طرح خیرباد کہا ہے، لہذا یہ ساری کتنی اس کو اکیلے ہی برداشت کرنی پڑی ہے۔“

۱۹۱۶ء میں جب ہارورڈ یونیورسٹی اپنی صد سالہ جشن منا رہی تھی، اس وقت فرانکلن روز ولٹ (Franklin Roosevelt) ریاست ہائے متحدہ امریکا کا صدر تھا۔ یہ جشن بہت بڑے پیمانے پر منایا جا رہا تھا۔ تو ایک کمیٹی نے مختلف طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ فرائیڈ کو ایک اعزاز دی جائے مگر اس وقت یہ خیال کسی کو بھی نہ آیا تھا کہ فرائیڈ کا اس اعزاز کو قبول کرنے کا

امکان صفر ہے۔ اب مشکل یہ تھی کہ اگر فرائیڈ انکار کر دیتا تو پھر یہ ضروری نہیں تھا کہ ڈگری کسی ماہر نفسیات ہی کو دی جاتی، یہ اعزاز ہی ڈگری کسی ایسے شخص کو بھی دی جاسکتی تھی، جو کسی اور مضمون کا اسکالر ہوتا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ فرائیڈ کی بجائے یہ اعزاز ہی ڈگری ٹونک کو دی جائے، چنانچہ یہ ڈگری 'ٹونک ہی نے حاصل کی۔ اس کارروائیوں میں جیسے ہیٹس (Pierre Janett) کو بھی بلایا گیا، چنانچہ اس نے بھی اس تقریب میں لکچر دیئے تھے۔

ٹونک ہارورڈ کے جس ماہر اعصابیات (Neurologist) کے گھر میں ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کا نام سٹیو کوب (Stanley Cobb) تھا، سٹیو کا زیادہ تر تعلق فرائیڈ کے حلقے کے ساتھ، مگر اس کے باوجود عقیدت کا عالم یہ تھا کہ یورپ کی روایت کے مطابق جب ٹونک نے اپنے گھر سے اس کے کمرے کے باہر دکھ دیئے تھے، تو کوب نے انہیں اٹھا کر اپنے ہاتھ سے پالش کر دیا تھا، مگر جب ٹونک کو ایک ہسپتال میں لیکچر دینے کے لئے بلایا گیا تھا، تو کوب سے ایک ایسی غلطی سرزد ہوئی تھی، جو تحلیل نفسی کی تاریخ میں ایک یادگار ہے، کوب جب ٹونک کا تعارف کروانے کے لئے اٹھا تھا، تو اس نے اس کا تعارف کروائے وقت اسے ڈاکٹر فرائیڈ، کہہ دیا تھا۔ بعد میں اظہار کے رپورٹوں نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا، کہ جب ٹونک فرائیڈ کا شاگرد ہے، تو پھر استاد کو کیوں دعوت نہیں دی گئی۔

۔ بعد میں ہارورڈ کے نفسیات دان ہنری مرے (Henry Murray) نے جب دی آنا میں فرائیڈ سے ملاقات کی تھی، تو اسے عداوت ہو ا تھا کہ فرائیڈ اگرچہ بڑھا ہوا چکا ہے، مگر اسے اس چیز کی بہت خواہش تھی کہ اسے عالمی طور پر کوئی اعزاز دیا جائے۔ اس محنت کے آغاز ہی میں فرائیڈ نے یہ سوال اٹھا دیا تھا کہ ٹونک کو اعزاز ہی ڈگری کیوں دی گئی تھی۔ ہارورڈ یونیورسٹی کو یہ اعزاز فرائیڈ کو دینا چاہئے تھا۔ مرے نے ساری صورت حال بیان کی تھی اور بتایا تھا کہ اس کی عمر اور صحت کی وجہ سے یہ نہ ہو سکا۔ فرائیڈ اس وقت بھی ٹونک کے ساتھ حالت جنگ میں تھا۔ فرائیڈ نے کہا کہ وہ یہ پیش گوئی کرنے میں حق بجانب تھا کہ شرت ان لوگوں کے حصے میں آئے گی جو لوگ محض تحلیل نفسی کا بہروپ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ٹونک کو اس صورت حال سے یقیناً دکھ پہنچا ہو گا، مگر اس کا دکھ اس وقت دور ہوا ہو گا، جب ۱۹۳۸ء میں اسے آکسفورڈ یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی اعزاز ہی ڈگری سے نوازا تھا۔ فرائیڈ اس وقت بھی زندہ تھا اور دوسری

جنگ عظیم بھی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔

ژونگ اور فرائیڈ کے باہمی روابط کے بارے میں اس قدر زیادہ مواد موجود ہے کہ یہ بجائے خود ایک کتاب بلکہ کئی کتابوں کا موضوع ہے۔ اس حوالے سے میں نے اپنی کتاب "فرائیڈ کی نفسیات کے دو دور" میں ہی کچھ لکھا تھا ان کے مابین جو خط و کتابت ہوتی رہی ہے، وہ ایک الگ تفصیلی موضوع ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب بھی ہیں اور بے حد دور بھی ہیں۔ ژونگ ایک قد آور درخت کی ایسی شاخ ہے، جو تنے کے قریب ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ گویا یہ دونوں الگ الگ درخت ہیں۔ دونوں کی پیوند کاری بھی الگ الگ طریقے سے ہوئی ہے اور اب ان پر جو پھل نظر آتا ہے، وہ دیکھنے میں ایک دوسرے سے بے حد مختلف ہے، مگر اصل میں ایک ہی طرح کا پھل ہے۔ اس کی مثال اس درخت جیسی ہے، جس کے ایک طرف الور رٹول آم لگا ہو اور دوسری طرف دوسری آم ہو، پھر جب شاخیں آگے بڑھتی ہیں تو آموں کی اقسام میں مزید تنوع آ جاتا ہے۔

جدید عینیت نفسیات اس لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے کہ وہ انسان کے باطن کے اندر جمائے کی کوشش کرتی ہے۔ جبکہ روایتی سائنس کے حوالے سے باطن کی موجودگی کا کوئی جواز ہی موجود نہیں۔ اب جبکہ اصول لاطینی اور انتشار کے نظریات حاوی ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ امکان کھل کر سامنے آیا ہے کہ آکٹ یا عقلی علوم کی ایک سائنسی بنیاد موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود فضا میں دھواں اس قدر زیادہ ہے کہ اس مقام کو تلاش کرنا بہت مشکل واقع ہو گیا ہے۔ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ فرائیڈ اور ژونگ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ دونوں ہی آکٹ کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ فرائیڈ شاید اس خیال سے کہ کہیں آکٹ کے بارے میں اس کے رویے کی وجہ سے تحلیل نفسی کو نقصان نہ پہنچے، بہت گھٹا گھٹا محسوس کرتا رہا۔ مگر ژونگ نے دلیری و کھائی اور عقلی علوم کے بہت سے شعبہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی تفصیل آپ کتاب دوم میں ملاحظہ کریں گے۔



کتاب دوم

مخفی علوم



سرخ علم، عقلی علوم پر انحصار کرتا ہے، اور یہ دونوں ایک دوسرے کے پارے میں جزدی معلومات رکھتے ہیں، اور ان دونوں کی جزدی معلومات کے باوجود ایک بہت بڑا دائرہ ایسا بھی ہے جس کے پارے میں دونوں ہی کچھ نہیں جانتے۔ اس لئے ہم اس کے پارے میں کوئی بات نہیں کر سکتے۔ صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ماضی میں سفید اور سرخ دائرے بہت ہی بھونٹے تھے پھر وہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگے، شروع میں سرخ دائرہ زیادہ تیزی سے بڑھا اور زیادہ دور تک پھیلتا چلا گیا سفید دائرہ اس سے بچے کی طرح تھا جو شروع میں بہت آہستہ رہتا ہے، مگر بعد میں تیزی سے ہر کام کرنے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ جب سفید دائرہ پھیلتا شروع ہوا تو تیزی سے پھیلتا اور خاصی دور تک پھیلتا چلا گیا اب یہ دونوں دائرے جھیل رہے ہیں، کچھ رقبہ ایسا ہے، جو دونوں کی یکساں ملکیت ہے مگر زیادہ تر حصے ایسے ہیں، جو ایک دوسرے سے غیر متعلق ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مثالی صورت حال یہ ہوگی کہ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ موجود ہی نہیں وہ سب سے بڑا دائرہ جس کے پارے میں ہم کچھ نہیں جانتے کم ہوتے ہوتے اس قدر کم ہو جائے کہ سفید دائرہ اور وہ ایک دوسرے کے برابر آجائیں۔ یہاں پہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ تیسرا دائرہ جو سرخ ہے اور عقلی علوم کا دائرہ ہے، کہاں تک جھیل سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب آسان نہیں ہے اور اس کا جواب ایک بھی نہیں ہے۔ آئیے ہم یہ اندازہ کرنے کی کوشش کریں کہ ٹوٹوگ نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟ مگر اس مسئلے میں پہلے سے آپ کو خبردار کر دوں کہ اس کا جواب امکانی ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ اس سائنسی طریق کار کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ اس کے وسیلے سے نہیں جانا جاسکتا ہے، وہ اس قتل ہی نہیں ہے کہ اسے جانا جائے! مگر عقلی علوم (Occult Sciences) ایسا کوئی دعوے نہیں کرتے کہ وہ جو کچھ جانتے بھی ہیں، ان کے پارے میں بھی بہت کچھ نہیں جانتے، اور جو کچھ نہیں جانتے اس کے پارے میں بھی بہت کچھ جانتے ہیں۔ یقیناً سائنس اس طرح کا دعوے کرنے کی حیثیت میں نہیں ہے۔

مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ سائنس اور فلسفے کو ہمیشہ یہ گمان رہا ہے کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے، بلکہ کبھی کبھی تو یہ گمان بھی ہوا کہ جو کچھ جانا جاسکتا تھا جانا چاہیے کہ باہر ہی برس میں جان لیا جائے گا۔ کچھ یونانی بھی اس زعم میں گرفتار تھے، خاص طور پر ارسطو کو یہ طیال بھی آیا تھا کہ انسان کا علم بس اتنا ہی تو ہو سکتا ہے، جس قدر اس کے زمانے تک معلوم کیا جاسکتا تھا اور ایک لحاظ سے یہ شاید درست بھی ہو، یونانی استقرائی (Deductive) طریق کار پر ایمان رکھتے تھے۔

وہ اولیات دریافت کرتے تھے اور پھر ان سے نتائج اخذ کرنے شروع کر دیتے تھے۔ اولیات کو آپ Axiom سمجھ لیں کوئی ایسی بڑی حقیقت، جس سے انکار ممکن ہی نہ ہو اور پھر اس کو قبول کر کے قیاس منطقی (Syllogism) کے ذریعے قضیے (Premis) بنا کر نتائج اخذ کرنا شروع کر دیا جاتا۔ اس سلسلے میں مشکل یہ تھی کہ بہت زیادہ بنیادی اولیات یا کلیات بنائے نہ جا سکتے تھے، لہذا نتائج بھی محدود ہی ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ارسطو کا لگانا ہوا یہ نتیجہ کہ علم اپنی ابتدا کو پا گیا ہے۔ اس حوالے سے ان کا قلم بھی نہیں تھا، ارسطو نے وائٹ لہ ہیڈ (White Head) اور رسل لہ (Russell) کی کتاب (Principia Mathematica) تو بڑی ہی نہیں تھی کہ اسے اپنی منطق کی حدود کا اندازہ ہوتا۔ اس نے تو اختراچی ممکنہ دیوار دیکھی تھی اور یہ اعلان کر دیا تھا کہ ”علموں بس کریں اور یار“ اور جدید دور میں شاید فرانس بیکن لہ (Francis Bacon) پہلا فلسفی تھا جسے یہ خیال آیا کہ علم اپنے تمام امکانات پر مے کر چکا ہے، مگر حیرت ہے کہ نیوٹن لہ (Newton) بھی آخر کار اسی نتیجے پر جا پہنچا اگرچہ اسے اندازہ تھا کہ وہ اس لئے بڑا ہے کہ وہ بہت سے دیو قامت لوگوں کے کاموں پر کھڑا ہے پھر اس نے یہ اندازہ کس طرح لگایا کہ اب اس کے کام سے پر کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا، کام سے پر کھڑے ہونے کی اجازت نہ دینے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ کام سے ہی غائب کر دیئے جائیں۔ یہ نیوٹن کے اختیار میں نہیں تھا، لہذا اب اس کی سائنس ایک چھوٹے سے دائرے میں قید ہو گئی ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ میکانیکی طبیعیات (Mechanical Physics) کہا جاسکتا ہے۔

جدید دور کے مقبول ترین سائنس دان سٹیفن ہاکنگ لہ (Stephen Hawking) جن کی کتاب A Brief History of Time فرد بخنگی کے لئے ریکارڈ قائم کر چکی ہے، اس بات کے دعویدار تھے کہ طبیعیات جو کچھ دریافت کر سکتی تھی، دریافت کر چکی ہے اور اگلی صدی آنے سے پہلے اس کی تمام دریافتیں سامنے آ جائیں گی اور پھر ان قوانین کو جو طبیعیات بنا چکی ہوگی، بنیاد بنا کر نئے نئے امکانات سامنے آتے رہیں گے، مگر علم کے طور پر طبیعیات کا کردار ختم ہو جائے گا۔ حالیہ تحریروں میں وہ اپنے اس موقف کو بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر ابھی کھل کر وہ اپنے کہے ہوئے کی تردید نہیں کر پائے۔

میری ان معروضات سے آپ نے یہ اندازہ لگایا ہو گا کہ تکمیل کی خواہش سائنس کے اندر کس قدر شدید ہے اور جو سائنس دان بھی کوئی بڑا نظریہ دریافت کر لیتا ہے پھر اپنی

ساری زندگی اس دریافت کو سائنس میں مرکزیت دلانے میں صرف کر رہا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ دنیا کی ہر شے اس کے نظریات کے حوالے سے جلتی پچھنی جائے۔ اس رویے کو توہمیت (Reductionism) کہتے ہیں اور اس کا فکار ہونے والوں میں آئن سٹائن (Ein stien) جیسا ایجنے روزگار بھی شامل ہے یوں لگتا ہے ہر بڑے نظریے کی کچھ حدود ضرور ہوتی ہیں، لہذا اسے کبھی ہمہ گیریت (Universallism) کا حامل نہیں سمجھنا چاہئے۔

قرون وسطیٰ جسے علم کے حوالے سے تاریک دور کہا جاتا ہے کسی ایسے فلسفی یا سائنس دان کو جنم نہیں دے پایا جسے کائنات کے امکانات فہم ہوتے ہوئے نظر آئے ہوں یہ دور یونان کے سرے دور اور جدید دور کے مابین ایک پل ہے اور اگر یہ پل نہ بناتا تو ممکن ہے جدید دور کو غلوہ پذیر ہونے میں خاطر وقت لگ جاتا، اس دور میں چونکہ بہت حصہ ان اقوام کا تھا جو یورپی نہیں تھیں، اس لئے یورپ نے انہیں نظروں انداز کیا، مسلمانوں سے ان کی دشمنی تاریخی عمل کے طور پر ایک قدرتی بات تھی۔ کم از کم سات آٹھ سو سال ایسے ہیں، جن میں مسلمان علم کے افق پر نمودار رہے، اور پھر علم کی یہ مشعل یورپ کے ہاتھ میں چلی گئی، جو مشعل مسلمانوں کو یونان سے ملی تھی، اس مشعل سے بہت مختلف تھی جو یورپ کے حوالے کی گئی، یورپ کو نئے دلی مشعل کہیں زیادہ روشن تھی اور اس میں استعمال ہونے والا ایندھن بھی خاصی حد تک ہلکا تھا اب اختراعی کچھ طریق کار کی بجائے استقرائی (Inductive) طریق کار کی کارفرمائی تھی اور زندگی کے چھوٹے چھوٹے اور بکھرے ہوئے حوالے کو جمع کر کے ان میں سے کوئی اصول دریافت کیا جاتا تھا۔ یورپ والوں کو اعتراض یہ ہے کہ مسلمان سواد کو اکٹھا کر لیتے تھے مگر اس سے نتائج اخذ کرتا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ مگر اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ درست نتائج مسلمانوں نے بھی نکالے تھے اور جو اصول دریافت کئے تھے اس کا بھی کریڈٹ ان کو نہیں دیا گیا، بلکہ بعض اوقات تو یہ کوشش صاف نظر آتی ہے کہ اسے جان بوجھ کر قبول نہ کیا جائے۔ صلیبی جنگوں نے یورپ میں مسلمانوں کے خلاف جو نفرت پیدا کر دی تھی، وہ ابھی تک جمل رہی ہے، اور دنیا بھر کے مسلمان اس کا غیازہ بھگت رہے ہیں۔ یورپ شروع ہی سے نئی منڈیوں کی تلاش میں تھا مگر یہ نئی منڈیاں اس لئے اس کی رسائی میں نہ آ پاتی تھیں کہ مسلمان قوموں کی کھنٹیں ان کی راہ میں حائل تھیں، اسی لئے سارا زور سمندر کے راستوں پر دیا گیا تھا۔

قرون وسطی کے بارے میں جو معلومات اب تک حاصل ہوئی ہیں۔ ان کے حوالے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کوئی تاریک دور نہیں تھا۔ اس میں انسانی علم نے ترقی کی تھی اور اسی دور میں جدید سائنس کی بنیاد بھی رکھی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عقلی علوم نے بھی ترقی کی تھی، اس زمانے میں سائنس اور عقلی علوم کو ایک دوسرے سے الگ کرنا بے حد مشکل تھا۔ لہذا اس زمانے کے عظیم مفکر، فلسفی بھی تھے، سائنس دان بھی تھے اور عقلی علوم کے جاننے والے بھی تھے، انھیں کبھی جو جدید دور کے ثمرات میں سے ایک ہے، ابھی متعارف نہیں ہو پائی تھی، شاید آپ کے لئے یہ بات حیرت کی بات ہو کہ جدید سائنس کے آغاز کار دو سائنس دان تانگیو براہے (Tycho Brahe) (۱۵۴۶-۱۶۰۱) اور جہانگیر کیپلر (Johannes Kepler) (۱۵۷۱-۱۶۳۰) بطور مخم درباروں سے حلق تھے اور باقاعدہ زائچے (Horoscop) بنایا کرتے تھے۔ اس وقت علم ہیئت (Astronomy) اور علم نجوم (Astrology) (فلکیات) (Cosmology) کے درست کی دو شاخیں تھیں۔ تانگیو براہے اگرچہ کوپرنیکس (Copernicus) (۱۴۷۳-۱۵۴۳) کی موت کے بعد پیدا ہوا تھا مگر وہ کوپرنیکس کے اس نظریے کو تسلیم نہیں کرتا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، لیکن اس کے اس رویے پر اسے مستحب نہیں کیا جاسکتا۔ اصل میں قرون وسطی سے جو توقعات و اسی سے جو توقعات و اسی سے جاتی ہیں، وہ درست نہیں ہیں، آپ بچے سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ سات سال کی عمر میں وہ میٹرک کر لے۔ لہذا اگر چیزوں کو نئی شکل دینے اور سمجھنے سمجھانے میں وقت لگا تو یہ تاریخی عمل کا ایک حصہ تھا۔ اس کے باوجود یہ حیرت کی بات ہے کہ انسان نے صرف دو ہزار برس میں اوسط سے نیوٹن کا سفر طے کر لیا اور پچھلے پچاس برس میں جو کچھ ہوا ہے، اس نے تو کسی پتھر کو بھی اپنی جگہ پر قائم رہنے نہیں دیا۔ ان برسوں میں انسان نے جو کچھ تعمیر کیا اور جتنی صنعتی ترقی کی اس کی مثال شاید آئندہ صدیوں میں بھی نہ مل سکے۔ کیوں یہ ساری ترقی معیاری نوعیت کی بھی ہے اور مقداری بھی ہے۔ اگر اس زمانے میں مسلمان حقائق سے نتائج نکالنے میں کم کم کامیاب ہوتے تھے تو یہ صورت حال اب بھی موجود ہے۔ جدید طبیعیات اس وقت مکمل طور پر مفروضوں پر انحصار کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایسے مفروضے جن کو پوری طرح قبول کرنا یا رد کرنا مشکل ہے۔

اس ساری عملی ترقی کے باوجود یہ بات بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ مشرق وسطی کے

عقلی علوم میں دلچسپی بڑھی ہے اور اس کی نئی پر تہیں اور نئی نئی حدود دریافت کی گئی ہیں۔ کچھ ایسے لوگ جو اس طرف متوجہ ہوئے ہیں، سائنس اور علوم کے سنجیدہ گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شاید پہلی بار عقلی علوم کو معروضی طور پر دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈوگک بہر حال بنیادی طور پر ایک سائنس دان ہی کہا جاسکتا ہے۔ مگر اس سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ فرائیڈ نے اس سلسلے میں کیا کہا تھا۔

فرائیڈ سے پہلے بھی نفسیات کے بہت سے مکاتب فکر موجود تھے اور زیادہ تر انسان کے ظاہری پہلوؤں پر توجہ دیتے تھے۔ ہپنٹزم (Hypnotism) کی دریافت نے توجہ انسان کے باطن کی طرف مبذول کرنے میں مدد دی، پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ انسان کے ظاہر اور باطن میں اس قدر تفاوت ہو سکتا ہے۔ شاید ہپنٹزم ہی کی وجہ سے فرائیڈ نے لاشعور کو دریافت کیا ہو۔ وہ یہ جان چکا تھا کہ انسان اپنی شعوری زندگی میں جو بھی کہتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ درست ہو، وہ محض جواز (Justification) بھی ہو سکتا ہے اور شاید اسی بنیاد پر فرائیڈ نے انسان کو حیوان ناطق (Rational Animal) کی بجائے جواز تلاش کرنے والا حیوان یعنی Rationalising Animal کہا تھا۔ یعنی انسان کے بارے میں یہ دریافت ہوا تھا کہ وہ دو سطحوں پر بیک وقت زندگی گزارتا ہے۔ ایک تو اس کی شعوری سطح ہے اور دوسری سطح کے بارے میں جاننے کا کوئی بلا واسطہ ذریعہ اس کے پاس نہیں تھا۔ مگر اس تفاوت کی وجہ سے بعض الجھنیں، خبط، لامپکس (Complex) اور علامات (Symptoms) پیدا ہوتے ہیں۔ فرائیڈ نے تحلیل نفسی (Psycho-Analysis) کا طریق کار دریافت کیا اور خواہوں کی توجیحات (Interpretations) سائنسی بنیادوں پر کئی شروع کی۔ یوں وہ ایسے علاقے میں داخل ہوا جو اس سے پہلے عقلی علوم کی آماجگاہ تھا۔ باطن کا مطالعہ غیر سائنسی شے سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے امریکہ اور روس دونوں میں جو نفسیات پروان چڑھ رہی تھی، اسے کدورت کا شعلہ (Behaviourism) ہی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس مکتب فکر کا خیال تھا انسان کو تربیت دے کر کچھ بھی بنایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر تجربات تو جانوروں پر کئے تھے مگر ان کا اطلاق انسانوں پر کر دیا تھا۔ روس کی اجتماعیت اور امریکہ کی ناخصیت (Pragmatism) کے لئے یہی نقطہ نظر موزوں تھا۔ اگرچہ فرائیڈ نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ نفسیات

کی بنیاد حیاتیات (Biology) کو بنایا جائے اور اس نے حیات اور مرگ کی دو جہتیں بھی دریافت کی تھیں، جن کو وہ علی الترتیب ایلہ (Eros) اور (Thanatos) کا نام دیتا تھا۔ مگر اصل معاملہ یہی تھا کہ اس نے انسان کی سائیکی (Psyche) یعنی نفس کو دریافت کر لیا تھا۔ لاشعور کی اہمیت بھی اسی وجہ سے کہ وہ انسانی سائیکی کو بیان کرنے میں مددگار ہے۔ لاشعور کی دریافت نے سارا منظر ہی تبدیل کر کے دکھ دیا تھا۔ سائنس ایک نئے براعظم میں داخل ہو رہی تھی اور اسے بالکل ہی اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔

نیوٹن کے ذریعہ سائنس یہ سمجھ رہی تھی کہ انسان بھی ایک مشین ہے اور اس کا مطالعہ بھی کبھی نہ کبھی ایک مشین کے طور پر کیا جانے لگے گا۔ انھارہویں اور انیسویں صدی میں سائنس کو جو اہمیت حاصل ہوئی تھی، اس نے نفسیات کو میکا کی علوم میں سے ایک بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی کوئی ایسی شہادت بھی مل جاتی تھی جو اس میکانیت کو توڑنے کی کوشش کرتی۔ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جسے بیان کرنا سائنس کے اختیار میں نہ ہوتا تو اسے قواعد کا نام دے کر رد کر دیا جاتا۔ پٹائوم اور تحلیل نفسی کے بارے میں بھی یہی رویہ شروع میں کام کرتا رہا۔ فرائیڈ کو تحلیل کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ ایک اثرام اس پر یہ بھی تھا کہ اس نے کوکین (Cocaine) کی خریدوں کے بارے میں ایک غیر منطقی مضمون اپنے کیمپیز کے آغاز میں لکھ دیا تھا۔ جو ایک زمانے تک اس کے فیروزے دار ہونے کا حوالہ بنا رہا۔ لوگ یہ کہتے رہے کہ اگر فرائیڈ ایک بار ایسی فیروزے دارانہ بات کر سکتا ہے، تو دوسری بار بھی اس سے یہ توقع کرنا غیر منطقی عمل نہیں ہوگا۔ دوسری چوٹ لگا دینے والی بات اس کا نظریہ جنس (Sex) تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ سب سے زیادہ جنس ہی ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس میں بچپن کے تجربات خاص طور پر اہمیت کے حامل تھے۔ فرائیڈ نے انسان کے بچے سے اس کی معصومیت چھین لی تھی اور اسے تشدد اور جنس سے معمور کر دیا تھا۔ پھر خاندان کے باہمی رشتوں کا تقدس بھی قائم نہ رہ سکا تھا۔ ایڈیپس کا کمپلکس (Oedipus Complex) نے تو ساری دنیا میں طوفان اٹھایا تھا۔ سائنس کی دنیا کو یہ فرائیڈ کو قبول نہ کر سکی، مگر انسانیات (Humanities) نے اسے نہ صرف قبول کر لیا بلکہ اس کے بے شمار اثرات دنیا بھر کے ادب اور سماجی علوم پر دیکھے جاسکتے ہیں اور یہی وہ علوم تھے جو باطن پر انحصار کرتے تھے اور سائنس کی بے روح معروضیت (Objectivity) کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ لہذا



نفسیات ابھی تک سائنس کی دنیا میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکی جو حیاتیات کی دوسری شاخوں کو حاصل ہے۔ اگرچہ یہ شاخیں بھی طبیعت اور کیمیا کی سطح سے بہت نیچے ہیں، سب سے اوپر تو ریاضی کا مضمون ہے جو انتہائی مجرد اور اشاراتی ہے، جوں جوں اس سیرجی سے نیچے آئیں معروضیت کم ہو جاتی ہے اور دوسرے کئی عناصر داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ نفسیات تک آتے آتے سائنس کا مقتدرہ خاصہ کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ معروضیت (Subjectivity) لینے لگ جاتی ہے۔ عمیق نفسیات میں جہاں انسان کے نفس کے اندر دور تک جھانکا جاتا ہے، معروضیت کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے۔ فرائیڈ کی حد تک تو سارا معاملہ ہی ذاتی لا شعور کا ہے۔ مگر ٹوڈک نے اجتماعی لا شعور کو دریافت کر کے پھر سے معروضیت کے لئے کچھ گنجائش پیدا کی ہے (اس کی تفصیل تو بعد میں آئے گی)۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحلیلی نفسی اور اس سے متعلق دوسرے مکاتب فکر سائنس کی میکائیٹ کے خلاف ایک تحریک کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اسی دوران خود سائنس کے اندر ایسے نظریات راہ پا گئے ہیں، جو اسطوکی منطق اور نیوٹن کی میکائیٹ کو حلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان میں سر فرسٹ اصولی مسئلہ لا حقیق (Principle of uncertainty) ہے، جس کے حوالے سے یہ دریافت ہوا کہ حقیقت کو کئی طور پر جاننا ناممکن ہے، اور اس کے ساتھ ہی اسباب و علل (Cause and Effect) کا یقینی رشتہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اب ہم ایک ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جو محض امکان ہے اور امکانات کی اس دنیا میں یہ امکان بھی ہے کہ مخفی علوم بھی کوئی نہ کوئی ایسی بنیاد رکھتے ہوں جس کی تصدیق کی جاسکتی ہو۔

مخفی علوم کا مسئلہ فرائیڈ کے لئے سولہاویں صدی بنا رہا جو سلوک سائنس کی دنیا نے اس کے کیرئیر کے آغاز میں اس کے ساتھ کیا تھا اس سے فرائیڈ نے یہ سبق سیکھا کہ وہ کوئی ایسی بات کہنے کو تیار نہ تھا جس کی بنیاد معلوم سائنس پر نہ رکھی گئی ہو۔ چنانچہ اس نے اپنے نئے خطبات میں (جو محض تحریری خطبات ہیں اور انہیں کبھی پبلک کے سامنے پڑھا نہیں گیا) ایک خطبہ ایسا بھی رکھا جس کا موضوع ہے خواب اور علوم مخفی (Dreams And Occult) اس مضمون میں فرائیڈ نے وہی استدلال اختیار کیا جو عام طور پر مقبول سائنس کے مختلف شعبے اختیار کرتے تھے، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے کچھ ایسے شواہد بھی مہیا کر دیئے، جو مخفی علوم کی طرف بلاواسطہ رہنمائی کرتے تھے۔ اس زمانے میں اس نے ایک خط جو آکملٹ کے

بارے میں تھا اپنے قریبی حلقے میں سمجھا اور ان سے درخواست کی کہ اس خط کو خفیہ رکھا جائے۔ اب یہ مواد شائع ہو چکا ہے اور اس کی تفصیل میری کتاب ”فرائیڈ کی نفسیات کے دو دور“ میں موجود ہے۔ اس حصے کو اگلے حصے کے طور پر اس مضمون کے ساتھ بھی منسلک کیا جا رہا ہے۔

مذکورہ خطبہ ترتیب کے لحاظ سے سے فرائیڈ کا تیسواں خطبہ ہے، ۲۸ خطبے فرائیڈ کے پہلے گھڑز میں موجود ہیں۔ نئے خطبات کل سات ہیں اور ذمہ نظر خطبہ ۳۸ واں خطبہ ہے، بعد کے سات خطبات فرائیڈ نے اپنی نفسیات میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کو بیان کرنے کے لئے لکھے تھے اور ان میں زیادہ تر وہ نظریات ہیں جو جنس کے نظریے کے بعد فرائیڈ پر منکشف ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے ان کی بہت اہمیت ہے کہ ان کے بغیر فرائیڈ کے بعض پہلوؤں کو جانا نہیں جاسکتا۔ مگر جہاں تک خواب اور آکٹ والے خطبے کا تعلق اس فہرست کا کمزور ترین خطبہ ہے، خود فرائیڈ نے اس خطبے کے دور ان بار بار معذرت کی ہے یہاں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ذاتی نوعی طرح الجھ گیا ہے جان بوجھ یا شاید کسی مصلحت کے تحت بعض اعتراضات کرنا نہیں چاہتا۔ پھر اس مواد کو جب خفیہ خط کے ذریعے بھجوا دیا گیا تو اس کی نوعیت قدرے تبدیل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرائیڈ اپنے ناکامی مواد سے کوئی نتیجہ نہ نکل سکتا ہو۔ ڈونگ کے بارے میں اس وقت بھی یہ مشہور تھا کہ وہ عقلی علوم میں دلچسپی رکھتا ہے مگر فرائیڈ کا خیال تھا کہ ٹیلی وٹھی (Telepathy) کا پہنچ اس کے کتب فکر سے کہیں زیادہ ڈونگ کی نفسیات کے لئے الجھن کا باعث ہوگا۔ کیونکہ اسے گمان تھا کہ تحلیل نفس ابھی اپنے بچپن ہی میں ہے اگر لوگوں نے ٹیلی وٹھی اور اس جیسے دوسرے علوم پر بھروسہ کرنا شروع کر دیا، تو اس سے تحلیل نفس کو ناقابل حثانی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ فرائیڈ کی اس تشویش سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی نفسیات کا قریبی تعلق عقلی علوم کے ساتھ ہے مثلاً جہاں تک خوابوں کی تعبیر کا معاملہ ہے وہ تحلیل نفسی سے پہلے صرف عقلی ہی کے دائرہ کار میں آتا تھا۔ خود ڈونگ نے حضرت یوسف کی تعبیر خواب کی صلاحیت کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ اس نے اسے ایک مثال کے طور پر پیش بھی کیا ہے۔ چنانچہ میدان خواب ایک ایسا میدان ہے جس میں نفسیات اور عقلی علوم ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے ہیں اور فرائیڈ نے اپنے ۳۸ ویں خطبے میں جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ کچھ خواب بھی بیان کئے ہیں پھر ان کا تعلق ٹیلی وٹھی کے ساتھ جوڑا ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ڈونگ کے دل میں عقلی علوم کے لئے جو نرم

مکوش تھا وہ فرائیڈ کے ہاں موجود نہیں تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ فرائیڈ مذہب سے انکار کرنے کے بعد اور جدید سائنس کے تمام تقاضات پر لبیک کہنے کے بعد، آکٹ کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ڈونگ شروع ہی سے اپنے پیٹلی ہونے سے بھی دست بردار نہیں ہوا تھا اور اس نے اس امر سے بے نیاز ہو کر اپنی سائنس کو آگے بڑھایا تھا کہ اسے سائنس بھی سمجھا جائے گا یا نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کی نفسیات کو بہت سنجیدگی سے سائنس میں سمجھا گیا اور کئی مفکروں نے اسے اس دور کا مغیر ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اب تو سائنس دانوں میں کم ہی لوگ ایسے ہیں جو مذہب کو بطور ظلف حیات قبول کرتے ہوں۔ آئن سٹائن نے جس طرح مذہب قبول کیا ہے، اس سے بہتر تھا کہ وہ اس سے انکار کر دیتا۔ کئی لوگ اسے مذہبی انسان گردانتے ہیں حالانکہ ایسا سمجھا نہیں جاسکتا، محض متصوفانہ (Mystical) تجربہ ہو جانا مذہب نہیں ہے۔ یہ تجربہ کسی ایسے شخص کو بھی ہو سکتا ہے۔ جو سرے سے مذہبی نہ ہو۔ وہ اس واردات کی توجیہ اپنے طور پر کرے گا۔

ہینز پگیلس (Helm Page) نے مین سٹار کے بارے میں مندرجہ ذیل کہانی بیان کی ہے :

میں (Fey Man) تارے نامے کا ایک عقیم ماہر طبیعیات تھا۔ شاید وہ عقیم ترین تھا اور اس برس کے شروع میں فوت ہوا ہے۔۔۔۔۔ وہ ایک ایسے شخص میں تھا۔ جس کی حسیات ختم کر دی جاتی ہیں (Sensory Deprivation Tank) اور اسے بھون دلونج (Exosmatic) تجربہ ہوا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنے جسم سے باہر نکل آیا ہے اور اس نے دیکھا کہ اس کا جسم سامنے چڑا ہے۔ اس تجربے کی حقیقت کو پرکھنے کے لئے اس نے اپنے بازو کو پلانے کی کوشش کی اور بلاشبہ اس نے دیکھا کہ اس کا بازو مل رہا ہے۔۔۔۔۔ جیسا کہ اس کا بیان ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد وہ شکر ہوا کہ وہ شاید پیش ہی اپنے جسم سے باہر رہے اور اس نے پچھنے کی کوشش کی۔

اور جب اس نے اپنی کہانی ختم کی تو میں نے اسے پوچھا آپ نے اس غیر معمولی تجربے سے کیا افہ کیا۔ میں نے مشاہدہ جی کے ساتھ، جو ایک حقیقی سائنس دان کا حصہ ہوتی ہے، جواب دیا۔۔۔۔۔ ”میں نے یہ نہیں دیکھا کہ طبیعیات کا کوئی قانون اس سے

مسلک کا یہ حوالہ جدیدہ طبیعات کی اکثر کتابوں میں نظر آ جاتا ہے، ہماری دھرتی کے عظیم فرزند، نوبل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے۔ یہ حوالہ ان کے ایک مضمون ”ایک اسلامی نقطہ نظر“ میں دیا گیا ہے۔ جو ان کی کتاب ”ارہان اور حقیقت“ کا آخری مضمون ہے۔

میرے لئے حیرت کی بات یہ ہے کہ سب نے فے مین کے اس بیان کو بغیر کسی تنقید کے قبول کر لیا کہ اس تجربے سے طبیعات کا کوئی بھی قانون منسوخ نہیں ہوگا کیا یہ سوال اٹھایا نہیں جاسکتا تھا کہ آیا اس حوالے سے کوئی نیا قانون بھی دریافت ہو سکتا ہے یا نہیں! آئن سٹائن اور اوپن ہائمر (Oppenheimer & Robert) (۱۹۰۳-۶۷ء) کی طرح پیشتر سائنس دان ایسے ہیں جو ایسی ریاضیاتی مساوات کی تلاش میں ہیں، جن کا اطلاق دنیا کی ہر شے پر ہوتا ہو، کیا یہ تجربہ ان کی مساوات کے دائرہ کار سے بھی باہر ہے۔ یہ مانا کہ طبیعات کا تعلق مقداریت سے ہے، خصوصاً کوانٹم کے تو معنی ہی یہ ہیں مگر جسم سے باہر نکلنے کا تجربہ ممکن ہے کوئی نہ کوئی کیت بھی رکھتا ہو!

جسم سے باہر نکلنے کا تجربہ کوئی نئی شے نہیں ہے۔ ایسے شواہد بہت پرانی کتابوں سے بھی ملتے ہیں کہ بعض لوگوں کو اس کا تجربہ ہوا اور بعض لوگ اپنی مرضی سے اپنے جسم سے باہر نکل کر واپس آسکتے تھے۔ چلنے فے مین کے حوالے سے یہ توجہیت ہوا کہ وہ جموٹے نہیں تھے۔ ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ اپنی مرضی سے جسم سے باہر نکلنا اور واپس آنا تھا۔ ڈاکٹر موڈی (Mody) لکھ کی کتاب زندگی بعد از زندگی (Life After Life) اس تجربے کو بار بار بیان کرتی ہے، جن لوگوں کو موت کا تجربہ ہوا اور کسی وجہ سے وہ پھر سے زندگی میں واپس آگئے، وہ بھی یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنے جسم سے باہر نکلے، اپنے مرہ جسم کو دیکھ عین زوں کو دوتے ہوئے پایا اور انہوں نے بہت اونچائی سے اس پورے کمرے کا جائزہ لیا جس میں ان کی بے حس لاش پڑی تھی۔ کیا ان کے تجربے اور فے مین کے تجربے میں کوئی مماثلت ہے؟ کیا بدن دلوج کا تجربہ ان کو نہیں ہو سکتا تھا کیا اس کے لئے اس حوض کا ہونا ضروری ہے، جو سب حیات کو ختم کر دیتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حیات کے ختم ہونے کے ساتھ ہی بدن جسم آنے کا تجربہ

شروع ہو جاتا ہو، مجھے تو لگتا ہے کہ شاید اس بات کے حق میں ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ نئے تجربے کو طبیعت کے پرانے اصولوں کو توڑنا چاہئے اگر وہ کسی وجہ سے ایمانہ کر پائے تو کیا وہ نیا تجربہ نہیں ہے؟ ایسے بہت سے سوال ہیں جو ذہن میں بار بار اٹھتے ہیں۔ میں یہ تو فیصلہ کرتا کہ ڈونگ کے جواہرات آپ کو مطمئن کر سکیں گے، مگر انکا ضرور مشہور ہے کہ ڈونگ نے اپنے عہد کے ہر اہم سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ان سوالات میں ہر طرح کے سوالات ہیں جدید طبیعت سے لے کر قدیم حکمت تک، بھی کچھ ڈونگ کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ ڈونگ ایک جدید سائنس دان بھی ہے اور اسے پرانی حکمت کا نمائندہ یا دریافت کنندہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کے نظریات عملی دنیا کا بھی احاطہ کرتے ہیں اور ان کی راسخ نظریات کی بحول بھلوں تک بھی ہے۔

ڈونگ سوئٹزرلینڈ کے ایک بااثر پادری کا بیٹا تھا مگر خود اس کے دل میں کچھ ایسے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے کہ مذہب پر اس کا ایمان حیرت انگیز تھا لہذا اس نے مذہب کا بدل تلاش کرنے کی کوشش کی تھی اور ہاسل یونیورسٹی (University Of Basel) میں اس نے طب کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ فرانٹز کی طرح ڈونگ نے طب کو اپنی حلقہ نوعیت کی دلچسپیوں کے لئے ایک مفاہمتی نقطہ بنایا تھا اور اس کے پیش نظر سائنسی اور فلسفیانہ دونوں طرح کی دلچسپیاں تھیں۔ یونیورسٹی کے قیام کے دوران میں اس نے دوسرے علمی سال کے دوران روحانیت بکھلے (Spiritualism) پر ایک کتاب دریافت کی تھی اور پھر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اس نے روحانیت پر جو کچھ بھی فراہم ہو سکتا تھا پڑھ لیا تھا مگر اس مطالعے کا زیادہ تر تعلق آکٹ کے ساتھ تھا، اس نے جرمن مثلیت پسندوں (Idealists) اور سوفیا (Mystics) کے ساتھ ساتھ سویڈن بورگ (Swedenborg) کی سات جلدوں کا بھی مطالعہ کر لیا تھا پھر تین برس کے بعد اس کی دلچسپیوں کا رخ ایک بار پھر جبرائیل (Paranormal) کی طرف ہو گیا اس سے پہلے اس کے اپنے گھر میں بظاہر دو بے معنی دھماکے ہوئے تھے، ایک دھماکے میں اس کے میز کی نموس ٹاپ (Top) ٹوٹ گئی تھی اور دوسرے میں کھدائی کرنے والے چاقو کا پھل الگ ہو گیا تھا اس کے چند ہفتوں کے بعد ڈونگ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے عزیزوں نے ایک چند روزہ سالہ میڈیم (Medium) لڑکی کے گرد ایک

حلقہ بنالیا تھا۔ دو برس تک ڈونگ ان کی مجلسِ حاضرت (Seances) میں شریک ہوتا رہا تھا اور پھر جو سوار اس نے وہاں سے جمع کیا تھا وہ اس کی ڈاکٹریٹ کا مواد بن گیا تھا۔

اسی دوران کرافٹ ایبلنگ (Kraft-Ebling) کی وساطت سے ڈونگ نے نفسیات کو دریافت کیا اور زیورچ (Zurich) کے برغولزی (Bergholzi) کے ذہنی ہسپتال میں یوجین بلیوار (Eugen Bleuer) کا نائب مقرر ہوا۔ بلیوار تجرباتی پٹاس (Hypnosis) میں دلچسپی رکھتا تھا اور کچھ عرصے تک ڈونگ پٹاسم کے مطب کا اچھارج بھی رہا۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک ڈونگ اور بلیوار دونوں ہی فرائیڈ کے وفادار شاگرد رہے۔ ڈونگ کا فرائیڈ سے الگ ہو جانا فرائیڈ کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھا کیونکہ وہی اس کا ولیِ عہد بھی تھا اور اس کا اختیاری چیتا شاگرد بھی تھا مگر ان سب باتوں کے باوجود اب جبکہ ان تعلقات کو نوٹے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا ہے، لوگوں کو اس بات پر سخت حیرت ہے کہ تعلقات آخر آپس میں قائم ہی کس طرح ہوئے تھے۔ دونوں کے مزاج اور زندگی کے بارے میں نقطہ نظر کا فرق اس قدر زیادہ ہے کہ بسا اوقات ان کے درمیان کوئی قدر مشترک تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ۱۹۲۲-۱۹۳۱ء کے دوران خود فرائیڈ بھی باخلاق اقلیت (Supernatural) میں دلچسپی لینے لگا تھا مگر یہ دلچسپی بے حد سطحی بھی تھی اور فرائیڈ نے اس کی گہرائی میں اترنے کی کوشش بھی نہ کی تھی، شاید اس کا بنیادی مقصد شخص اس قدر تھا کہ عقلی علوم کے نام پر جو فراہم ہوتا رہتا تھا اس سے کسی طرح بچا جائے۔

مگر ڈونگ جو ۲۶ جولائی ۱۸۷۵ء کو کیسول (Kewill) کے مقام پر پیدا ہوا تھا اپنی پیدائش کے چار برس بعد اپنے خاندان کے ساتھ نقل مکانی کر کے کلین ہونن گن (Klein Hunn Gen) کے مقام پر ہاسل کے قریب آباد ہو گیا تھا۔ وہ بچپن ہی میں خوابوں کے وساطت سے صوفیانہ اور اسراریت (Mysterious) کی اقلیم میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے لڑکپن ہی میں یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اس کی دو شخصیتیں ہیں ایک تو پوڑھاوانا آدمی (Old Wise Man) جو ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتا تھا اور پھر ساری زندگی اس پر اثر انداز ہوتا رہا حتیٰ کہ اس نے ڈونگ کے نظریات کو بھی متاثر کیا ہے۔ یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ سائی کلک (Psychic) عوامل میں اس کی دلچسپی موروثی تھی۔ اس کی ماں اور اس کی غلی دونوں ایسی خواتین کے طور پر مشہور تھیں جن کو بھوت نظر آتے ہیں۔ اس

کی بنی جس کا نام آگسٹا پرس ورک (Agusta Prieswerk) ایک ہارٹین دن تک ٹرانس  
اٹے (Trance) کی حالت میں رہی تھی۔ اس وقت اس کی عمر بیس برس تھی، اس ٹرانس کے  
دوران اس نے دفعوں سے رابطہ قائم کیا تھا اور کچھ پیشین گوئیاں بھی کی تھیں، ڈوگ کی والدہ  
ایملی (Emilie) کو اس کے باپ نے اس وقت اپنے عقب میں بیٹھنے کے لئے کہا تھا جب وہ  
وعظ (Sermon) لکھ رہا تھا۔ تاکہ اس تحریر کے دوران بصوت اسے تنگ نہ کریں۔ اس نے  
اپنی ایک ذاتی یادداشت تحریر کی تھی، جس میں اس نے ان واقعات کی نشاندہی کی جو پراپرل  
تھے اور اس گھر میں وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔ جہاں لکھل گسٹا ڈوگ بھی موجود تھا۔

۱۸۸۸ء میں ڈوگ نے سنجیدگی کے ساتھ عقلی علوم میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔  
پھر اس نے ۱۹۰۰ء میں سائی کیمسٹریٹ اٹے (Psychiatrist) بننے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس  
نے اس کی تربیت ہاسل میں حاصل کی تھی، پھر جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی سولہ سالہ  
کزن عملی طور پر میڈیم بن چکی ہے، تو اس نے اسے دعوت دی کہ وہ اس کے لئے تجرباتی طور  
پر کچھ کام کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

پھر اسی بنیاد پر اس نے اپنا ڈاکٹریٹ کا مضمون لکھا تھا جو ۱۹۲۲ء میں پہلی بار شائع ہوا  
تھا اور اس کا عنوان تھا۔

On The Psychology And Pathology Of So Called Occult  
Phenomena.

۱۹۰۳ء میں ڈوگ نے ایما روٹن ہارخ (Emma Rauschenbach) سے  
شادی کر لی یہ خاتون بہت امیر تھی اور ایک صنعت کی مالک تھی۔ پھر ۱۹۰۶ء میں اس نے اپنا  
مشہور مضمون لکھا جس کا عنوان تھا۔

The Psychology Of Dementia Praecox.

پھر ۱۹۰۹ء میں ڈوگ نے اساطیر (Mythology) میں دلچسپی لینی شروع کی، اور اسی  
سال اس نے برنٹلی کا ذہنی ہسپتال چھوڑ دیا، یہاں اس نے نو برس گزارے تھے، اس دوران  
وہ فرانیڈ کے ساتھ امریکہ بھی گیا اور اس نے کلارک یونیورسٹی (Clark University)  
سے ورشٹر (Worcester) اور مس چوسٹس (Massachusetts) کے مقام پر اعزازی  
ڈگری بھی حاصل کی تھی۔ (ڈوگ کو ڈاکٹری اعزازی ڈاکٹری ۱۹۳۶ء میں ہارورڈ (Harvard)

یونیورسٹی سے ۱۹۳۸ء میں آکسفورڈ (Oxford) سے اور جنیوا (Geneva) سے ۱۹۳۵ء میں طبی تھی۔

۱۹۱۳ء میں اسے انگریزیشنل کانگریس آف سائیکلو انیلس (International Congress Of Psycho Analysis) کا صدر مقرر کیا گیا تھا۔ ڈوگ نے ۱۹۱۳ء میں اس سے استعفیٰ دے دیا، پھر زیورچ کی یونیورسٹی سے پلور پروفیسر بھی وہ مستعفی ہو گیا۔ جب اس نے بہت سے رشتے ایک ہی وقت میں توڑ لئے، تو پلور ہنزف کمپ بل (Joseph Campbell) وہ شدید قسم کی ذہنی مشغولیت (Preoccupation) کا شکار ہوا اور لاشعور سے اس نے بہت سے تشال (Image) دیکھے اور اساطیر کے ساتھ خوابوں کا رشتہ دریافت کیا۔

مئی ۱۹۱۳ء میں لندن کی سائیکلی کل تحقیق انجمن (Society Of Psychical Research) نے ڈوگ کا ایک مضمون شائع کیا۔ "دعوں میں یقین رکھنے کی نفسیاتی بنیاد" اس میں ڈوگ نے دعوں میں یقین رکھنے کے تین مآخذ بیان کئے۔ مظاہرات کی رویت (Seeing Of Apparitions) ذہنی امراض اور خواب۔ مگر خواب تئیں میں سے زیادہ افرقہ دہ میں تھے اس نے کہا روحیں موت کے موقع پر نفسیاتی طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ تشال و خیالات جو مرنے والے عزیز کے ساتھ حلقی ہوتے ہیں وہ جذبات کی شدت کی وجہ سے روح کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۳ء تک ڈوگ بہت بری طرح فرانیڈ کے اثر میں رہا ایک بار تو ایسا بھی ہوا کہ ڈوگ نے فرانیڈ کی سوجھ بوجھ میں روحی حرکت (Psychokinetic) کی قوت کا مظاہرہ ایک گرم بحث کے دوران کیا، پھر کئی برس کی رفاقت کے بعد جدائی کا لمحہ آیا۔ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب فرانیڈ نے ڈوگ سے کہا کہ وہ ایک خواب کا تجربہ کرے، جو فرانیڈ نے دیکھا تھا مگر اس نے کلیدی غمازے میں پڑنے سے انکار کیا کیونکہ اس طرح فرانیڈ کا مقتدرہ (Authority) متاثر ہوتی تھی، مگر ڈوگ کو اس سلسلے میں فرانیڈ سے واضح اختلاف تھا خاص طور پر اس پر کہ فرانیڈ جنس کو اہمیت دیتے ہوئے اسے بنیاد بنانا چلا جا رہا تھا اور وہ اسے لوگوں کی بنیادی فعلی انگیزش (Driving Urge) سمجھتا تھا اسے یہ بھی اعتراض تھا کہ فرانیڈ جنس کے روحانی پہلو کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی جبرائیل کو تسلیم کرتا ہے، اس کے



علامہ رمز (Symbol) کے معانی پر بھی اختلاف رائے تھا۔

فرائیڈ سے ڈوگ کا الگ ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی وجہ سے وہ خاصی دیر تک ذہنی طور پر پریشان رہا وہ کوئی چہ برس تک ذہنی پر اگندگی کا شکار رہا اور اس دوران اس پر سلی کوٹک (Psychotic) فتنائیا کا غلبہ رہا اس کو صوفی (Mystic) کہا جاتا رہا۔ یہ ایک ایسا الزام تھا جس کو لگانے والے اسے معاصر سائنسی فضا سے خارج کرنا چاہتے تھے۔ فرائیڈ نے یہ کہہ دیا کہ ڈوگ چاہتا ہے کہ اس کی موت واقعہ ہو جائے۔ یہ جان اس واقعے کے بعد جاری کیا گیا جب وہ اس کی موجودگی میں دوبارہ بے ہوش ہوا تھا۔ ڈوگ نے اس الزام کی صحت سے انکار کیا مگر فرائیڈ سے علیحدگی کے بعد اس کا اندر ایک یسودا کا پیچس (Juda Complex) کا شکار ہوا اس نے ایک انتہائی علامتی خواب دیکھا وہ دیک نیرون (Wagnerian) کے خوابوں کی طرح تھا اور اس خواب میں اس نے فرائیڈ کو قتل کیا۔

ڈوگ کی زندگی میں نفسیاتی ایجنس کے اس زمانے میں اس نے بہت سے پیراناٹل مظاہرے دیکھے وہ تو گویا رفغان کی دنیا کا ایک فرد بن چکا تھا اور اس نے اسی دوران اپنی تحریر (Seven Sermons To The Dead) لکھی اور اس پر دوسری صدی کے مشہور عارف لکھاری (Gnostic Writer) تھس لائیڈز (Basillides) کا نام بطور مصنف دے دیا۔ یہ کتاب ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں یہ کہا گیا تھا کہ رفغان کی روح کی آوازیں! جواب سے محروم ہیں! اپنے مسائل کو حل نہیں کر پائیں اور نجات نہیں پا سکیں، اس ذہنی حالت میں خواب اور بیداری کی سرحد بھی ڈوگ کے لئے بالکل غائب ہو چکی تھی۔ ڈوگ نے ان کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی سوانح مری (Memories, Dreams, Reflections) میں کیا ہے۔ (یہ کتاب ۱۹۶۳ء میں اس کی موت کے بعد شائع ہوئی تھی)۔

فرائیڈ سے علیحدگی کے بعد ڈوگ کو سنہ ۱۹۱۰ء میں جو وقت لگا سکا مگر اس واقعے نے اسے بیش کے لئے مطلوب تو نہیں کر دیا تھا۔ اس کا ایک بے حد اہم نظریہ جو نفسیاتی اقسام (Psychological Types) کے نام سے معروف ہے: پہلی بار ۱۹۲۱ء میں متعارف ہوا اس میں ڈوگ نے بنیادی طور پر دو اقسام کی نشاندہی کی، یعنی بیروں میں (Extrovert) اور اندروں میں (Introvert) اور پھر ان کی بنیاد چار اور تقاض پر ہے یعنی فکر، احساس، قہس

(Sensation) اور وجدان (Intuition)۔ دوسرے قابل ذکر نظریات انیما (Anima) جو نسلی اصول ہے اور اپنی مس (Animus) جو مردانہ اصول ہے پر مشتمل ہیں۔ یہ انسان کے مردانہ اور زنانہ پہلو ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اجتماعی لاشعور اور آرکی ٹائپ کے نظریات بھی اس نے متعارف کرائے (ان کی تفصیل کتاب اول میں آچکی ہے)۔

فرائیڈ کی طرح ڈونگ نے بھی علامات (Symbol) کے شعوری مواد کا تعلق لاشعور کے ساتھ اس طرح قائم ہوتے ہوئے دیکھا کہ ان کی مدد سے لاشعور کو دریافت کیا جاسکتا تھا۔ ڈونگ نے کہا کہ اشارے (Sign) اور مرض کی علامتیں (Symptoms) بہت مختلف شے ہوتی ہیں اور ان کو ایک وجدانی خیال کے طور پر سمجھنا چاہئے۔

خواب بھی ڈونگ کے ان موضوعات میں سے ہیں، جن میں فرائیڈ کو بھی دلچسپی ہے۔ فرائیڈ نے خواب کی رمزوں کا ایک ہر غیر نظام تشکیل دیا تھا اور کہا تھا کہ ماہر تحلیل ان کی توجیہ کر سکتا ہے۔ ڈونگ کا خیال تھا کہ خواب، خواب دیکھنے والے کی ذاتی ملکیت ہیں اور اس حوالے سے وہ ایک نئی زبان بولتے ہیں اور ان کی صرف خواب دیکھنے والے کے حوالے سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔ کچھ خواب الہیہ اجتماعی لاشعور سے آتے ہیں لہذا ان کا تعلق پوری انسانیت کے ساتھ ہے۔ اسطور (Mythology) اس وقت ڈونگ کے لئے خاص طور پر اہمیت اختیار کر گئے جب وہ اپنی کتب ”تبدیل کی علامات“ (Symbols Of Transformation) لکھ رہا تھا :

ڈونگ کو عرفان (Gnosticism) میں بھی بے حد دلچسپی تھی اسے صوفیہ (Sophia) یا حکمت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک قابل قدر عنصر ہے مگر چرچ نے اس کے بدعتی عناصر کی وجہ سے ایک بار اسے کھل طور پر رو کر دیا تھا۔ ڈونگ نے عرفان کے حلقے میں جو کام کیا اس کا تعلق کیمیائگری (Alchemy) کے ساتھ بھی تھا۔ ڈونگ کی وجہ سے جدید عہد میں ان دو موضوعات کے بارے میں لوگوں کی روحانی دلچسپی ایک بار پھر بڑھی۔

۱۹۱۴ء میں ڈونگ نے منڈالا (Mandala) رمزیت (Sybolism) میں دلچسپی لیتی شروع کی۔ ۱۹۲۸ء میں ڈونگ نے سینیات (Sinologist) کے ماہر رچرڈ ویلم (Richard Wilhelm) کی رفاقت میں چین کے نو کیمیائگری متن

(Tao Alcaemy Text) اسرار کلی ذریں  
(The Secret Of Golden Flower) کا مطالعہ کیا اور اس کی تشریح لکھی، یہ کتاب  
۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی، یہ کتاب اس کی شاہکار کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

ژونگ ۱۹۳۳ء میں جنرل میڈیکل سوسائٹی برائے معالجہ نفسی (Psychotherapy)  
کا صدر چنا گیا اور تین برس کے بعد اس کا نائب صدر ہوا، اس برس اس کا سب سے بڑا کام  
”فردیت کے عمل کا ایک مطالعہ

(A Study in the Process Of Individuation) تھا، یہ مقالہ اس نے سب  
پہلے ایرانوس (Eranos) کے اجلاس میں پڑھا، یہ جلسہ سال میں ایک بار ہوتا تھا اور اس میں  
عظیم مفکرین جمع ہوتے تھے۔ یہ اجلاس لوگا فرو بے کیپٹن (Olga Froebe Kapteyn)  
کی رہنمائی میں ہوتا تھا، جو لاگو میگلو رے (Lago Magglore) کے کنارے سوئٹزر لینڈ  
میں واقع ہے، پھر تین برس تک اس نے یکے بعد دیگرے تین مضامین وہاں پڑھے۔ یہ تینوں  
اس کی زندگی کے شاہکاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ انجمنی لاشور کے آرکے ٹائپ  
(Archetypes Of The Colletive Unconclous) ۱۹۳۵ء اور کیپاگری میں  
ذہنی خیالات (Religious Ideas In Alchemy) ۱۹۳۶ء۔ پھر اس کی کتاب نفسیات  
اور کیپاگری (Psychology And Alchemy) ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کی بنیاد  
وہی مضامین تھے جو ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۵ء میں ایرانوس میں پڑھے گئے تھے۔ اس زمانے کا اس کا  
آخری کام انتقال کی نفسیات (Psychology Of Transference) تھا، یہ کتاب ۱۹۳۶ء  
میں شائع ہوئی تھی۔

۱۹۳۴ء میں ژونگ نے موت کو بہت قریب سے دیکھا اس واقع کو این ڈی ای  
(N.D.E) کہا جاتا ہے، یعنی موت کو قریب سے دیکھنے کا تجربہ  
(Near Death Experience) یہ واقعہ ہارٹ انیک کے وقت پیش آیا جب وہ ہسپتال لپٹا  
تھا تو ایک نرس نے اس کو ہارٹ فور میں لپٹا ہوا دیکھا اور یہی تجربہ اس کو ایک اور مریض کے  
سلے میں ہوا تھا اور وہ مریض مر گیا تھا مگر ژونگ صحت یاب ہو گیا اور بعد میں اس نے اس  
زمانے کے بارے میں غور و خوض کیا۔

اس نے دیکھا کہ وہ زمین کے اوپر بہت اونچا اڑ رہا ہے کہ وہ اچالے پر کھڑے ہو کر مشرق وسطیٰ کو دیکھ سکتا ہے اور اسے بحیرہ روم (Mediterranean) کا ایک حصہ بھی دکھائی دیا۔ اسے یہ احساس بھی ہوا کہ وہ زمین کو چھوڑ کر جا رہا ہے اور پھر اس نے اپنے قریب پتھروں کا ایک بہت بڑا ڈھیر دیکھا۔ جو ایک بہت بڑے ٹکڑے پست مندر میں لگا ہوا تھا اور دائیں طرف جدھر مندر میں داخل ہونے کا دروازہ تھا ایک سیاہ ہندو کنول آسن (Lotus Position) بنائے ہوئے بیٹھا تھا۔ ڈونگ کو معلوم تھا کہ مندر کے اندر اس کا انتظار ہو رہا ہے۔ وہ قریب گیا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی زمینی خواہشات اور رویے جڑ گئے ہیں اور اسے یہ محسوس ہوا کہ اب وہ زندگی کے مقصد کو سمجھ سکتا ہے، اسی لمحے اس کا زمینی ڈاکٹر کوس (Kos) کے پجاری کے روپ میں ظاہر ہوا۔ یہ ایس کل کاپٹن (Aesculapian) کا مندر تھا جو کہ شعلابلی کا دیوتا ہے، اس نے اسے بتایا کہ تمہیں زمین کی طرف واپس جانا ہے۔ ڈونگ نے اس کے حکم کی تعمیل کی، مگر اس کے دل میں ڈاکٹر کے خلاف سخت عداوت تھا اور وہ اس فیصلے سے ناخوش تھا اسے معلوم تھا کہ اب وہ ڈاکٹر مرنے والا ہے۔ کیونکہ ڈونگ کو خیال تھا کہ وہ اپنی بنیادی (Primal) حیثیت میں ظاہر ہوا ہے اور وہ ڈاکٹر واقعی چند دنوں کے بعد مر گیا۔

موت کو بہت قریب سے دیکھنے کے بعد ڈونگ ایک اور متبدل واردات میں سے گزرا اور وہ حالت پیدائش سے پہلے کی حالت تھی۔ وہ ایک اجسام کے عالم میں تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اس نے ایک وژن (Vision) دیکھا اور اس نے خود کو آدم (Adam) اور یوہ محسوس کیا اور اس کی دایہ (Nurse) مگنا میٹر (Magna Mater) تھی جس نے اسے بیہوش گیوس (Heros Gamos) کے اسرار سے آشنا کیا۔ یہ مقدس ازدواجی رشتہ ہے جو خداوند کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

۱۹۵۵ء میں جب اس کی بیوی مرگی تو اس نے بولینگن (Bollingen) سوسائٹی لینڈ کے مقام پر نئی خریدی ہوئی زمین پر پتھروں کا ایک قلعہ بنوایا، پھر اس نے پتھروں پر بے شمار کیسیاگری اور اسراریت کی شبیہیں کھدوائیں جو علامتیں تھیں اور پتھروں پر کندہ کی گئی تھیں۔ یہ نئی علامت اور اس کی بریلیاں اس شعور کی وسعت پذیری تھیں جو بزرگی کی عمر میں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ متاثر یا برقی اور اس کا علامتی کردار ڈونگ کی تحریروں میں مقصدی نغمے (Leltmotif) کی طرح تھا جو اس کی تحریروں کے پس منظر میں ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ پھر

جب وہ دنیا کو چھوڑ چھاذ کر اس عمارت میں آگن کر آباد ہو گیا۔ ٹوئنگ نے پہلے سے لکھی ہوئی بہت سی تحریریں دوبارہ لکھیں، بہت سے موضوعات پر اپنے خیالات کو پھر سے تازہ کیا اور بہت سے موضوعات پر نئے خیالات روشناس کرائے۔ اس زمانے کی تحریریں اب بہت اہمیت کی حامل ہو چکی ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل (Mandala Symbolism) آئی چنگ (I.Ching) کیمیاگری (Alchemy) ہم وقتیت (Synchronicity) کے ساتھ ساتھ خاص طور پر سلف کی مظاہریت (Phenomenology) وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا ذکر اس کے بعد کی تحریروں میں ہے جو اسے آلون (Alon) میں شامل ہیں۔

ٹوئنگ کی زندگی میں جیراندرل کا اثر بہت زیادہ ہے۔ بچپن میں بھی اسے مختلف قسم کے ورژن ہوتے تھے اور بڑھاپے تک یہ سلسلے جاری رہے اور وہ ذاتی طور پر ان عوامل سے کبھی فارغ نہ ہو سکا۔ ایک واقعہ تو ایسا ہے جو فرائیڈ کی موجودگی میں پیش آیا تھا اور اس کا ذکر بار بار مختلف طریقوں سے آتا رہا ہے۔ یہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے جب ٹوئنگ فرائیڈ سے ملنے کے لئے وی آنا آیا ہوا تھا اس ملاقات کے دوران جیرا نفسیات کا موضوع زیر بحث آیا فرائیڈ نے اس کے وجود سے کئی طور پر انکار کیا۔ جس کی وجہ سے ٹوئنگ کو خاص ذاتی تکلیف ہوئی، اسے اس قدر غصہ آیا کہ اس کا دیا فرام (Diaphragm) لوہے کی طرح گرم ہو گیا اسی وقت کتابوں سے بھری ہوئی اس الماری میں ایک دھماکہ ہوا جس کے سامنے دونوں کھڑے تھے۔ ٹوئنگ نے فرائیڈ کو بتایا کہ یہ عمل انگیز بروں آدوری کا مظہر (Catalytic Exteriorisation Phenomena) ہے اور پھر یہ پیش گوئی بھی کی کہ دوسرا دھماکا بھی ہوگا اور دوسرا دھماکا بھی ہوا فرائیڈ پڑی طرح ڈر گیا اور اس نے اس حادثے کی وجہ اپنے طور پر بیان کرنے کی کوشش کی پھر ۱۹۵۱ء میں فرائیڈ کے خیالات میں خاصی تبدیلی آچکی تھی اس نے اپنے دوست سینڈر فرنزی (Sandor Frenzy) کے کہنے پر جیراندرل کو کسی نہ کسی حد تک قبول کر لیا تھا مگر بین اس وقت ٹوئنگ نے اسے بتایا کہ وہ اس کے جنسی نظریے سے مطمئن نہیں ہے اور اس سلسلے میں اس کا ایک مضمون لیبڈو کی علامات (Symbols of Libido) شائع ہوا جس میں اس نے فرائیڈ کے روایتی قلمیے کو رد کر دیا اور پھر ۱۹۵۳ء میں اس موضوع پر ایک مکمل کتاب بھی لکھی۔

ڈونگ کی نفسیات میں ایک اصطلاح ہیل سوگ (Helloweg) ہے جو رفتہ رفتہ ابھری ہے۔ اس جرمن اصطلاح کے دو معانی ہیں، ایک معانی تو طریقِ شفا کے ہیں اور دوسرے مقدس طریقِ کار کے ہیں۔ ڈونگ کی نفسیات میں اس بات کو بہت اہمیت حاصل ہے کہ لاشعور کو شعور میں لایا جائے۔ ہیل سوگ فردیت کا ایک طریقہ ہے۔ جس کے ذریعے سلف کو معاشرتی لاشعور سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اس لاشعور سے جو وجود کی کوکھ (Matrix) ہے، فردیت کے حصول کے لئے کئی متعین مارج ہیں، سب سے پہلے تو شیڈو سے سامنا ہونا ہے۔ ڈونگ کی زبان میں یہ سلف کے اس حصے کو شعور میں لانا ہے، جسے نظر انداز کرنے کا رشتہ خان پایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ایک مقابلہ پر سونا (Persona) کو کھلا دینا (Dissolution) ہے۔ یہ وہ توانائی اٹا ہے جس سے سزا کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد روح کی شبیہیں یعنی انیما اور اینی مس آتے ہیں۔ یہ عورتوں کے مردانہ پہلو اور مردوں کے نسائی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ اس کے بعد تو آرکی ٹائپ کا ایک جھوم نظر آتا ہے جس میں یوژمادانا آرکی اور ”عظیم یس“ کے آرکی ٹائپ بھی شامل ہیں۔ آرکی ٹائپ کچھ مماثلت افلاطونی خیال (Platonic Idea) کے ساتھ ہے مگر اس میں منظر کے ایسے اور برے دونوں ہی پہلو شامل ہوتے ہیں۔ جب کوئی صحیح آرکی ٹائپ تصور ابھرتا ہے۔۔۔۔۔ خواہ وہ خواب ہو یا تجلی ہو۔ اس سے سلف کی پیدائش کی نشاندہی ہوتی ہے، اور اس سے یہ بھی کہلاتا ہے کہ شعور اور لاشعور کثرت (Polarity) پر مشتمل ہیں۔

فردیت کی وضاحت کرتے وقت بلاشبہ ایسی تفصیل بھی بیان کی جاتی ہیں جو ”سرخ کی نفسیات“ (Surface Psychology) کہلاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال ڈونگ کی ہیروں جینی اور دروں جینی کی تفریق ہے اور اس کے بعد وہ چار اقسام آتی ہیں جنہیں فکر، احساس، قہس اور وجدان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈونگ کی نفسیات کا اہم ترین پہلو یہی روحانی سفر ہے اور ڈونگ کے لئے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ وہ اپنے ان خیالات کو سب سے پہلے مذہب اور علوم مخفی کے حوالے سے بیان کرے، کیونکہ ان کا اصل ہیروپ تو ہمیں نظر آتا ہے۔

میں قدرے تفصیل کے ساتھ فردیت کے اس عمل کو دہرا رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ یہ تصورات ان پر بھی واضح ہو جائیں، جو ڈونگ کی نفسیات سے موجودہ کتب کی وساطت سے متعارف ہو رہے ہیں۔ ڈونگ ان نفسیات والوں میں سے ہے، جن کے خیالات تھہر رہے تھے

بھی ہیں اور ایک سے زیادہ ماخذ کے بھی حامل ہیں۔ لہذا ان کو کئی زاویوں سے دیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ شاید آپ کو یہ احساس ہو کہ میں اس عمل کو بیان کر رہا ہوں جو میں اس کی سوانح کے حوالے سے پہلے بیان کر چکا ہوں، مگر ایسا نہیں ہے۔ موجودہ بیان ایک بالکل ہی مختلف زاویے سے کیا جا رہا ہے۔

۱۹۱۷ء میں ڈونگ کی کتاب ”کاشور کی نفسیات“ شائع ہوئی، اس کے بارے میں خود اس کا بیان یہ ہے کہ وہ ”تاریکی میں ایک دھندلی جست ہے“ اس میں تفکیلات اور تصورات اور حورے اور نامکمل ہیں، مگر اہم بات یہ ہے کہ اس میں پہلی بار فردیت کے تصورات کی نشاندہی ہوئی ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں اس کتاب کو پڑھنے کی ایک کوشش کی تھی جسی مگر مختلف سطحوں سے اسے تصورات ایک ہی وقت میں اٹھ آتے تھے کہ سب کچھ گڈھ ہو جاتا تھا، فردیت کا اصل اظہار ایک ایسی کتاب کے ذریعے کیا گیا، جس کا اہم سات وعت (Seven Sermoms) تھا اور ڈونگ نے اسے اپنے نام سے شائع بھی نہیں کروایا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب وہ اپنے ہی وضور کے اندر آوارہ پھرا کرتا تھا پھر ۱۹۱۶ء میں ایک زمانہ ایسا بھی آپکا تھا جب ڈونگ کا گھر بھرتوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ پھر ڈونگ کو زندگی کا ایک پیرائٹل تجربہ ہوا جس نے اسے بے پناہ متاثر کیا۔ گریس کی ایک دوپہر کو اس کے گھر کی گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔ حالانکہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا اور اسے یوں لگا کہ اس کا گھر دو حوں سے بھر گیا ہے پھر ڈونگ کو لگا کہ اب کچھ ہونے والا ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے! اس نے اپنے دل سے سوال کیا تھا۔ پھر انہوں نے کورس (Course) کی شکل میں چلانا شروع کیا۔ ”اہم یرو ظلم سے لوٹنے ہیں، جہاں ہمیں وہ کچھ نہیں ملا جس کی ہمیں تلاش تھی۔“

ان الفاظ کے ساتھ وعت کی اس کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ ”رفنگل یرو ظلم سے واپس لوٹے تھے، وہاں انہیں وہ کچھ ملا نہیں تھا جس کی انہیں تلاش تھی۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ ہمیں اندر آنے دو اور یوں میری تعلیمات کا آغاز ہوا تھا۔ ڈونگ نے تین شاموں میں یہ کتاب لکھی تھی اور وہ بھی نیم خود کار طریقے سے، پھر اس نے عنوانت اور ذیلی عنوانت بھی رکھے تھے۔ مرے ہونوں کے لئے سات وعت تھی لائیڈز (Basilides) نے جو اسکندریہ کا رہنے والا تھا یہ کتاب لکھی تھی، اسکندریہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں مشرق اور مغرب کا حکم ہے۔ یہ شر

نوظلاطونیت (Neo-Platonism) اور کیمیاگری کا شر تھا اور یہاں مشرق و مغرب ٹوٹنے کے حوالے سے ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے تھے سات، دھن، فردیت کے عمل کے لئے طریق کار کا درجہ رکھتی ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی شایع ضروری ہو کہ مروجوں سے مخاطب ہونا اور ان کی رہنمائی کی کوشش کرنا تاکہ وہ نجات پا جائیں صرف عیسائی لائبریا ٹوٹنے تک محدود نہیں ہے۔ مصریوں کی کلاسیکی کتاب (Book Of Dead) بہت مشہور کتاب ہے اور اسے کئی علوم کے حوالے سے پڑھا گیا ہے۔ ایسی ہی ایک کتاب بہت سے بھی مطلق کی جاتی ہے۔ ٹوٹنے اس سے بھی بہت متاثر ہوا تھا۔ ان دونوں کتابوں کو غلطی علوم اور روحانیت میں اعلیٰ مقام دیا جاتا ہے۔

ٹوٹنے اپنی کتاب کا آغاز پرانا یا خدا تعالیٰ (Pleroma) سے کرتا ہے، جس میں کچھ بھی نہیں ہے اور کبھی کچھ ہے، اور جس کے بارے میں سوچنا یا غور کرنا بے سود ہے۔ یہ وجود کی وہ حالت ہے جس سے انسان کو امتیاز کرنا چاہئے اور اس کا طریقہ فردیت کے حصول کے راستے ہیں۔ دوسرا راستہ واپس بلبروم کی طرف جاتا ہے جس میں داخل ہوتے ہی ہر طرح کی فردیت ختم ہو جاتی ہے اور انفرادیت کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔ انسان کو ہر حالت میں پوری طرح تسلط پا جانے والا ابراہامس (Abraxas) اردو میں اس کے لئے ابراہامس یا جنس ہوانہ کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، عیسائی لائبریا اسے توہماتی حقیقت (Illusionary Reality) کے معنی میں برحق ہے، اس میں قوت، دوران اور تبدیلی کے معانی موجود ہیں۔ اگر کوئی شخص ذرا سا بھی مشرقی عرفانیت (Gnostics) سے متعارف ہو تو اسے بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ٹوٹنے کے تصورات کہاں سے آئے ہیں کہ اگرچہ اس نے ان تصورات میں کچھ تبدیلیاں ضرور کی ہیں، جن میں فردیت کا تصور خاص طور پر قتل ذکر ہے، یہی وہ راستہ ہے جو روحانیت کی طرف جاتا ہے۔

ٹوٹنے خود بھی مصری عرفانی انجمنی پنا کرنا تھا مگر اس نے اس کی علامت کو مصابحت کا رنگ دینے کے لئے، اسے تبدیل کر دیا تھا۔ وہ اپنے ہمعصر عرفانی سلسلوں سے بخوبی آگاہ تھا وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ ۱۹ ویں صدی کے آخر میں جو احیا ہوا ہے وہ عرفانی خیالات کی نئی الطرائق ہے۔ ایسی ہی جیسی کہ حضرت عیسیٰ کے بعد پہلی صدی اور دوسری صدی میں ہوئی تھی۔ بعد میں اس نے بتایا تھا کہ وہ عرفانیت کا مطالعہ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۶ء کے دوران کرتا رہا تھا اس کے



بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جن دنوں وہ روحانی میڈیم کا مطالعہ کر کے مطالعہ سے اچھا خاصا آشنا ہو چکا تھا۔ پھر ڈونگ کے گھر کے پاس آفاقی عرفانی کلیسا (Universal Gnostic Church) کے مرکزی دفاتر نے اور ۱۹۳۰ء میں برلن میں امریکہ سی خریداری ممکن ہو گئی تھی۔ دونوں عظیم جنگوں کے درمیان کا وقت ڈونگ نے علوم خفیہ کے حصول اور احیاء کی دھن میں گزارا تھا۔

ڈونگ کو خفیہ علوم کے بارے میں بہت سے خیالات مشرقی فلسفے اور مواد کے مطالعہ کے دوران ہاتھ آئے تھے اس دوران اس نے انسانی روحانی سفر کی نئی توجیسہ بھی کی تھی۔ کچھ نہ کچھ علم اس نے علم نجوم (Astrology) کے مطالعے سے بھی حاصل کیا تھا۔ مشہور مستشرق (Orientalist) رچرڈ ولیم کے ساتھ اس کا تعلق تھا اور پھر اس نے ایون۔ وینز (Evan Wentz) کے جتنی متن کا پناچہ بھی لکھا تھا۔ یہ دیکھنا بہت اہم ہے کہ ڈونگ نے ماخذوں کو نئی توجیسہ کے لئے استعمال کیا تھا علم نجوم کے تاریخ دانوں کے لئے یہ بات بہت اہمیت کی حامل نہ بھی ہے کہ ڈونگ علم نجوم کے بارے میں کیا سوچتا تھا۔ مگر جو لوگ ڈونگ کی نفسیات یا ذات میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے یہ بات اہم ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جیل سوگ یا روحانی سیاحت پر خصوصی توجہ دیں یہ بھی اہم ہے کہ اس نے کیمیاگری کا جو متوازی نفسیات میں تلاش کیا تھا اس کا مطالعہ غور سے کیا جائے۔

ڈونگ نے اپنے بارے میں جو تحریر زندگی کے آخری دنوں میں لکھی۔ اس میں وہ کہتا ہے کہ اس نے کیمیاگری کے بارے میں تحقیق ایک خواب کی تحریک پر آغاز کی اس خواب میں وہ ۱۷ویں صدی میں گمراہ ہوا تھا۔ اس کے بارے میں صحیح ہمسیرت اسے اس وقت حاصل ہوئی جب اس نے "اسٹروکل ڈریس" پڑھی۔ یہ ایک چینی مسودہ تھا جو اس کے دوست رچرڈ ولیم نے اسے بھجوا دیا تھا مگر اس سے پہلے لکھا جانے والا ایک مضمون "فردیت کے عمل کا ایک مطالعہ" کچھ اور ہی حکایت بیان کرتا ہے۔ اس میں اس کے ایک مریض کی بنائی ہوئی تصویریں ہیں جو فردیت کے مختلف مدارج کو بیان کرتی ہیں اس سلسلے کی تیسری تصویر بلاشبہ کیمیاگری کی طرف ایک واضح اشارہ تھا جس سے مجھے یہ سوچھی کہ میں حقیقی طور پر اس قدم روہے کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کرنا ضروری ہو گیا۔ یہ تصویر ایک خاص کڑے (Sphere) پر مشتمل تھی اور اس کے کونے میں ایک ستارہ تھا اور اس کڑے کے گرد

گردش کرتا ہوا ایک اور سفید اور چمکدار کتہ تھا اور اس میں ۱۴ کا عدد لکھا ہوا تھا۔ ڈوگک کے مریض نے اسے بتایا تھا کہ حلقہ عطارد یعنی (Mercury Of Hermes) کے بازوؤں کا نمائندہ ہے (کھانکی معنوں میں وہ خدا کا قصہ تھا۔ مگر کیمیاگری میں اسے روح کائنات سمجھا جاتا ہے) اور وہ پچھلی ہوئی چاندی سے بنا ہوا ہے۔

یہ حقیقت بہت اہم ہے کہ یہ خیال مریضوں نے تجویز کیا تھا یہ خود ڈوگک کی اختراع نہیں تھی، یہ بھی ممکن ہے کہ اس سلسلے میں ایک شخصیت کی نشاندہی کی جائے کرستانن مان (Kristine Mann) جو نیویارک میں ڈوگک کی نفسیات کو عملی سطح پر متعارف کروانے والوں میں سے ایک تھی، اور چارلس ہال بروک مان (Charles Halbrook Mann) (۱۸۳۹ء-۱۹۱۸ء) کی بیٹی تھی جو سویڈن بورگین جدید کلیسا کا امریکہ میں سب سے بڑا دانشور تھا۔ کرستانن مان سویڈن بورگین کلیسا سے تعلق دوہری اہمیت کا حامل ہے، پہلی اہمیت تو یہ ہے کہ خاص طور پر امریکہ میں سویڈن بورگین کلیسا خصوصی طور پر کیمیاگری سے متعلق تھا خصوصاً ان ذہنوں میں جو روایت پسند ہیں، پھر یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ چارلس مان نے بھی انیسویں صدی کے دوران، ذاتی امراض کی شفا یابی میں بہت دلچسپی لی تھی اور علاج کا ایک نظام بھی تشکیل دیا تھا پھر ڈوگک سے آدھی صدی پہلے ہی اس نے اسے ایک تحریک کی شکل دینے کی کوشش کی تھی اور اس کا طریق کار بھی وہی تھا جو ڈوگک نے اس کی بیٹی کے علاج کے لئے اختیار کیا تھا اس کو وہ سویڈن بورگین روحانی طریق کار سمجھتے تھے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ خود ڈوگک نے سویڈن بورگ کو بہت پڑھا تھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ڈوگک پر یہ اثرات محض نیوچرچ یا کرستانن مان تک محدود نہیں تھے کچھ اور مریض بھی ایسے تھے جو انہی خطوط پر علاج کی مست پڑھ رہے تھے۔ کچھ زمانے کے بعد کرستانن مان نے اس پر ایک مقالہ بھی لکھا تھا۔ جس کا نام تھا (Self Analysis Of Emmanuel Swedenborg) یہ مضمون نیویارک کے ڈوگک کے حلقے میں تقسیم کیا گیا تھا اور یوں ڈوگک نے اپنی توجہ خاص طور پر کیمیاگری کی طرف مبذول کی تھی۔

پھر ۱۸۳۰ء اور ۱۸۵۰ء کے دوران ڈوگک نے کیمیاگری کے بارے میں اپنا رویہ پوری طرح واضح کر دیا تھا۔ اس کی کتاب ”نفسیات اور کیمیاگری“ جو اس دوران شائع ہوئی تھی اس

سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ ڈونگ نے کیمیاگری کے متعلق خاص مطالعہ کیا تھا اور یوں اس کے عقلی رخ کی پیش قدمی ہوئی تھی۔

اس میں یہ کہا گیا تھا کہ سطح پر تو عیسائیت تھی مگر اندر کیمیاگری کی حکمرانی تھی۔ ڈونگ یقیناً اے ای وٹ (A. E. Waite) سے متاثر ہوا تھا خاص طور پر اس خیال میں کہ عیسائیت کے مرکزی خیالات عرفانی فلسفے (Gnostic Philosophy) کے منبع سے ابھرے ہیں اور اس نے ایسے عیسائی دانشوروں کے استدلال کو دہرایا تھا جو سری (Esoteric) عیسائی تھے، اور انہوں نے عقلی علوم کے احیاء میں مثبت کردار ادا کیا تھا۔ ڈونگ نے سب سے پہلے تو اس سلسلے میں بے حد احتیاط برتی تھی کہ نفسیات کے اندر کیمیاگری کے معانی ٹھیک طریقے سے متعین ہو جائیں اور کیمیاگری کے عمل کو فردیت کے عمل کے ساتھ عمل طور پر درجہ بدرجہ نمائش سمجھا جائے، یہ الگ بات کہ ہر تجزیاتی یا عقلی کیس میں اس کی کار فرمائی اس طرح دکھائی نہ دے۔

چونکہ ڈونگ کی نفسیات کے بارے میں یہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کا تعلق سریت کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس کے گرد کئی ایسے لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے، جن کا تعلق کسی نہ کسی طریقے سے روحانیت کے ساتھ تھا۔ اگرچہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے کرشائن مان کی واحد مثال تھی، مگر دوسری جنگ عظیم سے سے کچھ عرصہ پہلے ہی سیرائس نی کول (Maurice Nicoll) ڈونگ کا اپنا انتخاب تھا وہ برطانیہ میں آباد ہوا تھا اور اس کا تعلق گروہیت (Gurdjieff) انسٹی ٹیوٹ سے تھا۔ ولیم میکڈوگل (William McDougall) پہلی جنگ عظیم سے بھی پہلے ان موضوعات میں دلچسپی لینے لگا تھا اور مئی ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۵ء میں جب ڈونگ نے انگلستان میں سینٹر منعقد کئے تھے تو ان کی رچرنگ مشہور عرفانیت پسند (Theosophist) اور سحر کے موضوعات پر لکھنے والے ڈبلیو بی کرو (W.B. Crow) نے کی تھی۔

ڈونگ سے ملتی جلتی طبیعت کے دانشوں نے ۱۹۳۳ء کے بعد ایرانوس کانفرنس میں شامل ہونا شروع کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے اولگا فروبے کیپٹین (Olga Froebe Kapteyn) (۱۸۸۸ء-۱۹۴۳ء) نے ایک خصوصی آئی ڈی فوریم جمیل میگلور (Maggiore) کے کنارے بلوایا تھا۔ تاکہ وہاں ایسے اجلاس ہو سکیں جن کو سب سے پہلے ”عرفانیت پسندی کا گریوں کا سکول“ کہا جاتا تھا۔ اس تصوف (Mysticism) سری علوم

(Esoteric Sciences) اور روحانی علوم پر تحقیق کی جاتی تھی۔ فراء فروبے (Frau Froebe) میونخ کے صوفیا کی سرپرست تھی، اسی ہامت اس صدی کے آغاز ہی سے سریت کے ماہرین وہاں جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ یہ خیال شاید ڈونگ ہی کو سوجھا تھا کہ وہاں عقلی علوم کے فورم کے دوران نگہروں کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے اور یہ ایسی زبان میں ہو، جو عام طور پر عقلی علوم میں استعمال ہونے والی زبان کا مناسب بدل ہو۔

ایرانیوس میں ہونے والے یہ لیکچر عقلی علوم کے گرد و ہوں سے بہت زیادہ مختلف تونہ ہو سکتے تھے۔ اسکونا (Escona) آنے والا ایک زائر جیکب ولسلم ہاور (Jacob Wilhelm Hauer) جس کو ڈونگ اپنے میونخ کے شاگرد کی وجہ سے جانتا تھا اور ۱۸۹۲ء میں زیو ریچ کے ڈونگس کلب میں یوگا (Yoga) پر لیکچر بھی دے چکا تھا ۱۸۹۳ء میں اس نے ایرانیوس میں عددی ایمانییت (Number Symbolism) پر لیکچر دیا تھا جس سے ڈونگ بے حد متاثر ہوا تھا اور اس لیکچر کے دوران اس نے اپنی لاشعور کا تصور بھی متعارف کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نسلی لاشعور (Racial Unconscious) کے بارے میں بھی بات کی، جو پوری نسل کی ایمانییت سے معمور ہوتی ہے۔

ایک اس کی اہمیت یہ بھی ہے کہ ہاور نے ناروی اعتقاد (Nordic Faith) کی تحریک بھی چلائی تھی اور اس کا آغاز ایرانیوس کے لیکچر سے ایک برس پہلے ہو چکا تھا اس کے اراکین یہ حلف اٹھاتے تھے کہ وہ کسی فری مین کو اپنی تحریک میں شامل نہیں کریں گے۔ ۱۸۹۵ء میں ہاور نے برلن میں ایک تقریر کے دوران بہت متشددانہ رویہ اختیار کیا تھا اور ایڈولف ہٹلر (Adolf Hitler) اپنے عصر کا بلند قرار دے دیا تھا۔ ڈونگ نے یہ سب کچھ بڑے متذہب کے ساتھ مشاہدہ کیا تھا اس کا ایک مضمون جس کا عنوان ووشن (Wotan) تھا اور جس کی مدد سے ڈونگ کو نازی طاقت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر ایسا کتنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں ہاور کو ڈونگ نے معتوب قرار نہیں دیا، ڈونگ نے یہ دعوے کیا ہے کہ ووشن جو آلمانی (Teutonic) لوگوں کا جد و جہد اور چلو کا دیوتا تھا یہ اس کا آرکی ٹائپ ہے اور جرمنوں کے لاشعور کا لازمی حصہ ہے۔ ڈونگ نے جرمن عیسائی کے تصور کی مخالفت کی تھی اور ان سے کہا تھا کہ اس سے بچو کہ وہ ہاور کی تحریک کا حصہ بن جائیں اور اس شخص کی پیروی کرنے لگیں جو خدا کا اوتار ہے۔ ہاور کی سرگرمیاں

ایک ایسا ہی نیکن حقیقی طور پر ایک ہلدارانہ کوشش تھیں جس کی توقع کسی ایسے ہاشور سکار سے کی جاسکتی تھی جو دونوں کی قوت کا حامل ہو۔

ڈونگ کا ہلدار کے ساتھ تعلق صرف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ دونوں عظیم جنگوں کے درمیانی عرصے میں جرمن زبان بولنے والے علاقے کے حصوں اور مزید خیالات کے سیلاب سے محفوظ نہ رہ سکے، اور اس تحریک سے اسے بہت سے شاگرد ہاتھ آئے۔ جو لوگ ڈونگ کو نازی خیالات کرتے ہیں وہ اس کی نفسیات میں اس طرح کے خیالات کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ کہ اس کے اندر نسلی لاشور موجود ہے، جس کو ہر صورت نازی ازم کی طرف موڑا جا سکتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں ڈونگ نے نازی اور اسرائیلی نفسیات کے بارے میں کچھ بیانات دیے ہیں اور یہ بھی کچھ اس نے اپنے نظام فکر کے اندر رہ کر کیا ہے۔ جو کچھ اس کے مخالفین کہتے ہیں وہ قائل گرفت نہیں ہے، محض اتنی بات ہے کہ ڈونگ اور نازی مفکرین کے بعض خیالات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ خیالات تو اس زمانے میں بہت سے تھے۔ ڈونگ نے جو چاہا وہاں میں سے چن لیا ہے مگر ممکن ہے اس کے ہونے پھل میں کچھ دانے سڑے ہوئے پھل کے بھی آگئے ہوں۔

اب آخر میں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے۔ کہ صرف وہی لوگ ڈونگ کی توجہ کرنے کے قابل سمجھے جانے چاہئیں اور وہی خاص طور پر روح کے معاملات میں جو ڈونگ کی تحلیل کے عمل میں سے گزر چکے ہیں۔ مگر ہم جیسے عام لوگوں کے لئے زیورچ کے اس عظیم انسان نے جو عمومی خدمت سرانجام دیں، وہ بے شمار ہمسیر تھیں جن کے در اس نے ہم پر داکر دیے ہیں۔ اس نے تفتیش کا ایک طریق کار وضع کیا ہے۔ ایک قابل قبول زبان عطا کی ہے، اور ایک ایسا راستہ بتایا ہے جس پر چلا جاسکتا ہے۔

یہاں تک پہنچ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ ڈونگ کی نفسیات روحانی نفسیات نہیں ہے، بلکہ پورے انسان کے باطن کے مطالعے کی ایک کوشش ہے۔ جس کے زاویے مذہب، فلسفہ، تربیت، عقلی علوم اور اساطیر سے ملے ہوئے ہیں۔ ڈونگ نے انسان کے بارے تقریباً بھی سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس نے جدید انسان کے لئے یہ ممکن بنادیا ہے کہ وہ اپنے عظیم باطنی اور ذرا دیکھنے والے مستقبل کے سلسلے میں ایک مضبوط کڑی ثابت ہو سکے۔ اگلے باب میں ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ جن عقلی علوم کا حوالہ

ٹونگ کے یہاں آیا ہے، وہ اپنے طور پر کیسے جانے پہچانے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کوشش کریں گے ٹونگ کا ان سے تعلق بھی جس قدر ممکن ہو واضح کریں۔ اس باب میں محض چند ہی عقلی علوم کا ذکر آئے گا سب کا ذکر کرنا ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ یہ علوم مقداری لحاظ سے بھی بے شمار ہیں اور بہت سے ایسے علوم بھی ہیں جن سے ٹونگ کو واسطی نہیں چڑا۔ خصوصاً مسلم سری علوم، اور عقلی علوم ہر صورت مسلمان سیرت کے کیا معانی لیتے ہیں، اس کی کچھ تشریح آپ کی مطومات کے لئے شامل کی جاتی ہے۔ کیا گری کے سلسلے میں بھی مسلمانوں کے نقطہ نظر کو اس کتاب کا حصہ نہیں بنایا گیا کیونکہ ٹونگ کے حوالے سے ان کا ذکر زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ ٹونگ کا زیادہ زور بحیثیت اور یوہ پ پر ہی رہا ہے۔ اگرچہ بودھ اور ہندو اثرات کے ساتھ ساتھ کچھ چینی اثرات اس کی نفسیات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

## حواشی

۱۔ دانیٹ ہیڈ، الفرڈ، نارتھ (Whitehead Alfred North) (۱۸۶۱ء-۱۹۴۷ء) برطانوی فلسفی اور ریاضی دان۔ دانیٹ ہیڈ کا پہلا بڑا کام Principia Mathematica (۱۹۰۳ء-۱۹۱۰ء) یہ ہرٹزینر رسل کی رفاقت میں لکھا گیا۔ بعد کی کتابوں میں، جن میں Principles Of Natural Knowledge (۱۹۱۹) اور The Concept Of Nature (۱۹۲۰ء) شامل ہیں، اس نے وہ رشتہ دریافت کرنے کی کوشش کی جسے تصور (Concept) اور حس مدرك (Sense Perception) میں مربوط ہے، اس کے بعد اس کا فلسفہ زیادہ سے زیادہ مجدد الطبیعیاتی ہوتا چلا گیا۔ اس کو ۱۹۳۵ء میں او ایم (Om) دیا گیا۔

۲۔ رسل، برٹینڈ، آر تھور، ولیم، تھورڈ ایل (Russell, Bertrand Arthur William 3rd Earl) (۱۸۷۲ء-۱۹۷۰ء) برطانوی فلسفی، لارڈ جون رسل کا چچا، اس کا پہلا بڑا کام Principia Mathematica تھا، جو اس نے الفرڈ دانیٹ ہیڈ کے اشتراک میں کیا، اس میں خلاص ریاضی کو منطق کی بنیاد بنایا گیا تھا۔ مجدد بنانے پر اور منطق بنیاد پر (۱۹۱۳ء) Our Knowledge Of External World (1914) ایک ایسی کتاب ہے، جس میں طبیعت (Epistemology) کے درستی مسئلے کو نئے زاویے سے دیکھا گیا ہے۔ اپنے ہی شاگرد ویٹنگ

طاشی (Wittengstein) سے اس نے امتیازات میں دلچسپی لینا سیکھا۔

اس نے متنوع موضوعات پر لکھا، جن میں مذہب، سیاست اور اخلاقیات وغیرہ شامل ہیں اور مسائل کے بارے میں اس نے اپنی رائے خود قائم کرنے کی کوشش کی۔ ۱۸۶۶ء میں اسے اپنے انیت (Pacifism) کے نظریات کے باعث نیل جلاپڑا اور اسی باعث اس کی کیمبرج کی لکچر شپ کی فکری بھی جاتی رہی۔ ۱۸۳۰ء میں ایک امریکی عدالت نے اسے لیوڈارک میں ایک پروفیسر شپ کے قابل قرار دے دیا۔ یہ واقعہ اس کے اخلاقی نظریات کے پاس پیش آیا۔ ۱۸۶۱ء میں جب اس نے اپنی اسٹے کے عہدہ آؤڈر اشٹائی، تو اسے پھر سے گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۸۳۹ء میں اسے اوہم کا خطاب دیا گیا اور اوہم کا ٹوٹل انعام اسے ۱۸۵۰ء میں حاصل ہوا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ محبت کا پیجاری ہے۔ علم کا حقائق ہے اور انسانیت کے لئے امتیازی نرم گوشہ رکھتا ہے اور یہی سب کچھ اس کی زندگی بھر کی لگن ہے۔

بیکن فرانسس فرسٹ بارن ویرولم والی کونٹ سیلٹ الہائز (Bacon, Francis, 1st Baron Verulam, Viscount 1st Albans) (۱۵۶۱-۱۶۲۶) ایک انگریز وکیل اور فلسفی ۱۵۸۲ء میں اسے بار میں چلایا گیا۔ ۱۵۸۲ء میں وہ ریم پی چلایا گیا۔ ۱۵۹۰ء میں سیاسی جوش قدی کی امید میں اس نے اریل آف اسیکس (Earl Of Essex) سے دوستی بنائی، مگر ۱۶۰۱ء میں اس نے اپنی مہل کو سزا دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ پھر اول (جس نے ۲۵-۱۶۰۳ء تک حکومت کی) کے زمانے میں اس کی خوب پڑائی ہوئی اور سکاٹ لینڈ کی یونین کا کٹھن مقرر ۱۶۰۸ء پھر ۱۶۰۳ء میں انگلستان کا کٹھن بنا۔ ۱۶۱۳ء میں انگریزی جنرل چلایا گیا، پھر ۱۶۱۸ء میں لارڈ چانسلر چلایا گیا۔ ۱۶۲۱ء میں وہ دھوٹ اور کرپشن میں ملوث پایا گیا اس کو چالیس ہزار پونڈ کا جرمانہ کیا گیا اور اس کو عہدے اور پارلیمنٹ سے بے دخل کر دیا گیا۔

بیکن کی شہرت کا انحصار اس کی فلسفیانہ اور ادبی تخلیقات پر ہے اس نے سترھویں صدی کے سائنسی فکر کو بھی بہت متاثر کیا۔ ۱۵۹۷ء میں اس نے صداقت، مرگ اور دوستی کے موضوعات پر مضامین کی ایک Essays کے نام سے مرتب کی۔ اس کی ان موضوعات پر دو سری کتاب ۱۶۲۵ء میں شائع ہوئی۔ ۱۶۰۵ء میں The New Advancement Of Learning کے عنوان سے اس کی ایک اور کتاب شائع ہو چکی تھی جس میں سائنس کی جماعت بندی نئے سرے کی گئی تھی، ۱۶۲۳ء میں اسی موضوع پر اس کی ایک اور کتاب شائع ہوئی۔ جس میں اس نے استدلال کیا تھا کہ علم صرف تجربے سے حاصل ہو سکتا ہے اور اس میں بیکن نے استقرائی طریق کار کی وکالت کی تھی اس کی

دوسری تصنیفات میں 'اسٹری آف ہٹری VII (۱۶۸۴ء) اور New Atlantic (۱۶۸۶ء) شامل ہیں، اس میں اس نے اپنی مثالی ریاست کی وضاحت کی تھی۔

نیشن، سرایزک (Newton Sir Isaac) (۱۶۴۳ء-۱۷۲۷ء) برطانوی ماہر طبیعیات اور ریاضی دان تھے وہ کیمبرج یونیورسٹی میں پروفیسر تھا (۱۶۸۷ء-۱۶۸۹ء) رکن پارلیمنٹ برائے یونیورسٹی (۱۶۸۹ء-۱۶۸۸ء) اور ماسٹر آف دی منٹ (Mint) (۱۶۸۷ء-۱۶۸۹ء) وہ ہر علم کے سائنس دانوں میں ایک عظیم سائنس دان ہے۔ اس نے اپنے کام کا زیادہ تر حصہ اس وقت مکمل کیا جب وہ اپنے والدین کے گھر میں لگا شاز میں تھا یہ کام اس نے گریجویٹن کے بعد مکمل کیا تھا جبکہ یونیورسٹی عظیم پلنگ کی وجہ سے بند تھی (۱۶۸۵ء-۱۶۸۷ء) اس کی سب سے پہلی دریافت قانون تہلؤب (Gravitation) تھی، اس اصول میں اس نے یہ کہا تھا کہ درخت سے گرنے والا سیب بھی اسی قوت کی گرفت میں ہوتا ہے جو چاند کو اس کے مدار میں گردش میں رکھتی ہے۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ تہلؤب کو مہرست کے ساتھ جان کیا جائے، پتا چڑھنے نے اس کا اطلاق اپنے قوانین حرکت پر بھی کیا۔ اس علم میں نیوٹن کا دوسرا بڑا کام احصا (Calculus) کی ایجاد تھا ایک زمانے تک نیوٹن اور لیبٹز (Leibniz) ایک دوسرے سے اس بات پر الجھے رہے کہ کس نے اس خیال تک پہلے رسائی حاصل کی تھی۔ امکان یہی ہے کہ دونوں تقریباً ایک ہی وقت میں اس خیال تک پہنچے تھے۔۔۔۔۔ تیسری بڑی چیز بصیرات (Optics) کے میدان میں تھی۔ اس نے یہ دریافت کیا کہ سفید روشنی بہت سی رنگدار روشنیوں کا مرکب ہے، جن کو انعطاف (Refraction) کی مدد سے الگ الگ کیا جاسکتا ہے۔ اسے یہ لفظ خیال بھی تھا کہ ان اثرات کی صحیح ممکن نہیں ہے۔ جب یہ علم سے کی انحراف لونبات (Chromatic Aberration Of a lens) کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پھر اس نے اس اصول کو بروئے کار لاتے ہوئے 'انعکاسی دوربین' (Reflecting Telescope) ایجاد کی۔ اس کی تحریروں میں اہم ترین تھے Philosophia Naturalis Principia Mathematica (۱۶۸۶-۸۷ء) اور بصیرات (Optics) (۱۷۰۴ء) تھی، جس میں یہ کہا گیا تھا کہ روشنی ذراتی (Corpuscular) منظر ہے۔

اگرچہ نیوٹن کو پارلیمنٹ کا رکن بھی بنایا گیا مگر سیاست پر وہ کوئی اثرات مرتب نہ کر سکا بلکہ اس نے اپنے باسٹراف منٹ ہونے کے دوران سکوں کو ضرور بہتر بنایا۔ وہ ۱۷۰۳ء سے لے کر اپنی موت تک رائل سوسائٹی کا صدر رہا ۱۷۰۳ء میں اسے سر کا خطاب دیا۔ نیوٹن کی زندگی کا آخری دور کیمیاگری، علم نجوم، اور دنیائی مسائل پر غور کرتے ہوئے گزرا، اس نے بائبل کے مطالعے پر غور



کرنے کے بعد زمین کی عمر ۳۵۰۰۰ ملین سال مقرر کی۔ نوبل کو ویسٹ منسٹر ایبے (Westminster Abbey) میں دفن کیا گیا۔ آئن سٹائن نے اس کے بارے میں کہا ہے "ایک ہی شخصیت کے اندر اس نے تجربہ کرنے والا اور نظریے ساز کے ساتھ ساتھ کیمیک اور فزکس کا کاروبار بھی کر لیا تھا۔"

۷۔ ہاکنگ، سٹیفن، ویلم (Hawking Stephen William) (۱۹۴۲ء) ایک برطانوی طبیعیات دان، اسے عمومی اضافیت (General Relativity) اور بلیک ہول (Black Hole) کے میدان میں بھی مستحق سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۶۰ء سے وہ ایک ایسی اعصابی بیماری کا شکار ہے، جس نے اسے مکمل طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے مگر اس نے مکمل طور پر اپنی ذاتی صلاحیتوں پر انحصار کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس نے ۱۹۷۹ء میں یہ نظریے دیا تھا کہ بلیک ہول سے بھی ذرات باہر پھینکے جاتے ہیں اور یہ ثابت کیا تھا کہ آئن سٹائن کے عمومی نظریے اضافیت سے بگ بینک کے نظریے کو تقویت ملتی ہے۔ اس کی کتاب (A Brief History Of Time) مشکل موضوع کے باوجود بے پناہ مشہوریت حاصل کر چکی ہے۔ اس کا ترجمہ دنیا کی اکثر زبانوں میں ہو چکا ہے۔ جس میں اردو بھی شامل ہے۔

۸۔ تحویل (Reductionism) جسوں صدی کے فلسفے کا ایک رہنما ہے جسے تکلیف (Scepticism) نے پروان چڑھایا، تحویل پسند یہ استدلال کرتے ہیں کہ ہر اشیاء محض حسیات کا مجموعہ ہیں۔ دوسروں کے ذہن بھی، ان کے حاشیوں کے طبیعی مظاہر سے زیادہ نہیں ہیں، جو کچھ ہم باطنی کے متعلق کہتے ہیں وہ اس کے متعلق محض ایک موجودہ شواہد کا مجموعہ ہے، یہ دوسرے مظاہریت پسندوں (Phenomenalist) اور منطقی اثباتیت پسندوں (Logical Positivists) میں بہت مروجہ ہے، وہ اپنے بیان کو بہت سے بیانات تک پھیلا دیتے ہیں۔

۹۔ استقرائی طریق کار (Deductive Method)۔ منطق میں استدلال کا وہ طریقہ، جس میں عمومی اصول سے خصوصی (Particular) نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے نتائج تجرباتی اور حقیقی ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں استقرائی نتائج کبھی بھی امکان اور احتمال کی سطح سے اوپر نہیں جاسکتے۔

۱۰۔ استقرائی طریق کار (Inductive Method)۔ وہ طریق کار جو متعدد شواہد کی مدد سے کوئی تجربی (Empirical) محکمہ (generalization) بناتا ہے۔ اس کا نکال ہوا نتیجہ حقائق سے باہر اچلا جاتا

ہے، کیونکہ تمام شواہد کا مطالعہ کرنا بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اختراقی نتائج نکالے جاسکتے ہیں، مگر یہ امکان پیش رہتا ہے کہ وہ غلط ثابت ہو جائیں۔

برہمہ، ٹائیکو (Brahe, Tycho) (۱۵۴۶ء-۱۶۰۱ء) ڈنمارک کا ماہر فلکیات، جس نے درست نتائج حاصل کرنے والے فلکیاتی آلات بنائے اور پھر ان کو اپنے مشاہدات کے لئے استعمال کیا اور یوں اس نے اپنے زمانے میں پہلے سے موجود آلات اور طریقوں کو بدل کر رکھ دیا۔ پہلی بار اس کی توجہ ۱۵۷۲ء کے نورا (Nova) کی طرف مبذول ہوئی، اس کے نتیجے میں بادشاہ فریڈرک ثانی نے اسے ایک زرے ہوین (Hveen) میں دو مکان گھر بنا کر دیے۔ جہاں اس نے ۱۵۸۰ء سے ۱۵۹۷ء تک کام کیا۔ اس دوران میں اس نے بے پناہ مشاہدات کئے، جس کی وجہ سے اسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں، مگر اس کا ایمان تھا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اور سیارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ بادشاہ فریڈرک کی موت کے بعد اس کا مہاراجاشین بادشاہ سے نہ ہو سکا وہاں سے پرانگ آیا، جہاں اس کی ملاقات کپلر (Kopler) سے ہوئی، پھر اس کا شاگرد بن گیا۔ برہمہ کی موت کے بعد کپلر نے اسی کے بیچ کردہ مواد کی بنا پر سیاروں کی حرکت کے قوانین وضع کئے۔

کپلر جوہنیز (Kopler Johannes) (۱۵۷۱ء-۱۶۳۰ء) ایک جرمن ماہر فلکیات، وہ کوپرنیکس (Copernicus) کے اولین مصلحتوں میں سے ایک تھا، وہ سمجھتا تھا کہ سورج ہمارے نظام شمسی کا مرکزی نقطہ ہے۔ ۱۵۹۷ء میں وہ ٹائیگو برہمہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے پرانگ گیا، جب برہمہ مر گیا، تو اس فلکیاتی مشاہدات کا سارا مواد کپلر کے حصے میں آیا۔ کپلر نے اس مواد کو سیاروں کے مدار چھیننے کرنے کے لئے استعمال کیا اور ایسا کرتے ہوئے اس نے یہ دریافت کیا کہ یہ مدار بیضوی ہیں۔ اس نے اپنی یہ دریافت شائع کی، اس کا پہلا اور دوسرا قانون اسٹرونومیا نورا (Astronomia Nova) (۱۶۰۹ء) اس میں شامل تھے۔ ۱۶۱۹ء میں اس نے تیسرا قانون شائع کیا، جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ سال کے دوران سیارے کا سورج سے فاصلہ کتنا ہوتا ہے۔ ۱۶۲۰ء میں اسے گلیلی کی بنائی ہوئی ایک دوربین ملی، جس کو اس نے مشرقی کے مشاہدے کے لئے استعمال کیا، ۱۶۱۱ء میں اس نے اس دوربین کی بنیاد پر ایک ہجرت دوربین بنائی، جسے اب کپلر کی دوربین (Kepierian Telescope) کہا جاتا ہے۔

کپلر کے تین اصلی قوانین، جو اس نے ۱۶۰۹ء اور ۱۶۱۹ء (تیسرا قانون) بنائے تھے، کچھ اس طرح ہیں

(۱) ہر سیارہ سورج کے گرد ایک بیضوی (Elliptical) مدار (Orbit) میں اس طرح گردش کرتا ہے کہ سورج اس کے ایک پاسکے (Focus) پر ہوتا ہے۔ (۲) وہ خط جو سیارے کو سورج کے ساتھ ملا تا ہے، برابر کے رقبے کے برابر کی مدت میں طے کرتا ہے۔ (۳) سیارے اور سورج کے درمیان فاصلے کا مکعب (Cube) یعنی (a) گردش کرنے والے وقت کے مربع (Square) کے برابر ہے، دوسرے لفظوں میں  $P^2 = a^3$ ۔

۱۱۔ کوپرنیکس، نیکولس (Kopernicus Nikulals) (۱۴۷۳-۱۵۴۳) پوینڈ کا فلکیات دان، اس نے جدید دور میں سورج کو نظام شمسی کا مرکز سمجھنے کا آغاز کیا تھا۔ ریاضی اور موسیقی میں کچھ تربیت حاصل کرنے کے بعد کوپرنیکس نے ستاروں اور سیاروں کے مقام کا تعین کرنے میں دلچسپی لیتی شروع کر دی تھی۔ اس نے موجود جدول (Tables) کو بہتر بنانے کی کوشش کی تھی، کیونکہ وہ ناقص تھے۔ اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ بطلمیوس (Ptolemy) کے زمین مرکز نظام کے مقام میں سورج کو مرکز بنا کر سمجھنے لگانے میں زیادہ آسان کام تھا، پھر اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ ایسا کرنے سے نظام شمسی کو بیان کرنا بھی ممکن ہو جائے گا۔ اس کا ایک باؤل بنا کر پیش کرنے سے ایسا کرنے کہیں بہتر ہے، کیونکہ اس سے یہ بھی بتایا جاسکتا ہے کہ سیارے کبھی کبھی پیچھے کی طرف کیوں سرک جاتے ہیں کوپرنیکس کو یہ بھی اندازہ تھا کہ اس کے یہ نظریات کلیسا کے نظریات کے برعکس ہیں، جو زمین کو کائنات کا مرکز مانتا ہے۔ لہذا اس کی زندگی میں اس کے نظریات محض چند قریبی دوستوں تک محدود رہے تھے۔ اس کی کتاب ۱۵۴۳ء سے پہلے شائع نہ ہو سکی تھی۔ اس کتاب کی پہلی کاپی جب اس کو ملی تھی وہ بستر مرگ پر تھا۔

۱۲۔ ہپنوسس (Hypnosis) ایجاز (Suggestion) کی مدد سے کسی ایسے معمول (Subject) کے اندر ٹرانس (Trance) کی سی کیفیت پیدا کرنا جو تھکوں کرنے پر آمادہ ہو۔ جن لوگوں کو کمرائی میں چٹاٹو کیا گیا ہو، وہ اس کیفیت میں دی گئی ہدایات پر عمل چلا ہوتا ہے، مگر ایسا کرنا جاننے کی حالت میں ممکن نہیں ہوتا۔ اس کیفیت میں معمول درد سے بے نیاز کئے جاسکتے ہیں اور ان میں بچپن کی حالت طاری کی جاسکتی ہے۔ پہلی بار اطوارومی صدی میں مسمر (Mesmer) نے اسے معالجاتی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اگرچہ وہ اس کا سہجہ نہیں تھا۔ پھر بریڈ (Braid) نے انیسویں صدی میں اسے آگے ترقی دی اور اس کا نام ہپنوسس رکھا۔ فرانس میں یہ کام شارکوٹ (Charkot) کر رہا تھا جس نے فرانیڈ کو اس سلسلے میں تربیت دی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے اور اس کی میکانیت کیا ہے، اس کا ابھی تک

کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو کچھ انسان نہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ کام وہ اس حالت میں بھی نہیں کرتا۔ چونکہ اس میں مریض مکمل طور پر معالج کے اقتدار میں ہوتا ہے لہذا اس کے ممکنہ خدشات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

تحلیل نفسی (Psycho-Analysis) یہ ایک نفسیاتی کتب فکر کا بھی نام ہے اور یہ معاملے کا ایک طریق کار بھی ہے جس کی بنیاد فرانز کی تعلیمات پر ہے۔ تحلیل نفسی اس بات پر زور دیتی ہے کہ لاشعور کے اندر ذہنی توانائیوں کا ایک حری قصدم موجود ہے، جس کی وجہ سے بالغ شخصیت سمجھنے کی جہتیں قہری سے چھپیں ہوتی ہے۔ تحلیل نفسی کی سب سے اہم تکنیک آزاد حلاصہ (Free Association) ہے، اور خواہیوں کا تجزیہ ہے یہ معاملے کے دوران کیا جاتا ہے۔ یہ معاملہ پہلے میں کئی بار ہو سکتا ہے اور اس کی طوالت عام طور پر پچاس منٹ ہوتی ہے۔ اس معاملے کے دوران انتقال (Transference) واقع ہوتا ہے جس میں مریض حقی یا مثبت انداز سے اپنے گزشتہ ہونے تجربات کا رخ معالج کی طرف موڑ دیتا ہے۔ اس طریق کار میں بھولے ہوئے اور دہے ہوئے قصدموں کو پھر سے ذہن میں لایا جاتا ہے۔ تاکہ ان کا سدباب ہو سکے، جب تحلیل نفسی اصل محرکات اور یادداشت تک پہنچ جاتی ہے۔ تو مرض کی طوالت خائب ہو جاتی ہے۔

کرداریت (Behaviourism) نفسیات کا ایک کتب فکر امریکہ میں جے بی وائسن نے بیسویں صدی میں قائم کیا۔ جس میں زور اس بات پر ہے کہ مشاہدہ کئے جاسکتے والے کردار کے بارے میں بحثیں کوئی بھی جاسکتے۔ لاشعوری خیالات، احساسات اور سوچنے کے عمل کو غیر اہم خیال کیا جاتا ہے، کرداریت پسند ان قوانین پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں، جن کا تعلق محرک (Stimulus) اور اس کے جوابی رد عمل (Response) سے ہوتا ہے۔ یہ رد عمل ایک چھیدہ کردار میں تشکیل پائے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ مشروطیت (Conditioning) کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ طریق کار ان جانوروں کے سلسلے میں بہت کامیاب تھا جن پر تجربات تجربہ گاہوں میں کئے جاتے ہیں، مگر جب چھیدہ عوامل کا مطالعہ درپیش ہو جیسے مثال کے طور پر جذبات، لطافت اور غیر ذاتی رویے تو یہ زیادہ کار آمد نہیں ہو پاتے۔ اس کا ایک معاملہ بھی بتایا گیا تھا اور سائی کیلبرٹسٹوں کے ذریعے اس کا اطلاق کیا گیا۔ نفسیات دانوں نے اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔

پراگمات (Pragmatism) ایک فلسفیانہ تحریک جس کا آغاز ولیم جیمز (William James) اور سی ایس پیٹرس (C.S. Peirce) نے امریکہ میں کیا۔ اس کے مطابق کسی بھی نظریے کی صداقت اس

سے حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی ہی میں پرکھی جاسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعی صداقت ہے، تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ چنانچہ یورپ کے جامع باہد الطبیعیاتی نظام کو اسی بنیاد پر ہے معنی قرار دے دیا گیا کیونکہ اس سے انسانی وادوات کو قائم پانچا بقا و نقصان۔ سائنس میں وہ نظریہ درست مانا جاتا تھا اگر وہ کارآمد ہو اور اگر اس سے متوقع نتیجہ واقعی حاصل ہو جائے۔ اصطلاحات یا اصطلاحات میں کوئی ایسا اصول یا عقیدہ درست ہے جو اس کے سامنے دلوں کی حقیقی کامیابی ہو۔

۱۔ ایرس (Eros) بہت حیات، یونانی دیوتا کے حوالے سے محبت کا دیوتا، افروڈایتہ (Aphrodite) کے نام سے پیدا ہونے والی دیوس (Zeus) ہرمیس (Hermes) یا ایرس (Ares) کی اولاد اس کو عام طور پر ایک پرول دیوتا کی صورت میں دکھایا جاتا ہے جس کے پاس جبر کلین سمجھو ہے۔ اس کی ممانگت رومن کیونڈ (Cupid) سے قائم کی جاتی ہے۔ تحلیل نفسی کی ایک اصطلاح، جسے فرائیڈ نے یونانی دیوتا کے محبت کے دیوتا سے مشتعار لیا اس کا مطلب قہرظ ذلت کی تمام چیزوں سے ہے۔ اسی باعث اسے بہت حیات کہا جاتا ہے۔

۲۔ تھیناٹوس (Thanatos) بہت مرگ، یونانی دیوتا میں موت کی جسمی شکل۔ فرائیڈ نے ایرس کی طرح یہ اصطلاح بھی یونانی اصطلاح سے حاصل کی۔ یہ تعریف اور موت کی بہت ہے، جب اسے انجیل کے ساتھ ملایا جاتا ہے غرا وہ بیرونی ہو یا اندرونی تو وہ انجیلوں کو کرب (Pain) کی طرف لے جاتی ہے۔ ایرس کی طرح یہ بہت بھی لیبیدو (Libido) سے چھوٹی ہے جو تمام اغراضی قہرظی کا منبع ہے۔

۳۔ ایڈیپس کامپلکس (Oedipus Complex) نوجوان کے دشمنی جنس احساسات جن کا رخ اس کی اپنی ماں کی طرف ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مشدودان جذبات جو باپ کے ساتھ حقیقی سے متعلق ہوتے ہیں۔ تحلیل نفسی کے حوالے سے یہ ایک نارمل خواہش ہے جسے ابطان (Repression) کے عمل کے ذریعے دبا دیا جاتا ہے۔ عورتوں میں اس کا متبادل الیکٹرا کامپلکس (Electre Complex) ہے مگر اب ایڈیپس کامپلکس ہی کو دونوں کے لئے اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۴۔ انسانیت (Humanities) یا بشریات وہ علوم، جن کا تعلق انسان کے ساتھ ہے۔ اس میں نفسیات

قلم: آرٹ موستی اور کئی دوسرے علوم شامل ہیں۔

نئے اصولی لائحہ (Uncertainty Principle) اگر ایک ساتھ پارٹیکل کا مقام اور سمتیہ حرکت (Momentum) جاننے کی کوشش کی جائے، تو خواہ یہ چائنل امتحانی درست کیوں نہ ہو مگر یہ کچھ حاصل ہو گا اس کی قدر پر یقین نہ کیا جاسکے گا۔ لائحہ میں کہ دو شناخت دیکھی ہی اہمیت کی حامل ہے بھی کہ پلانک کے مستقل (Planck's Constant) کو حاصل ہے۔ لکھی ہی ہے یقین تو اعلیٰ اور لہا (Time) کے بائیں بھی ہے۔ یہ ہے یقینی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ کچھ دیکھنے کا عمل غیر معلوم طریقے سے اس میں دخل اندازی کرتا ہے۔ یہ اصول لائحہ میں صرف اہم یا ذر اہم (Subatomic) سطح پر اہمیت رکھتا ہے اور اس مقام پر طبیعت (Causality) کے قانون کو منکسر کرتا ہے۔ اسے عام طور پر ہائیزن برگ کا اصول لائحہ میں کہا جاتا ہے۔

لکھی فریڈ کی نفسیات کے دو دور سے ایک اکتیس (ضمیمہ)

۱۹۱۸ء میں فریڈ نیلی ڈیچی پر ایمان لے لیا تھا۔ شاید بہت بہت نامی یقین نظر آئے مخلص طور پر ڈونک کے بارے میں اس جان کی روشنی میں، جب اس نے ڈونک کو آکٹ کی سیاہ موج کا تھا فریڈ کا ایک مضمون جس کا عنوان ”تحلیل نفسی اور نیلی ڈیچی“ (Paranoia) یعنی خوف کے ایک درجے سے شروع ہوتا ہے۔ جس میں وہ مگر قرار ہے۔

”گنا ہے کہ یحییٰ سے اپنی سائنس کے ارتقاء کے لئے کام کرنا ہمارا مقدر نہیں ہے۔ ہم نے ابھی دو مصلوں (اس سے مواد تحلیل نفسی کے حلقوں کی اندرونی شکل ہے) اور اشارہ ڈونک اور اڈار کی طرف ہے) کو شکل بنایا تھا اور ابھی ہم نے ان دونوں سے خود کو محفوظ شروع کیا ہی تھا کہ ایک نئے خطرے نے سر اٹھا لیا مگر اس کی صورت بہت زبردست اور بنیادی ہے۔ یہ خطرہ اصل ہمارے لئے نہیں ہے بلکہ، مخلصین تو ہم سے بھی زیادہ متاثر ہو سکتے ہیں۔“

یہ نیا خطرہ آکٹ تھا فریڈ نے اس کی تشریح کچھ یوں کی ہے کہ اسے آکٹ پر اعتراض اس لئے ہے کہ اگر انسانوں نے اپنے مسائل کا حل دعووں اور نامعلوم حلقوں میں تلاش کرنا شروع کر دیا تو وہ تحلیل نفسی کی اس جدوجہد کو بیکر فراموش کر دیں گے جو وہ لاشعور کو سمجھنے کے لئے کر رہی ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس امر پر مجبور ہے کہ اس نے حالیہ برسوں میں جو مشاہدات کئے ہیں، ان کو جان کرے مگر اس کے

ساتھ ہی اس نے اپنے رشتہ کو گھسا کر یہ مضمون آپ کو ذاتی سطح پر سمجھا جا رہا ہے۔ آپ اسے محض اپنی ذات تک محدود رکھیں، یعنی یہ ٹاپ سیکرٹ دستاویز تھی۔

پہلا کیس جو اس نے بیان کیا، ایسے تو جہان کا تھاجو اپنی نئی بہن کے حلیے میں جنس جذبات رکھتا تھا مگر بہن کی حقیقی ایک انجینئر سے ہو گئی۔ لڑکی کا بھائی اور اس کا شکیقہ دونوں کو بخائی پر گئے اور بالکل مرتے مرتے بچے۔۔۔۔۔ اس واقعہ کی توجیہ فرانیڈ خود بخوشی اور عقل کی کوشش کی شکل میں کرتا ہے۔ بعد میں بھائی میڈیخ میں ایک قسمت کا حامل بنانے والی خاتون کے پاس گیا، جس نے صرف اس سے تاریخ پیدائش پر بھی انفرائن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ علم نجوم جاننے والی تھی۔ اس نے اپنی تاریخ پیدائش بتانے کی بجائے بہن کے شکیقہ کی تاریخ پیدائش بتادی۔ نبوی عورت نے کہا کہ وہ جولائی یا اگست میں خود مرنی زہر کے باعث مر جائے گا۔

یہ خطن گولی تو پوری نہ ہوئی مگر یہ واقعہ تھا کہ شکیقہ ایک برس پہلے اگست ہی کے مہینے میں خود مرنی زہر کے باعث مرتے مرتے بچا تھا، فرانیڈ کا خیال ہے کہ نبوی عورت نے ٹیلی ڈیٹھی کے ذریعے اس کے خیالات پتہ لگنے تھے اور اس نبوی عورت کو شکیقہ کے بارے میں اس کے دل میں پٹنے والی فراہمی مرگ کا شعور حاصل ہو گیا تھا۔

دوسرا کیس ایک شادی شدہ مگر بے اولاد عورت کا ہے۔ وہ بھی کسی نبوی کے پاس پہنچی، جس نے اس کو یہ بتایا کہ جب اس مری ۳۲ سال کی ہوگی، تو وہ بچوں کی ماں بن جائے گی۔ اس بار بھی خطن گولی پوری نہ ہوئی لیکن جو کچھ فرانیڈ نے اس سے اخذ کیا وہ خاصہ اہم ہے۔ اس عورت کی ماں جب ۳۲ برس کی تھی تو اس کے ہاں وہ بچے پیدا ہو چکے تھے۔ نبوی کے پاس جانے والی عورت اپنے باپ سے جنسی تعلقات کی خواہش رکھتی تھی اور خود کو ذاتی طور پر ماں کا سماجی بائیکٹی تھی۔ اس بار بھی نبوی نے ٹیلی ڈیٹھی ہی کے ذریعے صورت حال معلوم کر لی تھی۔

پھر فرانیڈ ایک ونڈ رائٹنگ ایکسپرت (Hand Writing Expert) شرمن (Scherman) کا ذکر کرتا ہے جو انسان کے خط تحریر سے اس کے کردار کا اندازہ کر لیتا تھا اور بعض اوقات اس کے مستقبل کے بارے میں پیشین گوئی کر سکتا تھا۔۔۔۔۔ پھر فرانیڈ نے گھسا کہ جب اس کا ذاتی خط تحریر شرمن کو مطالعے کے لئے دیا گیا تو اس نے کہا یہ ایک ایسے شخص کا خط تحریر ہے جو کھریٹ سطح پر سفاکانہ رویہ رکھتا ہے۔۔۔۔۔ یہ بات فرانیڈ کے خیال میں قطعی طور پر غلط تھی۔۔۔۔۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کا رویہ اپنے شاگردوں کے ساتھ سفاکانہ اور غلامانہ رہا جس کے بارے میں ونڈ رائٹنگ ایکسپرت نے صحیح شکائد ہی کردی

حق۔

فرانیڈ نے اس سلسلے میں ایک اور کیس کا بھی حوالہ دیا ہے۔ فرانیڈ کے مریضوں میں سے ایک کے تعلقات کسی راجہ کے ساتھ تھے، مگر اس راجہ کے ساتھ اس کا رویہ اس قدر خراب تھا کہ اکثر لوگوں کی مددگاری تحمل اصحابِ حق کے قریب پہنچ جاتی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ مریض اعلیٰ طبقے کی ایک ایسی عورت کے متعلق میں جتنا قہار اس کو بہت متعلق تھی اور اس کا انتقام وہ راجہ سے لینا تھا آخر کار جب اس کو یہ احساس ہوا کہ وہ بہت فخر کھل چکا، تو اس نے راجہ کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان دنوں وہ راجہ کے ہاتھ کی کھٹی ہوئی دستارجات لے کر شرمین کے پاس پہنچا جس نے اس کو یقین دلایا کہ یہ عورت خودکشی کرنے والی ہے، مگر راجہ نے اپنی زندگی کا خطرہ نہ کیا۔

فرانیڈ کہتا ہے کہ شرمین نے اس نوجوان کے ذہن کو بڑھ لیا تھا جو دستارجات لے کر آیا تھا اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ چاہتا ہے یہ عورت خودکشی کرے۔

فرانیڈ نے اس مضمون کے آخر میں اپنے مقلدین کو یہ بتایا تھا کہ

”اشتغال خیالات (Transference Of Thought) کا مسئلہ ممکن ہے اس وقت

آئٹل دنیا کے سمجرات کے سامنے بے حیثیت ہو لیکن یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ محض یہی

ایک مفروضہ ہمارے نقطہ نظر سے بلکہ ایک قدم ہے۔“

چنانچہ اس مضمون سے یہ تو طے ہوا کہ فرانیڈ جان بوجھ کر اگلا قدم لینے کو تیار نہیں تھا مگر کیا یہ ہم سب کے لئے بھی لازم ہے کہ ہم بھی اگلا قدم نہ اٹھائیں۔

۱۱۔ ٹیلی ڈیٹھی (Telepathy) ہائے حیات اور اک (Extra Sensory Reception) جسے ایس ایس پی (E.S.P.) کے مخبر نام سے بھی پکارا جاتا ہے اس کے اندر عام طور پر تین مظاہرات کی علامت بندی کی جاتی ہے۔ ٹیب جینی (Clairvoyance) دور افقہ واقعات اور مصروف کاظم، ٹیلی ڈیٹھی انسانوں کے درمیان اشتغال خیالات البتہ کسی ادنیٰ درجے کے اور وٹن جینی جسے (Pre-recognition) کہا جاتا ہے۔ لیکن آنے والے واقعات کو پہلے سے جان لینا ان تینوں کے حلق حاصل ہونے والا علم سائنس دانوں کے مطابق قابلِ احماد نہیں ہے۔ مگر آرتھر کوستلر (Arthur Koestler) یہ کہتا ہے کہ جس بنیاد پر سائنس علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ علم بھی حاصل ہوا ہے۔ مثال کے طور پر ٹیلی ڈیٹھی کے سلسلے میں جو تجربات کئے گئے ہیں اس سے بہت



انہی شرح حاصل ہوئی ہے اور یہ شرح سائنس میں حاصل ہونے والے شرح سے بھی بہتر ہے۔  
لہذا اب نفسیات والے ان عوامل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر تبدیل کرنے پر مجبور ہیں۔

وزیر آرہ پاگیلا (Heinz R. Pagels) راک فیلز پر نور ٹی (ایچ۔ ایس۔ اے) کا ایسی ایٹ پروفسر  
اور اس کا شعبہ نظریاتی طبیعیات ہے۔ وہ ۱۹۸۱ء میں نیویارک اکیڈمی آف سائنسز کا ناظم اعلیٰ  
(Chief Executive) رہا۔ پروفسر پاگیلا اپنی بیوی کے ساتھ مین مین میں مقیم ہے اور تاریخ دان  
الین پاگیلا ایک معروف خاتون ہے اور ان دونوں کا ایک بیٹا مرک بھی ہے۔ پاگیلا زندہ سائنس  
دانوں میں ایک مشہور نام ہے۔ کوانٹم فرس (Quantum Physics) فطرت کی زبان، یہ موضوع  
ہے اس کی کتاب کا جو (The Cosmic Code) کے نام سے شائع ہوئی ہے اور اس موضوع  
پر کئی جلدیں والی کتابوں میں ایک اہم کتاب ہے۔

فیلز میں رچرڈ فیلز (Feynman Richard Phillips) (۱۹۱۸ء-) ایک امریکی ماہر طبیعیات ۱۹۶۵ء  
میں اس کو نوبل شنگر (Julian Schwinger) (۱۹۱۸ء-) اور ٹی ٹی تھو تو ایٹاگا  
(Shintiro Tomanaga) (۱۹۰۶-۷۹ء) کے ہمراہ نوبل انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ ان کا موضوع  
برقی حرکت (Electro Dynamics) کی ترقی تھا۔ اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ اس کے نام  
سے منسوب ہونے میں ڈایا گرام (Diagram) ہے۔ جو اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ الیون  
(Charged) پارٹیکلز کس طرح فوٹون (Photon) کاٹکین دیتے کرتے ہیں۔

ارنہ ڈائمر ہے رابرٹ (Oppenheimer J. Robert) (۱۹۰۳-۶۷ء) امریکی ماہر طبیعیات، کوانٹم  
اور پارٹیکل طبیعیات میں اضافے کے ۱۹۳۳ء میں اس کو لاس الاسوس، نیو میکسیکو میں ایٹم بم بنانے  
کی ذمہ داری سونپی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد اس کو ایٹمک انرجی کمیشن کا صدر  
نشین مقرر کیا گیا مگر ۱۹۵۳ء میں جب اس نے ہائیڈروجن بم بنانے کی مخالفت کی، تو اسے اس  
معدے سے نکال دیا گیا اور میڈارٹھی کی مٹائی ہوئی سیکورٹی کمیشن نے اسے امریکی قحط کے لئے شعرو  
قرار دیا۔ وہ کئی لحاظ سے متنازع شخصیت ہے۔ اس نے بلیک ہول (Black Hole) کا نظریہ تشکیل  
دیا۔ مگر اس کی اہمیت سے وہ پوری طرح آشنا نہ ہو سکا۔ ایٹم بم بنانے کے دوران جب یہ احتجاج کیا  
جائے گا کہ اسے چھوڑنا چاہئے، تو اس نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے ایٹم بم تیار کیا۔

مڈی، ریمونڈ اے جونیئر (Dr. Raymond A. Moody Jr. MD) شکاری شدہ ہے اور دو بچوں کا

باپ ہے، اس نے زندگی بھر فلسفہ پڑھایا ہے اور خصوصی طور پر اخلاقیات، منطق اور فلسفہ لسانیات اس کے موضوع رہے ہیں۔ فلسفہ پڑھانے کے بعد طب میں اس کی دلچسپی قائم رہی، جوں اس نے سٹائی کیسٹرسٹ (Psychiatrist) بننے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ میڈیکل سکول میں طبی فلسفہ پڑھا سکے۔ اس دوران میں اس کے مطالعے میں موت کے بعد زندہ رہ جانے کا منظر آیا۔ یہ واقعہ کئی قنطرت پر پڑھنے پڑھانے کے دوران سامنے آتا رہا۔ شاید اس لئے بھی کہ موت کے بعد زندہ رہ جانے کا معاملہ بہت حد تک نیا ہے اور خصوصاً جدید طب کی پیش قدمی کے باعث زیادہ دونا ہونے لگا ہے۔ موڈی کو یہ علم نہیں تھا کہ اس موضوع پر کچھ اور ماہرین طب بھی تحقیق کر رہے ہیں مگر جب اس کی کتاب زندگی بعد از زندگی (Life After Life) شائع ہوئی تو پیر ڈاکٹر ایڈیج کلرڈوس (Dr. Elizabeth Kubler Ross) کی تحقیق کے بارے میں علم ہوا جو اس کے اپنے کام کے حرازی قسمی اور ان کے نتائج بھی انہیں میں ملتے جلتے تھے، مگر ان کی ملاقات فروری ۱۹۷۶ء سے پہلے نہ ہو سکی۔

ڈاکٹر موڈی نے جو کچھ اس سلسلے میں لکھا ہے اس کا کسی قدر تفصیلی مطالعہ میری کتاب ”دوسرا رخ“ میں موجود ہے، موت کے بعد انسان جو کچھ محسوس کرتا ہے یا محسوس کرتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ یہ اس کی تفصیل ہے جس کے کئی مدارج ہیں، اس میں جسم سے باہر آکر جسم کو دیکھنا بھی ایک نہایت اہم عمل ہے۔“

لکھ روحانیت (Spiritualism) کوئی بھی ایسا نظریہ ہو یہ کہتا ہو اور اس بات پر زور دیتا ہو کہ روحانی اور مافوق الفطرت (Supernatural) قوتیں روزمرہ کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس اصطلاح کے تحت انگریزی زبان میں مختلف نوع کے مظاہر آتے ہیں جن میں فوق الحس اور پاک (Extra-Sensory Perception) بعید حرکت (Telekinesis) اور بہت سی ایسی کیفیات شامل ہیں، جن کا تعلق مذہبی وجدانیت (Religious Ecstasy) سے ہے اس مثال کے طور پر گلاسولیا (Glossolalia) (اس کا مطلب مختلف زبانوں میں بولنا ہے خواہ وہ ایسی زبان ہو جو کسی کی کبھی میں گئی نہ آئی ہو۔)

مطبی معاشرے میں عام طور پر روحانیت کا مطلب رفتاں کی روحوں سے کسی میڈیم یا معمول کے ذریعے پیغام ہونا ہے یا پھر اس کے لئے ”اوائی بورڈ“ (Ouija Board) استعمال ہوتا ہے۔ جو ادارے روحانیت میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں، انہوں نے اس سلسلے میں بہت سامان جمع کر رکھا ہے اور ان میں سے کچھ ادارے ایسے بھی ہیں، جو اس سلسلے میں پوری احتیاط کرتے ہیں کہ اس میں

دھوکا دہی یا فراڈ کا عنصر شامل نہ ہو۔ مگر اس کے باوجود زیادہ شواہد ایسے ہیں جن کو بیان کرنا ہے سہرا ہے، سائنس ان کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ جو لوگ روحانیت کے علمبردار ہیں ان میں دہم کرکس (Willern Crooks) لارڈ ڈاؤڈنگ (Lord Dowding) سر آر تھر کینن ڈاگل (Sir Arthur Connondile) شریک ہومز والے اور آئور لڈج (Oliver Lodge) وغیرہ شامل ہیں۔

سویڈن برگ امانل (Swedenborg Emanuel) (۱۶۸۸ء-۱۷۷۲ء) سویڈر لینڈ کا ایک سائنس دان، جو صوفی بھی تھا اور عقلی بھی، وہ اپنے ملک کے کان کنی کے جھگے میں ملازم تھا۔ (۱۷۳۳ء-۱۸۱۶ء) اس نے ملازمت کے دوران میں کچھ آفتہ کارانہ سائنسی کام جتناطیس کے بارے میں نظریات کی تشکیل اور تعلیمات (Crystallography) کے سلسلے میں کیا تھا مگر بعد میں اس کی دلچسپیوں کا مرکز یہ ہو گیا کہ وہ سائنسی بنیادوں ثابت کرے کہ کائنات کا آغاز روحانی ہے، اس کے لئے اس نے مطلق ذوالج استعمال کئے۔ ۱۷۳۳ء میں اس کے خیالات بہت زیادہ مشہور ہو گئے، کیونکہ اس کا دعویٰ تھا کہ اس پر کوئی مشفق وارد ہو رہا ہے، اس کی کتابوں میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں :

Arcana Coelesta (1756)

The New Jerusalem And It's Heavenly Doctrine (1756).

The Divine Love And Wisdom (1763).

اس کے نام پر ایک جماعت نے یوروپم چرچ بنی تھی جسے سویڈن برگ کہتے ہیں (Sweden Borlan) بھی کہا جاتا ہے، لندن میں ۱۷۷۸ء میں قائم ہوئی تھی۔

کرائٹ ایبنگ (Krafft Ebing) (۱۸۳۳ء-۱۹۰۲ء) جرمانی تعلیم بر صبی اور سویڈر لینڈ میں حاصل کی، یوروپائی آف دی آکس میں دائمی امراض کا پروفیسر تھا، وہ فرانسیسی کے شہر میں جنسی امراض کے مطالعے میں اس کا پیشرو تھا اس کی کتاب Psychopethia Sexualis پہلی کتاب تھی، جس نے جامع سطح پر جنسی علالت کا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے تمام معلوم جنسی امراض کا مطالعہ کیس خطی کے طور پر کیا تھا، اس کتاب کو جنس کی کلاسیکی کتاب سمجھا جاتا ہے۔ فرانسیسی سے پہلے کے جنسی دوسرے کے بارے میں یہ ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔

یوجین بلور (Eugen Bleuler) جو اپنے زمانے کے بڑے بڑے ماہرین دائمی امراض میں سے ایک تھا فرانسیسی سے ایک برس بعد ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ بلور جس میں شاد کوٹ سے تربیت حاصل کی

تھی، اور اپنے وطن سویٹزرلینڈ واپس آ گیا تھا۔ وہ شخص طبی کارندہ ہی نہیں تھا، کئی آنکھوں والا اور قوت مفید والا شخص بھی تھا۔ اس نے کئی دماغی ہیبتوں میں کام کیا تھا اور ۱۸۸۸ء میں برٹش فریڈ کاؤنسلز مقرر ہوا تھا۔ یہ بلچر ہی تھا جس نے ڈوگ سے فرانیڈ کی کتاب "تعبیر خواب" (The Interpretation Of Dreams) پر ریویٹ لکھنے کے لئے کہا تھا۔ اس کتاب نے ڈوگ کو بے حد متاثر کیا۔ کچھ عرصہ تک وہ فرانیڈ کی جماعت کا قلمی احرام رکھ رہا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اس نے اس کانفرنس میں شرکت کی تھی، جس میں بہت کم لوگ مدعو تھے۔ اس میں ڈوگ، ڈارل، فریزی (Ferenczi)، ابراہام اور جونز (Jones) نے بھی بڑے سے تھے، تحلیل نفسی کا ایک رسالہ نکالنے کی تجویز منظور ہوئی تھی، جس کا مدبر ڈوگ تھا اور فرانیڈ اور بلچر اس کے (ایڈیٹرز) تھے۔ اگرچہ بلچر فرانیڈ کے متفقیں میں سے تھا مگر اس کے جنسی نظریات کے بارے میں شہرت کا شکار تھا۔ ۱۹۱۱ء میں اس نے اس ادارے سے استعفیٰ دیا تھا۔

۱۔ ٹرانس (Trance) وید، حال، بے طوی، نیم بیوشی، جیسے سوتے جاگتے کے درمیان کی کیفیت، جس میں افعال غیر ارادی طور پر سرزد ہوتے ہیں۔ بیوشی، نکتے یا چٹانوں کی کیفیت، محنت یا استغراق، روحانیات میں وہ عارضی حالت، جس میں روح جسم سے الگ ہو کر عالم ملکوت کی سیر کرتی ہے اور اس پر روحانی حقائق آشکار ہوتے ہیں، جو بات چیت کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، جیسے موئے کی روح سے ہٹکائی، ظہیم دنیا، حالت جذب، جذبات مسرت کا غم و غیو سے بے خود ہو جانا۔

۲۔ سائی کیمپسٹ (Psychiatrist) مپ نفس کا ماہر، طب کا وہ طبی میدان، جس کا تعلق جذباتی اور ذہنی اشارات کی تشخیص اور علاج سے ہوتا ہے۔۔۔ دماغ کا طبی مطالعہ۔ یہ علاج عام طور پر دوائیوں اور طبی آلات سے کیا جاتا ہے۔ جبکہ تحلیل نفسی یا اس کے دوسرے طریق علاج میں دوائیاں اور طبی آلات وغیرہ استعمال نہیں ہوتے مکالمے، ایجاز (Suggestion) اور دوسرے نفسی طریقوں سے علاج کیا جاتا ہے۔

۳۔ جوزف کیمبل (Joseph Campbell) کی خصوصی دلچسپی یونین ہی سے اساطیر میں رہی ہے، اس کا یونین نیو یارک میں گزرا تھا، یہاں اس نے امریکی ایڈیٹرز کے بارے میں کتابیں پڑھیں اور امریکن میڈیم آف نیچل ہسٹری کی بار بار سیاحت کی، خاص طور پر اس نے اس کتاب کھر میں نوٹس پڑھ کر (Totem Poles) کا مطالعہ کیا۔ پھر ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۷ء میں کولمبیا یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور پھر ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں میڈیون جاکر وسطی (Medieval) اور مسکرت کا مطالعہ

کہ ۱۹۳۳ء میں وہ کینڈی سکول میں چمکتا رہا تھا۔ پھر سارہ یونورسٹی کے ادبی شعبے کا اسٹوڈنٹ مقرر ہوا۔ ۱۹۳۰-۵۰ء کے دوران اس نے لپیڈ کے انگریزی ترجمے میں سوای ٹیکسٹنڈ کی مدد کی اور انہی کے ساتھ مل کر Gospel Of Sri Ramakrishna مرتب کی، اس کی کتابوں میں معروف ترکتائیں درج ذیل ہیں :

The Hero With Thousand Faces.

Myth to Live By:

Mask of God.

چار جلدوں میں

ایک کتاب اس نے Portable Jung کے نام سے بھی مرتب کی۔ ڈونگ سے اس کی عاقبتیں جھیل کے کنارے سویٹزولینڈ میں ہوئی رہیں۔ ان کا ذکر اس کتاب کے متن میں موجود ہے۔

۴

آئن سٹائن (Einstein Albert) (۱۸۷۹ء-۱۹۵۵ء) جرمن ماہر طبیعیات مغربی جرمنی میں الم (Ulm) کے مقام پر پیدا ہوا۔ وہ ایک عظیم دانشور تھا، مگر اس کی دلچسپیاں صرف طبیعیات تک محدود تھیں۔ ۱۹۱۱ء میں وہ برلن سویٹزولینڈ کے پینٹ آئس میں ایک معمولی حد سے پر لازم ہوا اور وہ سوسن ہشودہ بن گیا۔ وہاں بھی اس نے اپنی تحقیق جاری رکھی اور ۱۹۰۵ء میں چار انتہائی اہم مضامین لکھے۔ پہلا مضمون ریاضی سے ایک تخریج تھی جو سالماتی (Molecules) اصطلاحوں میں براؤنین (Brownian) حرکت کی تھی، دوسرا مضمون فوٹون (Photon) کے فوٹو ایکٹرک اثر سے متعلق تھا۔ تیسرے میں اس کا خصوصی نظریہ اضافیت (Relativity) بیان کیا گیا تھا اور چوتھا کیمت (Mass) اور توانائی کے رشتے سے متعلق تھا۔ یہ چاروں مضامین اس قدر اکتھالی قومیت کے تھے کہ ان کا اعلان فوری طور پر نہ لگایا جاسکا اور ان مضامین کی اشاعت کے چار برس کے بعد آئن سٹائن کو ایک یونورسٹی میں جگہ ملی۔ ۱۹۱۵ء میں اس نے اضافیت کا عمومی نظریہ متعارف کرایا اور اس کی پیشین گوئی کی تصدیق ۱۹۱۷ء میں ہوئی اور پھر اس کے چار برس بعد یعنی ۱۹۲۱ء میں اس کو نوبل انعام دیا گیا۔ پھر نظر برسر اکتدار آیا تو آئن سٹائن نے یہودی ہونے کے باطنی امریکہ میں سکونت اختیار کرلی۔ یہ ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے، جب آئن سٹائن کیلینورنیا میں ٹیگر دینے کے لئے آیا ہوا تھا چنانچہ وہ واپس نہیں گیا، اس نے اپنی بھلیا ڈیموکی پر نسن کی انسٹی ٹیوٹ آف ایٹم وائنس مغربی میں گزار دی۔ اس دوران وحدت بنائی (Gauge Unification Theory) کے میدان میں کام کرتا رہا مگر اس کو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اس نے ۱۹۳۰ء میں امریکی شہریت اختیار کی، بھلائی طور پر اسے امن پسند

اور صلح ہو (Pacifist) سمجھا جاتا ہے، مگر اس کے باوجود ۱۹۳۹ء میں اس نے صدر روز ویلٹ کو یہ خط لکھا کہ امریکہ کو اعظم بم بنانا چاہئے اگر جرمنی اس میں کامیاب ہو گیا تو دنیا کے لئے یہ حد خطرناک ہو گا مگر اس کے باوجود اس نے اعظم بم بنانے میں عملی طور پر کوئی حصہ نہ لیا۔ جنگ کے ختم ہونے کے بعد وہ ان لوگوں میں سے تھا جو نو کلیئر اسلحے کو ترقی دینے کے خلاف تھے، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے نظریات کے بغیر نو کلیئر عہد شروع ہی نہ ہو سکتا تھا۔

۱۹۳۵ء ویکٹری (Wagnerian) مشہور جرمن موسیقار ریچڈ وگنر (۱۸۳۳-۱۸۸۳) سے متعلق اس میں تصانیف، تصورات یا اسلوب (اس میں بھی کچھ شامل ہے) بہت زیادہ اہمائی کیلیت کے حامل ہیں اور ان میں مقصدیت پر زور دیا جاتا ہے، نیز ان میں سازوں کی بہت اہمیت ہے۔ جو شخص ویکٹری کی موسیقی کا حامی ہو یا شیدائی بھی اسے بھی ویکٹری بن کما جاتا ہے۔

۱۹۳۷ء اسلام میں سہیت کی وضاحت کے لئے یہ انتخاب تصوف کی مشہور لغت اور مستحکم کتاب مسنن دہلویؒ "معنی حضرت شامیہ رحمہ تعالیٰ سے لیا گیا ہے۔

ارواحِ متحرکہ کی نسبت نور حق تعالیٰ سے ایسی ہے، جیسے روشن کرنے والی متحرکہ شعاعوں کی نسبت آفتاب کے نور سے۔ فرض کرو کہ ایک آفتاب اپنا انکسار ایک بڑے آئینہ میں ڈال رہا ہے۔ پھر اس آئینہ کا انکسار مختلف رنگ اور مختلف طولوں اور شکلوں اور مختلف جسامت کے بے شمار چھوٹے چھوٹے آئینوں میں پڑ رہا ہے۔ ہر اس بڑے آئینہ کے محاذ میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔

نور شمع، شعاع، اوست حیات

خانہ روشن ازوہ و اوازقات

حقیر ایک ہی نور ہے، جو ایک ہی سرچشمہ سے نکلی اور مختلف مراتب اور مختلف مدارج میں سے گزرتی ہوئی، حیات کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتی ہوئی مختلف عالموں پر محیط ہو گئی۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں

ہر کجا می نگری انہنے سازند اند

چونکہ ذوہج اشقی اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے ذوہج اعظم ہے اور ذوہج اعظم منظر رویت ثابت اچھی ہے، اس لئے ممکن نہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی اس کی کھنک پہنچ سکے۔

جس طرح عالم کبیر یعنی کائنات میں بہت مظاہر اور اسماء ہیں۔ مثلاً عقل ازل اور قلم اعلیٰ اور نور اور نفس کلی اور لوح محفوظ وغیرہ، اسی طرح عالم صغیر یعنی انسان میں بہت مظاہر و اسماء ہیں اور باعتبار تصور مراتب کے ان اسماء کے اصطلاحی نام یہ ہیں :

(۱) سر (۲) عقل (۳) ذوہج (۴) قلب (۵) فکر (۶) نور (۷) صدر (۸) ذوہج (۹) عقل (۱۰) نفس

قرآن و حدیث میں بھی یہ نام آئے ہیں۔ مثلاً

فَرَزَقْنَاكَ فَأَنْتَ الْيَتِيمُ فَاتَّقِ اللَّهَ ۚ قُلْ لِلَّهِ الْوَلُوحُ الْبُحْرَانُ ۚ فِي الْوَالِدِ الَّذِي أَنْتَ لَدُنْكَ حَتَّىٰ تَضَعُوا الْقُلُوبَ أَوْ لَا تَضَعُوا ۚ وَالْغَضَبُ وَنَارُ الْقُلُوبِ ۚ وَالْغَضَبُ وَنَارُ الْقُلُوبِ ۚ

اور حدیث میں آیا ہے کہ

إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ كَقَلْبٍ فِي رُوحِ الْوَحْيِ كَقَلْبٍ فِي رُوحِ الْوَحْيِ ۚ

یعنی روح القدس نے میری ذوہج میں پھونکا کہ کوئی نفس اپنے رزق کو پورا کرے بغیر نہ

مرے گا۔

۱۔ طہ - ع -

۲۔ بنی اسرائیل ع (۱۴) -

۳۔ قی (۳) ع

۴۔ آل عمران - ع (۳)

۵۔ النجم - ع (۱)

۶۔ الم نشرح

۷۔ الشمس

۸۔ یعنی دل اور عقل -

۹۔ اصطلاحی معنی

(۱) ستر:

اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا ثور صرف صاحب دل اور راجہ فی العلم ہی کو معلوم ہوتا

ہے۔

(۲) خفی:

اس لئے ہے کہ عارف اور غیر عارف سب پر ظہری ہے۔

(۳) روح:

یہ لطیف بدن کارب اور حیات حسی کا مصدر اور قوائے نفسانی پر فیضان حیات کا منبع

ہے۔

(۴) قلب:

جہت حق اور جہت نفس میں متقلب ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ جب حق کی جہت میں ہو حق سے انوار کا استغاثہ کرے اور دوسری جہت میں آکر اس ثور کا اتناضہ کرے۔ لہذا اپنی جامعیت کے قلب کو لطیفہ انسانیہ بھی کہتے ہیں۔

(۵) کلمہ:

جب ثور حق تعالیٰ حذکۃ بالا طریق سے قلب کی وساطت سے نفس میں آکر ظہور کرتا ہے تو اسے کلمہ کہتے ہیں۔

(۶) فواد:

ثور حذکۃ بالا کے مُنبَہِج کے اثر سے حناڑ ہونے کے بعد اس کا نام فواد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فواد کے معنی لغت میں دھم اور تاشیر کے ہیں۔

(۷) صدر:

ان انوار کے بدن سے متصل ہونے کی جہت سے لطیفہ کا نام صدر ہو جاتا ہے۔ مُنبَہِج فیاض ہی کی جانب سے ان انوار کا صدور ہوتا ہے اور جملہ انوار کا صدور صدر ہی میں ہوتا ہے۔



## (۸) روح:

مہذبِ قہار کے خوف و قہر سے نفس اشریہ ہوتا ہے تو جو لطیفہ اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام روح ہے۔

## (۹) عقل:

جب نفس اپنی ذات اور اپنے قصین خاص میں، جملہ شرائط کے ساتھ اور صحیح حدود کے اندر مقید ہو جاتا ہے، تو اسے عقل کہتے ہیں۔

## (۱۰) نفس:

بدن سے تعلق اور بدن کی تدبیر کی جہت سے اسے نفس کہتے ہیں۔ جب نفس سے افضل حیاتی کا تصور ہو تو اسے نفسِ نباتی اور افضل حیوانی کا تصور ہو تو نفسِ حیوانی کہتے ہیں۔ جب نفسِ حیوانی کا قوتِ تدبیر پر غلبہ ہو، تو وہ نفسِ انوار ہے۔ جب نفس پر قلب کی وسالت سے انوار چمکنے لگتے ہیں اور ان انوار کی روشنی میں اس کی فطرتِ انجام پرنے لگتی ہے اور وہ عقل کے ساتھ اتفاق کرنا شروع کر دیتا ہے اور اپنے ضعف اور اپنی خرابیوں کا افسوس اور اک ہونے لگتا ہے، اور اپنی ترقی اور تکمیل کی تمنا اس میں پیدا ہو جاتی ہے، تو اسے نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ایسا نفس بڑے افضل پر ملاست کرتا رہتا ہے۔ یہ حالت مقدمہ ہوتی ہے، نفس میں قلبی مرتبہ کے تصور کا جب قلبی انوار نفس میں قوتِ حیوانی پر غالب آ جاتے ہیں، اور ان انوار کا نفس پر پورا تسلط ہو جاتا ہے، تو نفس کو اس سے بہت اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا نام نفسِ مطمئن ہو جاتا ہے۔ جب نفس اس حالت پر بھی عبور کر جاتا ہے اور مزید ترقی کرتا ہے اور اس کی استعداد اور اپنی اختیاری حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے انوار اور ان کی چمک میں مزید قوت آ جاتی ہے، تو جو کچھ اس میں باقوتہ تھا وہ بافضل ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ تجلی الہی کا آئینہ بن جاتا ہے اور اس کا نام قلب ہو جاتا ہے۔ وہ بھی قلب ہے جو دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ ہے۔ جو دو عالموں کا ملتکا ہے، جو حق کو سالیق ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ :

لا یسعی ارضی ولا سماء و یسعی قلب عبدی المومن الشقی۔

یعنی میری زمین اور میرے آسمان مجھ کو نہیں سہکتے لیکن میرے متقی بندے کا قلب،

مجھے سالیقہ ہے۔ (اسی بنا پر مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔)

ان تذکراتِ بالا مختلف عبارات میں ایک ہی حقیقت جاری و ساری ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان گزر چکا ہے۔ یہ جملہ اعتبارات اپنے افعال و تاثیرات میں متضاد لیکن آپس میں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہیں۔ نفس کو دُوح حیوانی سے مناسبت ہے۔ عقل کو دُوح ملکوتی سے قلب ان دونوں کے درمیان ہے اور اُس میں جامعیت ہے، جس کی بناء پر اسے لطیفہ انسانیہ کہتے ہیں۔ عقل کو دُوح کی زبان ہے جب سالک دُوح حیوانی کے تسلط سے کسی قدر آزاد ہو جاتا ہے، تو اُس کا قلب دُوح بن جاتا ہے اور اس کی عقل سر ہو جاتی ہے۔ دُوح قلب سے لطیف تر اور سر عقل سے روشن تر ہے۔ قلب کا کلام وجد ہے۔ دُوح کا کلام الف، عقل کا کلام یقین اور سر کا کلام مشاہدہ۔

## مخفی علوم اور ڈونگ

جیسا کہ پچھلے باب میں بتایا جا چکا ہے۔ ڈونگ کا تعلق ایک ایسے مذہبی خاندان سے تھا جو عیسائی سہیت میں یقین رکھتا تھا اور کسی نہ کسی حوالے سے مخفی علوم میں بھی ان کی دلچسپی پائی جاتی تھی۔ یہ دلچسپی کئی نسلوں پر محیط تھی اور خاندان کے کئی افراد عملی سطح پر ان علوم میں مشغول تھے۔ ڈونگ کی شخصیت کے دو واضح رخ ہیں، ایک طرف تو وہ سائنس دان ہے اور کسی بھی شے کو بغیر تصدیق کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کی ہمت ہی تحریریں ایسی بھی ہے جن میں بعض خواہد کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کیا گیا ہے، مگر دوسری طرف وہ کچھ ایسے انسانی خواص کا بھی قائل ہے۔ جو برصورت مخفی علوم ہی کے ذمے میں آتے ہیں، مگر ڈونگ کا رویہ ان علوم کے بارے میں اس طرح کا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر ان علوم سے متعلق لوگوں کا ہوتا ہے۔ جدید دور میں اب تو کئی دانشور ایسے ہیں جو کسی نہ کسی طرح مخفی علوم کی طماری پر یقین رکھتے ہیں، مگر زیادہ تر لوگ ایسے ہیں، جن کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ عمل طور پر اپنے ہوش و حواس میں ہیں اور کچھ تو ایسے بھی ہیں، جن کے چاہنا ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں دھند اس قدر گہری ہو چکی ہے کہ اصل چیزوں کو پہچاننا انتہائی مشکل ہو رہا ہے۔ نفسیات کے ایک طالب علم کے طور پر میں اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ اگر ہم ڈونگ کے حوالے سے ان علوم کو دیکھنے کی کوشش کریں، تو ہمارا رویہ غامض سائنسی ہو سکتا ہے۔ ڈونگ اگر چاہتا تو وہ صرف سائنس کی سطح پر زندہ رہ سکتا تھا اور اس حوالے سے بھی اس کی اہمیت کسی طرح کم نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر اس نے یہ خطرہ مول لیا کہ بعض ایسے حوالے کے بارے میں برملا اظہار کیا جو اسے سائنسی برادری میں بدنام کرنے

کے لئے کافی تھا۔ فضا کی لوگوں نے اسے فلسفی، صوفی، فیثور اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہہ دیا۔ متعدد صرف یہ تھا کہ اسے سائنس کا سنجیدہ طالب علم نہ سمجھا جائے۔

اس کے مقابلے میں فرانیئز کے اور شاگرد بھی تھے، جن میں سے زیادہ تر انسانی نفس کے بارے میں محدود تصورات رکھتے تھے۔ خود فرانیئز جب لاشعور دریافت کر چکا تھا تو اس نے اسے ایک فرد کی زندگی تک محدود کر دیا تھا۔ حالانکہ خود اس کے مواد میں انتہائی لاشعور کے حوالے اور شواہد موجود تھے۔ اصل میں شواہد کا ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔ کسی فرد کی زندگی میں کوئی لمحہ ایسا آتا ہے، جب وہ کسی ایسی شے کو دریافت کر لیتا ہے جو پیش سے سامنے ہی موجود تھی، مگر دریافت نہ کی جاسکی تھی۔ مثال کے طور پر نیوٹن نے تہذیب (Gravity) کا اصول دریافت کیا تھا۔ حالانکہ بہت سے لوگ اس کو دریافت کرنے کے قریب قریب پہنچ گئے تھے، مگر اسے دریافت نہ کر پائے تھے۔ مثال کے طور پر کپلر (Kappler) جس نے یہ تو بتا لیا تھا کہ مسترد کا مدد جذر چاند کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر وہ تہذیب کے اصول کو دریافت نہ کر پلا۔ یکی حال ٹائیکو براہے (Tycho Brahe) اور گیلیلو (Gellilio) کا بھی تھا۔ مگر جب ایک ہار تہذیب کا اصول دریافت ہو چکا تو لوگوں کو اس بات پر حیرت ہونے لگی کہ اب تک یہ اصول کہاں چھپا رہا تھا۔ اس کے بعد تو ہر شے اسی کے حوالے سے بیان ہونے لگی، اور تہذیب یا کشش ثقل کی یہ قوت اب بنیادی قوتوں میں سے ایک ہے، طبیعیات میں انجمن کے اندر موجود جن قوتوں کو بالآخر ایک ہی قوت کے مختلف مظاہر حیثیت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اس میں تہذیب کی قوت بھی شامل ہے، مگر ابھی تک اس سلسلے میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آ رہی ہے کہ تہذیب کی قوت کو کسی اور قوت کا حصہ ایک مظہر حیثیت کرنا آسان نہیں ہے۔ تہذیب بہت کمزور قوت ہے مگر کائنات میں اس کی کار فرمائی ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔ ککشاں، مٹی، نظام اور ذرات کے اندر کا جو ہری نظام بھی کچھ اس کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ مگر اتنی بڑی کار فرمائی کے باوجود تہذیب ابھی ایک محلی قوت ہے، جس کی کار فرمائی کا اندازہ لگانے میں انسان کسی نہ کسی حد تک ضرور کامیاب ہوا ہے مگر اس کی نوعیت کے بارے میں ابھی بہت سے سوالوں کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

خود انسانی دماغ کے اندر دو دماغ موجود ہیں، ایک بایاں دماغ اور دوسرا دایاں دماغ، دونوں کے قاعل (Functions) ایک دوسرے سے بالکل جدا گانہ ہیں۔ دایاں دماغ، مجتمع

کرنے والا فلسفیانہ، شاعرانہ، تالیفی خواص کا حامل ہے۔ مگر یہاں دماغ تجرباتی ہے، سائنسی ہے اور ریاضی دان ہے، یہ دماغ تجرباتی خواص رکھتا ہے۔ آج کل دماغ کے ان دونوں حصوں کے بارے میں بہت کلام ہو رہا ہے اور یہ کلام صرف تجربہ نگاہوں تک محدود نہیں ہے، ادب اور انسانیات کے شعبے بھی اس کی بنیاد پر نئے نئے نظریات بناتے چلے جا رہے ہیں اور خیال یہ ہے کہ آئندہ چند برس میں ادب کی بہت سی تنقید اس حوالے سے کی جالیا کرے گی۔ تفصیل میں جانا یہاں ممکن نہیں ہے۔ اس کی کچھ تفصیل میں اپنی کتاب ”ڈیٹن انسانی“ حدود اور امکانات“ میں دے چکا ہوں، یہاں صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ انسان نے اپنے ارتقاء کے آغاز میں واسطے دماغ پر زیادہ انحصار کیا تھا اور آج کل زور دماغ پر دیا جا رہا ہے اور وہی علوم مظہر چھائے ہوئے ہیں جن کا تعلق تجرباتی دماغ کے ساتھ ہے بہت سے دانشوروں کی طرح کولن ویلسن (Collin Wilson) جس نے حالی ہی میں عقلی علوم کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ سمجھتا ہے کہ عقلی علوم کا تعلق دائیں دماغ کے ساتھ ہے۔ شاید اسی لئے اس کی اہمیت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا جا رہا اور چونکہ یہ دماغ تجرباتی طریقے سے اپنا انحصار نہیں کرتا اور اکثر اوقات بنا بیٹھا پورا نتیجہ ایک ہی بار سامنے آ جاتا ہے۔ اس لئے ہم اس پر بھروسہ کرنے سے گریز کرتے ہیں مگر اس کے باوجود یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا حقیقی عمل کو سمجھنے کے لئے اس ذوالے سے عوامل کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ بہت سے سائنسی نظریات بھی اعلیٰ و اعلیٰ انداز میں سائنس دانوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور یہ احساس ہوتا ہے کہ گویا کوئی ہم پر ظلم اور خیالات کی بارش کر رہا ہے۔ ڈونگ نے بھی کہیں لکھا تھا ”انسان کی حقیقی تعلیمیت (Impulse) خود انسان سے بھی کہیں زیادہ طاقتور ہے“ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دایاں دماغ جدید فیشن کا حصہ نہ کسی مگر اب بھی بہت فعل ہے اور عقلی علوم کی اہمیت کا زیادہ تر حصہ اسی کے اندر واقع ہے۔

ایک اور خصوصیت کے بارے میں کچھ نشاندہی ضروری ہے۔ دائیں دماغ کا تعلق جسم کے دائیں حصے سے ہے اور دائیں دماغ کا جسم کے بائیں حصے سے، اس لئے جب آپ پیش کے ذریعے دماغ کے ان دو حصوں کو الگ الگ کر دیا جاتا ہے، تو بائیں ہاتھ سے ہم تصویر تو بنا سکتے ہیں مگر چیز کا ہم نہیں بنا سکتے اور اسی طرح بایاں ہاتھ چیز کا ہم تو لکھ سکتا ہے مگر اس کی تصویر نہیں بنا سکتا ایسا کیوں ہے؟ اس کے بارے میں حتیٰ جواب دینے کی نوبت نہیں آئی، ہم تو یہ

بھی نہیں بتا سکتے کہ دائیں دماغ سے جسم کے ہائیں حصے کا تعلق کیوں ہوتا ہے اور اسی طرح جسم کا دایاں حصہ ہائیں دماغ سے کیوں متعلق ہے؟ دماغ کے اسرار ابھی ابھی کھلتے شروع ہوئے ہیں اور اس کے بارے میں ہمیں ابھی بہت کچھ جانتا ہے جو کچھ جانا چاہتا ہے، وہ بھی کچھ کم حیران کن نہیں ہے۔ خود عقلی علوم بھی ایک عجوبہ ہیں، جو تار و تار نفسیات بھی ابھی تشریح کی محتاج ہے۔ یہ بھی کہنا آسان نہیں کہ ہم نے دائیں دماغ کو پہلے کیوں استعمال کیا اور ہائیں دماغ پر اب اتنا زور کیوں دیا جا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ زمین کے سرد اور گرم موسم کی طرح اس کے بھی سائیکل ہوں اور یوں انسان اپنے امکانات کا اندازہ کرتا چلا جاتا ہو۔

پچھلے باب میں ڈوئنگ کے حوالے سے جن عقلی علوم کا ذکر آیا ہے ان پر چند باتیں کرنا ضروری ہے۔ ایک تو اس حوالے سے کہ ان علوم کے بارے میں عام طور پر کیا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے یہ کہ ڈوئنگ نے ان علوم پر خاص طور پر توجہ کیوں مبذول کی اور خاص طور پر یہ کہ ان کی نفسیاتی اہمیت کیا ہے؟ ایک بات میں اس مقام پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ کتب عقلی علوم کی تشریح کے لئے نہیں ہے، عقلی علوم اپنے طور پر ایک پورا نظام اور پورا جہان رکھتے ہیں، اور ان کا مطالعہ کئی زاویوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کے سلسلے میں عربوں کی کمی نہیں ہے، مگر بہت کم ایسا ہوا ہے کہ ان کو معروضی طور پر دیکھنے کی کوشش کی گئی ہو، مشرق میں ایسی کسی کوشش کا مجھے علم نہیں ہے، مگر مغرب میں بہت کچھ اس سلسلے میں ہوا ہے، کچھ لوگ تو ان علوم کو سرے سے قبول ہی نہیں کرتے اور بغیر بات کو آگے بڑھانے اسے رد کرنے کو تیار رہتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے اندر ڈوبے ہوئے ہیں اور ان کو طریقہ زندگی بنائے ہوئے ہیں۔ ہم ان دونوں سے سروکار نہیں رکھتے۔ ہم تو راستے کے درمیان میں چلنا چاہتے ہیں۔ مجھے یاد ہے جب لاہور اس قدر آبلو شر نہیں تھا جس قدر اب ہے، تو رات کی تاریکی میں ہم سڑک کے درمیان میں چلنا زیادہ محفوظ خیال کرتے تھے۔ ویسے بھی عقلی علوم رات کی تاریکی اور تھمائی میں اکیلے باؤی کا سفر ہے، مگر یہ اکیلا پن اپنی نوعیت میں کئی کڑتیں لئے ہوئے ہے۔

یہ بھی متحین کرتا مرے بس کی بات نہیں ہے کہ عقلی علوم کا دائرہ کہاں تک پھیلا ہوا ہے اور کون کون سے علوم عقلی علوم میں شامل ہیں۔ ان کی کوئی حتمی فہرست مہیا نہیں کی جا سکتی۔ یہ سمجھ لیجئے کہ جو انسانی واردات عمومی سائنس کے زمرے میں نہیں آتیں اور ان کا تعلق انسانی نفس کے ساتھ قائم ہے، ان کو عام طور پر عقلی علوم ہی سمجھا جاتا ہے۔ ان میں چند

ایک کا ذکر میں کر دیتا ہوں تاکہ قاری کو یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کس اہمیت میں داخل ہوا ہے، سب سے پہلے تو وہ علوم ہیں جنہیں E.S.P یعنی Extra Sensory Perception کہا جاتا ہے، وہ اوراک جو ہمیں حیات کے بغیر ہو جاتا ہے۔ آپ اسے باورائے اوراک حیات کہہ سکتے ہیں۔ اس بارے میں حسین سدرے (Rene Sudre) کا خیال ہے کہ جو معلومات پیراتارٹل ویلے سے حاصل ہوتی ہیں، ضروری نہیں ہے کہ اوراک کی خصوصیت کی حامل بھی ہوں، وہ تو تحت الشعور سے یوں ابھرتی ہیں جیسے یادداشت ابھرتی ہے۔ ان میں پانچوں حیات بھی شامل نہیں ہوتیں مگر اس کے باوجود اطلاعات شعور تک پہنچ جاتی ہیں لہذا یہ ممکن ہے کہ بعض لوگ آوازیں سنیں یا مظاہرات (Apparitions) کو دیکھ پائیں اور یہ انہیں بالکل حقیقی بھی محسوس ہوں۔ آر تھر کوئلر (Arthur Koestler) کا خیال تھا کہ باورائے حیات اوراک (Extrasensory Perception) کہہ اور قدم انسانی اطلاع کا طریقہ تھا جو بعد میں حیاتی اوراک کی صورت اختیار کر گیا۔ غیب نبی (Clairvoyance) بھی اسی ذمے میں آتی ہے۔ جسم سے باہر نکل جانے کا تجربہ، فحی آوازیں سننا، بلکہ چمکنا اور سو گھنا بھی اسی میں شامل ہے۔

ایک گروہ فحی (Telepathy) کا ہے۔ جس کو عام طور پر دو مردوں کے خیال پڑھ لینا کہا جاتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل فرانیٹ کے اس خط میں بھی موجود ہے، جو اس نے اپنے ساتھیوں کو لکھا تھا۔ یہ اس کتاب کے حواشی میں شامل ہے۔ (ملاحظہ کریں آٹھویں باب کے حواشی)

پیش نبی (Precognition) آنے والے حالات کو پہلے سے جان لینا یا ان حالات کو پہلے سے حسنین کر دینا جسے Predestination کہا جاتا ہے۔ نفسی حرکت یا روحانی حرکت (Psychokinesis) طبعی قوت کو استعمال کئے بغیر اربوے کی (منفوضہ) قوت سے طبعی اشیاء پر کنٹرول حاصل کرنا جیسے محض پانے کو پیسٹک کر۔ یا کچھ ٹینز مار کر کے یا میز کو زمین سے اوپر اٹھا کر۔ اس میں بلا واسطہ تحریر اور نفسی فوڈوگرانی بھی شامل ہے۔ سلواتی (Atmospheric) اور سمعی (Acoustic) بھی اس میں آتے ہیں۔

بھوت پریت کے بارے میں تمام واردات، جن میں مظاہرات، آسیب زدگی، چیزوں کا گرنا آگ لگنا وغیرہ ایک الگ ذمہ ہے۔

پیش گوئی، غیب دانی (Divination) ایک الگ جماعت ہے۔ جس میں قسمت کا حال بتانے والے تمام علوم شامل ہیں۔ اس میں حسیاتی خودکاریت (Sensory Automatism) وغیرہ بھی آتی ہیں۔ میڈیم شپ (Medium Ship) بعض ایسے لوگ جن پر ارواح آمدنی جاتی ہیں اور پھر وہ ان کی طرف سے بیان دیتے ہیں۔ اس میں بھی بہت سی اقسام ہیں۔ پھر کسی شخص کی کسی شے کو ہاتھ میں قلم کر اس کے بارے میں جانتے چلے جانا یعنی نفس پیمائی (Psychometry)۔

خود کاریت (Motor Automatism) آٹومیک تحریریں، چیزوں کو اپنی جگہ سے بغیر ہاتھ لگائے ہلانا اور زمین سے نیچے پانی کی نشاندہی کرنا (Dowsing) اس جماعت میں شامل ہیں۔ نیم حرکی خودکاریت (Quasi Molot Automatism) اس میں تاش کے چوں سے قسمت کا حال جانتے دست شناسی (Palmistry) اور علم نجوم Astrology وغیرہ شامل ہیں۔

سحر یا جادو (Magic) بہت بڑا موضوع ہے۔ اس میں کیہیاگری (Alchemy) جن بھوت کو قابو کرنا امداد یا شفا دہی (Healing) اور غیر عمومی اود یہ وغیرہ یہاں کیہیاگری کا لفظ ڈرونک کے معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا۔

ذہن کی سائنٹک یا نفسی حالت اس میں بہت سے عوامل شامل ہیں۔ مثلاً نیند، خواب دیکھنا غیر متعلق محسوس کرنا (Dissociation) حصول (Possession) ہسٹریا (Hysteria) بیہوشی یا وجد (Trance) کی وہ حالت جو طاری کی جاتی ہے۔

غرائب قاعدہ مظاہرات۔ جس میں وعد یا بجلی، فوری طور پر آگ بھڑکانا، اڑن طشتیاں (Unidentified Flying Objects) جسے عرب عام میں یو۔ ایف۔ او (U.F.O) کہا جاتا ہے۔ روحیں، ہم وقتیت (Synchronicity) اور بعض تعمیرات (Leys)۔

یہ عقلی علوم (Occult Sciences) کی ایک مختصر سی فہرست ہے۔ جو کسی لحاظ سے بھی مکمل نہیں کہی جاسکتی، یہ فہرست میں نے پورا نفسیات کی ایک کتاب کی مدد سے مرتب کی ہے، جس کے مصنف کا نام برائن انگلس (Brian Inglis) ہے، اس میں وہ علوم شامل نہیں جو خاص طور پر سریت یا سحر کے زمرے میں آتے ہیں۔ موجودہ کتاب بھی بنیادی طور پر عقلی علوم کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ ڈرونک کے حوالے سے جو عقلی علوم ہمارے سامنے آتے ہیں



ان سے متعلق ہے، لہذا اب میں ان علوم کو مختصر طور پر بیان کروں گا اور کوشش کروں گا کہ انہیں خاص طور پر ڈونک کے حوالے سے بیان کیا جائے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ انہیں اپنے طور پر بھی دیکھا جائے۔

فرائیز کی موجودگی میں جو روحی حرکت ہوتی تھی اس کے لئے بیرونی تغیرات میں Psychokinesis کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے اور اس کا مخفف (P.K) ہے۔ اس کی تعریف کچھ یوں ہے۔ مادے پر ذہن کی وہ اثر انگیزی جو کسی معلوم طبیعی طاقت کی مدد کے بغیر ہو، یہ اصطلاح رائن (Rhine) نے متعارف کروائی تھی اور وہ مقبول ہوتی چلی گئی۔ اس سے پہلے اس کے لئے Telekinesis کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی اور اب بھی کہیں دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ یہ اصطلاح خاص طور پر روس میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کا مطلب وہ عمل ہوتا ہے جو بغیر کسی طبیعی مدد کے فاصلے پر وقوع پذیر ہو، یہ اصطلاح وہاں اس لئے زیادہ درج پائی ہے کہ اس کے لئے "ذہن" کی اصطلاح کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ چونکہ وہاں کدورت کا کتب فکر چھایا ہوا ہے، اس لئے وہ ذہن کو ان معنوں میں تسلیم نہیں کرتے جن معنوں میں ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔

فنی حرکت کا اطلاق محض انسانی ذہن تک محدود نہیں بلکہ حیاتیاتی سطح پر بھی اس کے شواہد پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک حیاتیات دان مارلس (Marals) نے لکھا ہے کہ دیمک (Termetaries) اپنی رہائش گاہ میں ۱۲ پونڈ وزن تک کے پتھر رکھتی ہے مگر یہ معلوم نہیں ہو پایا کہ وہ ان کو وہاں تک لے جاتی کس طرح ہے۔ انسانوں کے حلقے میں بھی یہی مشکل درپیش ہے، احرام مصر اور دو سری مٹی قدیم عمارتوں میں جو بڑے بڑے پتھر باندی پر رکھے ہوئے نظر آتے ہیں ان کے بارے میں بھی کوئی تشریح پیش کرنا مشکل ہے۔ حضرت موسیٰ کا عصا کو اثر دینا دینا اور دریا کو دو حصوں میں تقسیم کرنا اسی موضوع کے تحت آتا ہے۔

قدیم زمانے میں تو ان عوامل کے وقوع پذیر ہونے کا تعلق مجربات کے ساتھ تھا اور خدا کی قدرت سمجھا جاتا تھا مگر قرون وسطیٰ میں ان عوامل کو شیطان سے متعلق کیا جانے لگے اور اسی زمانے کی جلدوگریوں کو ان کا سبب بتایا جانے لگا کیونکہ بظاہر یہ عوامل بموتوں کی شرارتوں (Poltergeist) سے مماثل نظر آتے تھے۔ اسی عمل کے لئے بعض اوقات اغرابیت (Exteriorization) کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض

معروض خود اپنے گرد اشیا کو جمع کرتے چلے جاتے ہیں اور ان سے کوئی توانائی بھی خارج ہوتی ہے، مگر خود فرد کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس قوت کو اپنے قابو میں لے کر اس سے دوسری اشیا کو حرکت دینے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ۱۸۳۰ء میں ایک برقی دو چیزو (Electric Girl) کا ذکر آتا ہے، اس کا نام انجلیک کوٹن (Anglique Cottin) تھا وہ جب بھی کسی چیز پر بیٹھنے کی کوشش کرتی، وہ چیز اپنی جگہ سے حرکت کر جاتی، یوں لگتا جیسا کسی نے اسے کھینچ لیا ہے، ایک مقامی زمیندار نے یہ مطالعہ کیا خاصی بڑی بڑی اشیا بھی اس لڑکی کی وجہ سے حرکت پذیر ہو گئیں۔ اس نے اس منظر کو بجلی کا نام دے دیا اور لڑکی برقی دو چیزو کے نام سے مشہور ہو گئی۔ پھر اس لڑکی کو جیس لایا گیا اور اس زمانے کے معروف سائنس دانوں نے بھی اس کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے اسے فریب کا نام دیا مگر اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہ کی جاسکی۔

پھر ایسی ہی ایک کہانی (۱۸۳۸ء) میں ایک انگریز فوجی جان ولفریڈ بات (Wilfred Batt) کے بارے میں بھی مشہور ہے جس کی عمر ۱۸ برس تھی اور کستانوں کے آفات اس کی موجودگی کی وجہ سے مڑ جاتے تھے۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوتا تھا تو طشتیاں اور شمع دان اچھل پڑتے تھے۔ اسے بھی Electric Boy کا نام دیا گیا۔ اس کا قول تھا کہ میرے اندر کوئی حس ہے جس کی وجہ سے یہ واقعات ہوتے ہیں، خواہ میں چاہوں یا نہ چاہوں۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ آر تھور کوسل (Arthur Koestler) نے اپنی آپ جی میں لکھا ہے۔ وہ اپنی ایک دوست ماریا (Marla) کے پاس بیٹھا تھا جو سائیکس تھی اور اس وقت ذاتی طور پر بے حد پریشان تھی۔ اس نے کہا کہ کوئی واقعہ اب ایسا ہو گا جو کوسل کو ہلا کر رکھ دے گا۔ دوپہر کے کھانے کے دوران ایک بہت بڑی تصویر جو کھانے والے کمرے میں لگی تھی سہیڈ بورڈ پر آگری جب اس نے تصویر اٹھائی تو اس کے ہک (Hock) ابھی تک دیوار میں لگے تھے۔ تصویر ٹیک تھی۔ اسے کوئی نقصان بھی نہ پہنچا تھا۔ لہذا وہ تصویر کو اپنی اصل جگہ میں ٹانگنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ تصویر دیر تک وہیں لگی رہی جہاں وہ ایک زمانے سے لگی ہوئی تھی۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جب میں یہ مضمون لکھ رہا تھا تو بہت کا پتھکا اچانک بند ہو گیا۔ جولائی کا مہینہ تھا سو چالوڈ شیڈنگ ہو گئی۔ مگر جب میں دوسرے کمرے میں گیا تو وہاں سچے چل رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ میرا پتھکا اچانک خراب ہو گیا مگر یہ دیکھ کر مجھے بے حد حیرت

ہوگی کہ اس کا سوچ آف تھا اور کمرے میں میرے سوا کوئی موجود نہ تھا۔

ڈونگ کا واقعہ تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ وہ فرانیڈ کے ساتھ ٹھونکنگو تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ اس کا چہل چل رہا ہے۔ پھر ایک زور کا دھماکا ہوا۔ دھماکا اتنا زور دار تھا کہ دونوں لرز گئے، اس پر ڈونگ نے فرانیڈ سے کہا "میں وہ چیز ہے جس کو اخلاصیت کہتے ہیں، مگر فرانیڈ نے اسے رد کر دیا۔ پھر ڈونگ نے کہا "پروفیسر صاحب آپ غلطی پر ہیں۔ اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے میں کہتا ہوں تموڑی درمیان میں ایک اور دھماکا ہو گا۔" ڈونگ نے اپنی بات بے شکل غم کی تھی کہ وہ دھماکا ہو گیا۔ اس کی مثالیں تو بہت سی ہیں مگر اب میں زیادہ طویل بات نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نفسی حرکت اور مافوق الحس اور اک Extra Sensory Perception (جسے E.S.P. بھی کہا جاتا ہے) میں امتیاز کرنا پڑے گا۔ بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں، جن میں صرف کسی خاص دیکھنے والے کا ادراک بعض حوالہ کو دیکھتا ہے مگر نفسی حرکت میں جو واقعہ رونما ہوتا ہے وہ سب کے لئے ایک جیسا تجربہ ہوتا ہے۔

جو لوگ اپنی مرضی سے نفسی حرکت پیدا کر سکتے ہیں اور اس کی بنیادیں بھی ممکن ہے۔ ان میں ایک برازیل کا نمائندہ قاتل ذکر ہے۔ ۱۹۳۰ء جس کا نام کارلوس میرا بیللی (Carlos Mirabelli) تھا اس نے بے شمار مظاہرات ایسے لوگوں کے سامنے کئے، جو قاتل احمد تھے مگر اس کو برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ میں قاتل اعتبار نہ سمجھا گیا۔ برازیل سرحدت تیسری دنیا کا ایک ملک ہے اس پر اعتبار کرنا آسان نہیں۔

نفسی حرکت کو حلیم نے کرنے کا رویہ سائنسی سطح پر مدتوں قائم رہا۔ آخر ۱۹۷۰ء میں اسرائیل کے ایک نوجوان یو ری گیلر (Uri Geller) نے کچھ مظاہرے ایسے کئے کہ سب کو اس عقلی قوت کو حلیم کرنا ہی پڑا۔ اس نے جج اور دوسری اشیاء کو سونے کا مظاہرہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کیا، مگر اصل کامیابی اس کو اس وقت حاصل ہوئی جب اس نے بی بی سی کے ایک پروگرام میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا۔ پروفیسر جون ٹیلر (Prof. John Taylor) کو یہ حلیم کرنا پڑا کہ وہ اس مظاہرے میں کوئی جمل یا فریب دریافت نہیں کر سکا پھر اگلے دن دہشت انگیز رپورٹیں اخباروں میں شائع ہوئیں کہ سارے ملک میں کٹری اس طریقے سے مڑنا مکی تھی کہ اس کی حرکت کرنا ممکن نہیں تھا مڑ جانے والی

جزوں میں نکال بھی شامل تھے۔ یہ واقعہ ہمیشہ اس وقت پیش آتا تھا جب یوری گیلرٹی پی سی پر اپنا مظاہرہ کرتا۔ مگر اس کے باوجود گیلر کی مخالفت جاری رہی اور اس کی اس قوت کے بارے میں شک و شبہ کا اظہار کیا جاتا رہا۔ مگر اس کے ساتھ ہی بہت سے ایسے اور لوگ بھی پیدا ہو گئے جو یہی کام کر سکتے تھے۔ اگرچہ ابھی تک سائنس دانوں میں کئی لوگ ایسے ہیں جو اس مظاہرے کو نہیں مانتے مگر زیادہ تر اسے تہہ دل سے تسلیم کر چکے ہیں۔

تجربہ گاہ کی سطح پر اس صلاحیت کا امتحان لینے کے لئے سب سے پہلے ۱۸۵۰ء میں روبرٹ ہیر (Robert Hare) نے کچھ آلات بنائے، وہ یکسٹری کا اسٹنڈرڈ چکا تھا۔ اس کے بعد تجربہ کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جو حیران کن بات کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ تجربات کرنے والے زیادہ تر لوگ سائنس دان تھے اور سائنس کے شعبوں سے تعلق رکھتے تھے۔

اس سلسلے میں کچھ شواہد ۱۸۴۲ء میں تھامس مان (Thomas Mann) کے بھی ہیں۔ جب تک وہ بین الاقوامی سطح کا مصنف تسلیم کیا جا چکا تھا۔ تھامس مان جب مظاہرے کے مقام پر پہنچے تو اس کا ذہن تکلیف اور شبہات سے بھرا ہوا تھا مگر روشنی اس قدر زیادہ تھی کہ اس میں آسانی سے یہ اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ کوئی طبعی طاقت کسی طرح بھی استعمال نہیں کی گئی۔ ایک ردِ بدل جو زمین سے اوپر اٹھا تھا اس نے حیرتے ہوئے اپنی شکل تبدیل کرنی شروع کر دی۔ اس میں کانٹھ (Knucle) پڑتی ہوئی صاف نظر آ رہی تھی اور بعض جیسے زیادہ پھولے ہوئے لگ رہے تھے۔ فرش پر ایک تختی پڑی ہوئی تھی جسے تھامس مان دیکھ رہا تھا اس نے اچانک بچتا شروع کر دیا۔ تھامس مان نے کہا: جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ دھوکا دینے کی کوشش ہے۔ جھوٹ بول رہا ہے۔ جب تختی بجی تھی تو وہاں تو کوئی تھا ہی نہیں۔

اس سلسلے میں گفتگو تو بہت طویل ہو سکتی ہے مگر یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ نفسی حرکت یا "پی سی" کی جماعت بندی چار حصوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ پہلا حصہ، طبعی اثرات پر مشتمل ہے، جن میں ایک قافلے سے اشیاء کو حرکت دی جاتی ہے یا تھوڑی بہت حرکت دے کر بڑی اشیاء کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اشیاء کو توڑا یا موڑا جاتا ہے۔ بلا واسطہ کھسائی (Direct Writing) اور نفسی فونو گرافی بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

دوسری جماعت میں فعلیاتی (Physiological) اثرات ہیں۔ مردان مایہ تصور

(Ectoplasm Emanations) تجسم (Materialization) نفس ارتقاع  
(Levitations) تبدیلی مقام (Translocation) قنول (Elongation) قطع کرنے  
کی قوت (Invulnerability) نسوزی (Incombustibility) تبدیل نہ ہونے کی  
ملاہمت (Incorruptibility) اور مصدور (Auras)۔

تیسری جماعت سمیاتی (Acoustics) اثرات کی ہے دنگ، ٹھٹھناہٹ، ہلا واسطہ  
آوازیں۔

چوتھی جماعت میں ماحولیاتی (Atmospheric) اثرات آتے ہیں۔ نور سے معمور  
چیزیں (Luminosities) درجہ حرارت میں تبدیلیاں، سرد ہواؤں کا چلنے بار بار آگ کا  
بھڑک المونہ لامعت (Liquefactions) اور خوشبوئیاں (Scents) شامل ہیں۔

### (I) عرفانیات (GNOSTICISM):

یہ ایک ٹھوی (Dualistic) متضوقانہ (Mystical) عیسائی مذہب ہے جس نے  
بھیرہ روم کے علاقے میں دوسری صدی عیسوی کے دوران نشوونما پائی۔ اس کا آغاز یونانی لفظ  
Gonos ہے جس کے لفظی معنی علم (Knowledge) کے ہیں، اہل عرفان کا یہ عقیدہ تھا  
کہ روح کی نجات یا آزادی عقیدے کی بجائے علم کے ذریعے ممکن ہے۔

اپنے آغاز میں عرفانیات "علم کا مذہب" ہے یا پھر اسے دینی بصیرت (Insight) بھی  
کہا جاسکتا ہے۔ فلسفے کی سطح پر یہ ایک ٹھوی مذہب ہے اور اس کے کم از کم ساٹھ فرقے ہیں  
قدامت پسند عیسائی ملتے عرفانیات کو بدعت (Heretical) قرار دے کر رد کرتے ہیں اور اس  
کو مصنوعی مذہب (Pseudo-Religion) بھی کہتے ہیں۔ مگر جدید دانشوروں اور محققین کو  
اس اعتراض پر اعتراض ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل عرفان کا بلاواسطہ تعلق اصل اور بنیادی  
عیسائیت کے دروازے سے ہے جن تک حضرت عیسیٰ کی سترہ تعلیمات بلاواسطہ پہنچی تھیں۔ بحر  
مردار سے جو طومار یا سکرول (Scroll) اکول کر کے رکھی ہوئی تحریریں حاصل ہوئے ہیں۔ ان  
کی روشنی میں عیسائیت کے آغاز کے بارے میں نقطہ نظر خاصی حد تک تبدیل ہو گیا ہے۔

یہ ۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے کہ بحر مردار کے قریب پہاڑوں کی چٹانوں سے انتہائی سے طوبار دریافت ہوئے تھے۔ بحر ان کی باقاعدہ تلاش کی گئی ہے اور اب یہ طوبار سینکڑوں کی تعداد تک پہنچ چکے ہیں۔ ان سے عیسائیت کا تعلق ایک یہودی مسک (Mystic) سلسلے ایسنے (Easne) سے قائم ہوتا ہے یہ سو فیہ کا ایک کردہ قہہ جو یہودیوں کے اندر پیدا ہوا۔ حضرت عیسیٰ یا تو اس سلسلے سے متعلق تھے یا ان پر اس فرقے کی تعلیمات کے گہرے اثرات مرتب ہوئے تھے۔ عیسائیت کی موجودہ شکل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سینٹ پال (St. Paul) نے رومنوں کو اس مذہب کی طرف راغب کرنے کے لئے بنائی تھی۔ کیونکہ یہودی ان تعلیمات کو پہلے ہی رد کر چکے تھے۔

عرفانیات کے عناصر تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ وسیع تر معنوں میں عرفانیات ہر مذہب کا تخلیقی عنصر ہے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے بھی، یہ عناصر مصر اور یونان کے مخصوص فرقوں میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ مجوسیت (Zoroastrianism) یسویت (Judaism) بدھ مت اور تائزم (Taoism) میں بھی اس کے اثرات موجود ہیں۔

عرفانیات کی دو اصطلاحیں یعنی گنوسٹک اور سوفیا (Sophia) قدیم عہد نامے میں بھی استعمال ہوئی ہیں۔ سینٹ پال نے جو پمسا خط کو رنٹھی (Corinthian) کو لکھا تھا اس میں بھی عملی زندگی میں عرفان کے فوائد کو بیان کیا گیا تھا اور سوفیا کے بارے میں یہ درج تھا کہ وہ دانشورانہ سوالات کے جواب کے لئے ضروری ہے۔ کورنٹھی سے مراد شہر کورنٹھ کے رہنے والے ہیں یہ ایک قدیم یونانی شہر تھا جو اپنے فنکارانہ حسن، اسراف اور عیش پرستی کے لئے مشہور تھا۔ عرفانیات کا کتبپ فکر سوفیا کی نشوونما کو حاصل کی جاسکے والی اعلیٰ ترین حکمت کا مہماں خیال کرتا ہے اور یہ وہ قوت ہے جو خدا کے اسرار کو جان سکتی ہے۔ حال ہی میں شائع ہونے والا ایک فلسفیانہ ناول جو تاریخ فلسفہ کو بنیاد بنا کر لکھا گیا ہے۔ اس کا نام بھی سوفی کی دنیا (Sople's World) ہے اس کے مصنف کا نام جو شائین گارڈر (Jostlen Gaader)۔

عیسائیت کی تاریخ میں عرفانیات کا آغاز سمین میگس (Simon Magus) جو ایک مشہور کرشمہ ساز قہہ کے نام سے ہوتا ہے۔ اسے عیسائیت کے مصلحت سے نکال دیا گیا تھا اور اس کے عروج و زوال کی کہانیاں مشہور ہیں۔ اب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ عرفانیات کا آغاز عیسائیت کے

آغاز ہی میں یا اس سے پہلے ہو گیا تھا اور ایک زمانے تک وہ قدیم چرچ کے ساتھ ساتھ قدم بقدم چلا رہا تھا اور اہل عرفان اپنے آپ کو عیسائی ہی کہتے تھے، گمنامک نہیں کہتے تھے۔

عرفانیات کی تعلیم روم اور اسکندریہ کے بعض مکاتب میں ہوتی تھی جنہو دو سری صدی عیسوی میں اپنے کمال کو پہنچ گئے تھے۔ اس تعلیم سلسلے کے بہت سے رہنما بھی تھے۔ مثلاً کسیری لائیڈز (Basiliides) سٹو ویلن ٹائن (Valentine) مارکی آن (Marclon) وغیرہ یہ بھی گناسک تھے، جو یہ سمجھتے تھے کہ کائنات کے حقائق کی بنیاد فحسی اور روحانی ہے۔ انہوں نے ہر شے میں یہی جست دریافت کی تھی۔ اس عرفانیات کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ عیسائی اخوت (Agape) اور مصروفانہ عشق خدا کے علم کا جادہ ہے، عیسائی اخوت کا حصول طویل اور دشوار ریاضت ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

عرفانیات والوں نے ایک شہوت تکفیل دی تھی۔ خیر (روحانی) اور شر (مادی)۔ ہر شخص کے اندر حق خداوندی موجود ہے۔ نفس (روح خیرا جسم (مادی شر) کے اندر مقید ہے اور اس کی وجہ آسمان سے گرایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی سکھاتے تھے کہ روحانی نجات اس صورت میں ممکن ہے اگر روح کی خیر مطلق کو جسم کے شر مطلق سے آزاد کر دیا جائے اور وہ اس شہوت کو اپنے کمال تک لے گئے تھے، یہ لوگ دفع شر کے لئے رہبانیت (Asceticism) کو اس کی انتہائی صورت میں اپنائے ہوئے تھے۔

اہل عرفان کا عقیدہ تھا کہ ہر شخص کے اندر حق خداوندی (Divine Seed) موجود ہے مگر اس کے باوجود جب وہ لوگوں کی تقسیم کرتے تھے تو ان کے دو گروہ بناتے تھے: ایک تو وہ گروہ تھا جو اہل عرفان کا تھا اور ان کا بنیادی محرک روح تھی اور دوسرا گروہ مادی سے تحریک حاصل کرنے والوں کا تھا جن کو کسی صورت میں بچلایا نہیں جاسکتا تھا۔ مگر کبھی کبھی وہ ایک تیسرا ذمہ بھی تسلیم کرنے لگ جاتے تھے، وہ لوگ جن کے اندر یہ استطاعت موجود ہے کہ وہ علم کی وساطت سے اہل عرفان ہو جائیں مگر وہ عملی طور پر اہل عرفان میں سے نہیں تھے۔ اس کے مقابلے میں Agnostic (ادریہ) کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں نہ جاننے والا یا نہ جانا جاسکنے والا، اس کا تعلق عرفانیات سے محض اس قدر ہے کہ یہ اس شخص کے لئے حوالے کے طور پر استعمال ہوتا ہے جو علت بے علت (Uncaused Cause) میں ایمان رکھتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ قدرت کے حقائق نہ صرف یہ کہ معلوم نہیں ہیں بلکہ جانے بھی جاسکتے ہیں۔

کچھ اہل عرفان نے حضرت عیسیٰ کی مصورت (Suffering) اور مصلوب ہونے پر بھی شک کا اظہار کیا ہے، ان کا کہنا یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ خود کو بلوے کے ساتھ ٹوٹ کر دے، کچھ تو یہاں تک کہنے لگے تھے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی موت سے فرار اس طرح حاصل کیا تھا کہ انہوں نے اپنی جگہ اپنے کسی نائب کو مصلوب ہونے سے پہلے عطا کر دی تھی۔ کچھ عیسائی اہل عرفان نے انجیل کے مطالب بھی اپنی مرضی سے تبدیل کئے تھے اور سحر کو اپنی تعلیمات کا حصہ بنا لیا تھا۔

قدیم کلیسا کے رہنماؤں کے لئے یہ خیالات عیسائیت کے لئے دھمکی تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا تھا۔ ۲۴۰ء سے ۲۳۰ء عیسوی کے زمانے میں خاص طور پر عرفانیات کے خلاف سخت کچھ لکھا گیا تھا کچھ اہم لکھنے والوں کے نام ایپینی یوس (Irenaeus) سید لائی ٹس (Hippolytus) اور ٹرنولین (Tertullian) ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اسکندریہ کے کلیمنٹ (Clement) (۱۵۰-۲۱۵) نے عیسائیت کے اندر عرفانیات کی گنجائش بنانے کو سنجیدہ کوشش کی تھی تاکہ قدامت پسند عیسائیت اسے قاطبی قبول کچھ سکے۔ اس ساری کوشش کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ بدھ مت اور زرتشتی اثرات کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب کے اثرات بھی اس میں در آئے، خاص طور پر دین مانوی (Manichaeism) کے عناصر رفتہ رفتہ اس میں بیج بس گئے، دین مانوی بہت سادہ ہے اور عموماً مذہبی نظام پر مشتمل ہے جس میں بلوے کو شر اور روح کو خیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اہل عرفان کو بدعتی قرار دیا گیا اور ان کو سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرون وسطیٰ کے آخر تک یہ سلسلہ تقریباً معدوم ہی ہو چکا تھا اس سلسلے کی آخری سزا فرانس میں ۱۷۴۳ء میں دی گئی۔ مگر اہل عرفان کے ان خیالات کو فری میسنوں (Freemason) اور روزی کروش نے زندہ رکھا۔ روزی کروش (Rosicrucian) سترہویں، اٹھارہویں صدی عیسوی ایک ایسی انجمن کے رکن کو کہتے ہیں، جن کا دعوے مانوی الفطرت علم اور طاقت کا ہونا تھا اور جو باطنی مذہب کو ماننے تھے۔ یہ ادارے ابھی تک زندہ ہیں، خاص طور پر امریکہ اور ان کو روزی کروش آرڈر کہا جاتا ہے۔

یہاں تھوڑی سی بات فری میسن کے بارے میں بھی ہو جائے۔ قرون وسطیٰ کے ماہر تک کاروں کا ایک طبقہ یا ایسے کارکنوں کی انجمن کا کوئی کارکن، اس انجمن کے اعزازی رکن



بھی ہوتے ہیں۔ جن کو قبولی کاری گر (Accepted Masons) کہا جاتا ہے، لیکن ان کا تیسرونی پٹے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کے دعوے کے مطابق ان کا مقصد بھلائی، اخوت اور نیکی کا فروغ ہے۔ تاریخی طور پر یہ ایک یہودی عیسوی تنظیم ہے، جس کے ذریعے مختلف ممالک میں ایسے انتظامات چلائے جاتے رہے ہیں، جن سے استبدادی قوتوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

اس کے اثرات کبلا یا قبالہ (Kabala) تصوف کا ستری نظام تفسیر، تصوف کا باطنی نظام جو مقدس صحائف کی صوفیانہ تفسیر پر مبنی ہے۔ یہ نظام چھٹی صدی عیسوی میں یہودی ریبوں کے درمیان رائج ہوا اور سینہ پہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ کبعض اوقات یہ کسی بھی ستری، باطنی یا عقلی تفسیر یا علم کا نام ہے اہل عرفان کی باقیات کا ایک گروہ مینڈین (Mandaeans) کے نام سے آج بھی عراق اور ایران میں موجود ہے۔

اس کے باوجود کہ اہل عرفان کو عیسائیت نے بہت سخت سزائیں دیں مگر ان کے اثرات کے مسلمہ طریقے (Liturgy) پر بہت نمایاں ہیں۔ خاص طور پر کیتھولک مذہب کے سر مقدس سے متعلق رسومات پر۔ ابتدائی عیسائی مسلمہ طریقے کار کے اثرات عیسوی موصوفہ (Synagogue) یعنی طریقی عبادت پر خاص طور پر مرتب ہوئے ہیں۔

عرفانیات میں خصوصی طور پر دلچسپی کا احیاء تیسویں صدی میں ہوا ہے، جب عرفانی دستاویزات دریافت ہوئی ہیں۔ پہلے یہ خیال تھا کہ محفوظے قائب ہو چکے ہیں مگر ۱۹۰۲ء اور ۱۹۱۳ء عیسوی کے درمیان ترکیستان میں اور پھر ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں بلادی مصر کے مقام ناگ حمادی (Nag Hammadi) کے مقام سے ملے ہیں، ان کو عام طور پر بحر مواد کے سکروں کہا جاتا ہے، ان کے ملنے سے وہ بنیاد فراہم ہوئی ہے جس پر عرفانی تصورات اور خیالات کی توجیسہ کی جاسکتی ہے۔

ایک اور بہت ہی اہم عنصر جس کی وجہ سے عرفانیات کے عنصر کو دوبارہ زیر غور لانا پڑا ہے، نفسیات دان، سی جی ڈوگک کے نظریات ہیں جن کو عام طور پر نئی عرفانیات (Neo-Gnostic) کہا جاتا ہے۔ ڈوگک نے بڑی محنت کے ساتھ قدیم عیسائیت اور عرفانیات کا مطالعہ کیا۔ اس نے یہ دریافت کیا کہ عرفانیات عمیق نفسیات (Depth Psychology) کے قدیم نمونے (Prototypes) ہیں۔ اس کا ایمان تھا کہ عیسائیت اور خصوصاً مغربی ثقافت نے

عرفانیات کے تصورات کو دہانے کی وجہ سے بے حد نقصان اٹھایا ہے، ان کو دوبارہ متعارف کروانے کے لئے تاکہ یہ خیالات جدید فکرمیں جگہ بن سکیں، ڈوگ نے ان کو یکپارگی (Alchemy) میں دریافت کیا۔

ناگ حمادی سے برآمد ہونے والے پہلے قریبا دین (Codex) جو ۱۹۳۵ء میں دریافت ہوئے تھے عریضہ لئے گئے اور پھر ان کو ڈوگ کے حوالے کر دیا گیا یہ تحفہ اس کو اس کی ۸۰ ویں سالگرہ پر دیا گیا اس تحفے کا نام "گولڈیکس ڈوگ" ہے۔

وہ لوگ جو خصوصی طور پر عرفانیات سے متاثر ہیں، ان میں ڈوگ کے علاوہ ماہر وجودیات (Existentialism) مارٹن ہیڈگر (Martin Heidegger) مذہبی تاریخ دان کرٹ روڈلف (Kurt Rvdolph) بھی شامل ہیں۔ انجیل کا ایک محقق روڈلف ہلٹ (Rudolph Bult Mann) نے ۱۹۳۳ء میں ایک بنیادی کام کیا تھا اس نے اپنی کتاب Gnostic Religion چھاپی تھی۔ اس کتاب میں ابتدائی عیسائی مذہب اور دیگر مواد سے ملنے والے سکروٹر کے بارے میں خاصی معلومات فراہم کی گئی تھیں۔

۱۹۷۷ء میں کرٹ روڈلف نے Gnosis کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی۔ جو اس کی عرفانیات کی نوعیت اور تاریخ کے بارے میں تھی۔ یہ تاریخ دار تحقیق سکندر اعظم کے ایشیا پر حملے سے آغاز ہوتی ہے، جو ۳۳۳ء لکل کجج میں ہوا تھا اور پھر اس کے اثرات ساتویں صدی میں کیتھولک مذہب پر مرتب ہوئے تھے۔ یہ سینٹ پال کی وہ توجہ تھی جو ماری آن نے کی تھی اور وہ انتہائی طور پر عرفانیات سے متاثر تھی، اس میں دو ایسے خداؤں کا تصور تھا جن میں سے ایک خیر کا خدا تھا اور دوسرا شر کا۔ روڈلف کی یہ تحقیق انتہائی طور پر عالمانہ ہے اور اس کے لئے بے شمار دستاویزات بھی فراہم کی گئی ہیں، مگر یہ بیسائیت کا حصہ ہے جس کا تعلق یورپ کے ساتھ ہے۔

اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اسی طرح کا مطالعہ مشرق میں بیسائیت کے حوالے سے بھی ہونا چاہئے۔ ڈوگ نے مشرق اور مغرب کے جن خیالات کو ملا کر اپنی نفسیات تشکیل دی تھی جن میں کچھ اثرات عرفانیات کے اس حصے کے بھی ہوں، جو مشرق میں نشوونما پا چکا ہے۔

یورپ میں اور خصوصاً فرانس میں عیسائی اہل عرفان کا ایک گروہ اسلام کی طرف مائل

متوجہ ہوا تھا۔ ان میں سے کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے تھے۔ ان کے کچھ اثرات جدید فکر رکھنے والے مسلمانوں پر بھی مرتب ہوئے تھے، ان میں خصوصاً حسن عسکری، ڈاکٹر محمد امین، سلیم احمد، سراج منیر اور کئی دوسرے لوگ شامل ہیں۔ ان اعتقادات کی بنیاد پر فتنوں میں محمد ارشاد کی ایک بحث بھی شائع ہوئی تھی، جس میں خاص طور پر سراج منیر اور امین پانی پتی نے حصہ لیا تھا۔ سبیل عمر نے اس سلسلے کی بعض کتب شائع کی ہیں۔ اس تحریک کے کچھ نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں فریڈرک جون شوہاں (Frithjof Schoun) ریٹے گیمنو (Rene Guenon) مارکو پالیس (Marco Pallis) مارٹن لنگز (Martin Lings) ٹی ٹیٹس برک ہارٹ (Titus Burchardt) اور کئی حد تک سید حسین نصر بھی شامل ہیں۔

میں ان کے اعتقادات کے سلسلے میں تفصیل بیان نہیں کرنا چاہتا۔ یہ اس کا موقہ بھی نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو ”روایت“ وہ دو رسالے دیکھ سکتے ہیں جن میں یہ تفصیل شائع ہوئی تھی۔ اس سلسلے کے بارے میں بعض شبہات کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے اپنی کتاب The Diary Of A Diplomatہ میں شوہاں سے ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کے اندر دکھادہ امت ہے، ان کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں بھی تعقل کا اظہار پایا جا رہا ہے، کاسلو (Koslow) کی ایک کتاب شوہاں کلت (Cult) کے بارے میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی یہ جھلکتا ہے کہ اس گروہ نے اسلام کی صورت کو صیح کرنے کی کوشش کی ہے۔

چونکہ یہ سارا معاملہ بنیادی طور پر سریت (Esotism) سے متعلق ہے۔ لہذا مناسب ہو گا کہ اس سلسلے میں مسلم صوفیا کا نقطہ نظر بھی جان لیا جائے۔ ان کے لئے جو اس سلسلے میں قدرے تفصیل میں جانا چاہتے ہیں۔ اگر ریٹے گیمنو اور اس کے کتب فکر کا خصوصی مطالعہ مقصود ہو تو جیکب نیڈل مین (Jacob Needle Man) کی کتاب The Sword Of Gnostis دیکھی جاسکتی ہے۔

سریت کے سلسلے میں ایک طویل اقتباس پیش کروں گا۔ یہ اقتباس حضرت سید محمد ذوقی کی شہرہ آفاق کتاب سر ولبریں سے لیا گیا ہے۔ تصوف کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب بطور لغت اور بطور نصاب استعمال ہوتی ہے۔ جو اقتباس میں پیش کر رہا ہوں وہ الگ سے سریت کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ کتب کے اندر اس کا عنوان روح القدس ہے، اس میں سر کو بھی بیان کیا گیا

ہے مگر اسے بیان کرتے وقت اس کا قرعہ باجمہ الطریقہ کی نظام بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ اقتباس اس قدر طویل ہے کہ میں اسے صوفیہ کے طور پر شامل کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں تفصیلی مطالعے کے لئے پروفیسر لطیف اللہ کی کتاب تصوف اور سیرت دیکھنی چاہئے۔ اس کتاب میں پروفیسر لطیف اللہ نے سیرت کی اصطلاح سنی سزم (Mysticism) کے لئے استعمال کی ہے اور میرے خیال میں اس سے مراد عرفانیات ہے یہ بحث اس لئے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ بعض دانشوروں کا یہ خیال بھی ہے کہ ساری کی ساری سنی سزم (Mysticism) اصل میں ایک ہی ہے، ان دانشوروں میں اوریس شاہ بھی شامل ہیں۔ یہی صورت حال اہل عرفان کے بارے میں بھی ہے، وہ تمام مذاہب کو بنیادی طور پر ایک جیسا ہی خیال کرتے ہیں۔ اس کے اثرات ڈونگ کے ہاں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ڈونگ بنیادی طور پر عیسائیت کو بنیاد بنا تا ہے اور اس کے بعد ہندومت، بدھ مت اور چینی مذہبی فلسفے کے اثرات بھی اس پر نظر آتے ہیں، مگر حیرت انگیز طور پر وہ اسلامی روایت سے بے نیاز ہے۔ اس لئے اس کا مطالعہ انہی حوالوں سے کرنا چڑے گا اور قاری کے قلبی موازنے کے لئے جہاں جہاں ضروری ہو گا ہم مسلم تصوف یا سیرت پر بھی بات کرتے رہیں گے۔

### (ب) کیمیاگری (ALCHEMY):

بنیادی طور پر ایک ایسا قدیم فن، جس کے ذریعے کایا پلٹ ہوتی ہے یا ماہیت قلبی تبدیل ہو جاتی ہے، اسی کی بنیاد پر جدید کیمسٹری (Chemistry) اور وحدت کاری (Metallurgy) وجود میں آئی ہے۔ علاقہ طور پر یہ ایک ایسا مصروفانہ ہنر ہے جس کی مدد سے شعور کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔

حال ہی میں کیمیاگری میں جو دلچسپی پیدا ہوئی ہے اس کی وجہ نفسیات دان ای جی ڈونگ ہیں جس نے یہ دیکھا کہ اس کی ایک جہت روحانی ہے اور اس کے ساتھ اس کی طبیعت جہت بھی موجود ہے۔ اس ہنر کا سچا مقصد نفسیاتی ہے۔ یعنی کیمیاگری کی روح کی کایا پلٹ کر دینا۔

الکھمی کو سپاگیرک (Spagyric) فن بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کے معانی پھاڑنے اور پھر یکجا کرنے کے ہیں۔ ایک مخصوص فن کے طور پر اس کا تعلق بہت سی روحانی روایات سے ہے جس میں مثال کے طور پر ہرمتی کا (Hermetica) عرفانیات، کبلاہ اسلام، تائو ازم (Taoism) اور یوگا (Yoga) بھی کچھ شامل ہے، مگر مغرب اور مشرق کے کیمیاگری کے فنوں مختلف طریقوں سے نشوونما پائے ہوئے ہیں۔

## مغربی الکھمی:

مغربی الکھمی ایک ہرمتی (Hermetic) روایت ہے، جو مصری یونانی ستری تعلیمات پر مبنی ہے۔ ایک دیوتا کے مطابق اس کا بانی ہر میس ٹریس میکس ٹی (Hermes Trismegistus) ہے، جو مصر اور یونان دونوں میں سحر اور حکمت کا دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ اس کے نام تھوتھ (Thoth) اور ہرمیس ہیں۔ قتل مسیح کی آخری اور مسیحی کیفڈر کی ابتدائی صدیوں میں اس نے وحدت کاری کو غلطے اور غلطے سے متعلق ان خیالات سے ملادیا تھا جن کی بنیاد نیو افلاطونیت (Neo Platonism) عرفانیات اور عیسائیت پر تھی۔ مصریوں نے الکھمی کا بے حد بنیادی عنصر متعارف کروایا تھا اور وہ یہ کہ خلقت خداوندی نے یہ دنیا ایک بے نظم یا منتشر (Chaotic) خلقت سے بنائی تھی، جس کا نام پریما مادہ (Prima Materia) تھا۔ لہذا کیمیاگری میں ہر شے کو واپس پہلے مادے کی حالت میں لایا جاسکتا ہے۔ اس کو گھلایا جاسکتا ہے اور اس کے استخراج بنائے جاسکتے ہیں اور اس کی کاپیا پلٹ کر کے اس کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر کیمیاگر اس سلسلے میں مخالف اشیاء کو ملاتے تھے تاکہ کاپیا پلٹ ہو سکے۔

چھٹی صدی تک کیمیاگری ایک تاریخی صورت اختیار کر چکی تھی اور ان اسرار کی جگہ لے چکی تھی جو نیکمر رہے تھے۔ یہ یورپ میں بارہویں صدی میں پہیلی اور اس کی وجہ سین پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ یہ نہایت ہی قابل احترام سائنس تھی، جو لوگ اس سلسلے میں کوشاں رہتے تھے اور اس پر تحریر لکھتے تھے، وہ جان بوجھ کر غیر واضح زبان استعمال کرتے تھے

جبرش (Gibberish) کی اصطلاح قرونِ وسطیٰ کے کیمیادان جابر بن حیان سے متعلق ہے اور اس کو یورپ میں عام طور پر گیمبر (Geber) (c. 7-10) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی بہت سی تحریریں لکھی ہیں کہ سمجھ ہی نہیں آتیں۔

کیمیاگری قرونِ وسطیٰ کے آخری زمانے سے نشاۃ ثانیہ تک میں عروج پر تھی۔ کیمیاگر بڑے فریب پارس پتھر (Philosopher's Stone) کی تلاش میں تھے، یا پھر وہ لاپس (Lapls) ڈھونڈتے تھے، جو ایک پراسرار مادہ ہے، جو کم درجے کی دھاتوں کو چاندی یا سونے میں تبدیل کرنے کے کام آتا ہے، یہ بھی اسی طرح کا تصور ہے جیسا کہ پارس پتھر ہے، پارس پتھر کو زندگی کے لئے اکسیر (Elixir) بھی سمجھا جاتا ہے اور اس سے جلدیابی حاصل ہوتی ہے، زیادہ تر کوششیں جو کیمیاگری کے حلقے میں کی گئیں، باکلم جاہت ہوئیں، مگر بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ چیزوں کی باہت تبدیل کرنے میں کامیاب بھی ہوئے، کہا جاتا ہے کہ نکولس فلیمیل (Nicholas Flamel) جو چودھویں صدی عیسوی کا عظیم کیمیاگر تھا تین بار پارے (Mercury) کو چاندی یا سونے میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوا۔

جو تحریریں اور نقشے ان کیمیاگروں کے بنائے ہوئے ملے ہیں، وہ اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ ان کو سمجھنا کارے دار، کیمیاگر اپنے مطالعے کی بنیاد بلاواسطہ ذاتی کشف و بصیرت (Vision) یا خواب کو دیتے تھے، مگر وہ اپنے کام سیدھے سادہ صاف لفظوں میں بیان نہیں کرتے تھے، وہ اپنے جیسے لوگوں کی فہم کے لئے ان کو علامات کی صورت میں بیان کیا کرتے تھے اور ان اصطلاحات کا فرہنگ بھی تبدیل ہوتا رہتا تھا۔

قدیم کیمیاگری کے مطابق تمام اشیاء دو قسم کے مادوں سے مل کر بنتی ہیں ایک فرہوتا ہے اور ایک مادہ (Hermaphrodetic) گندھک (Sulphur) نفس (Psyche) کی نمائندگی کرتی ہے اور آتشیں مردہ اصول ہے، اور پارہ یا سیماں جو روح (Spirit) کا نمائندہ ہے آبی نسائی اصول ہے۔ بعد میں یورپی کیمیاگری میں ایک اور عنصر شامل ہوا، خاک، جس کی مطابقت جسم کے ساتھ ہے، تبدیلی باہت کا عمل تین ضروری عناصر کو الگ الگ کرنے پر مشتمل تھا ایک ہار الگ الگ کرنے کے بعد ان کو پھر سے ایک خاص تناسب میں ملایا جاتا تھا مگر اس عمل کو بدوئے کار لاتے ہوئے یہ دیکھنا ضروری تھا کہ علم نجوم کے حساب سے ستارے موزوں حالت میں ہوں۔

اسرار کے سلسلے کی توسیع کے طور پر کیمیاگری صحنہ کلام یا صحنہ تعبیر (Euphemism) کا ایک لازمی حصہ تھی، جس کا تعلق تعلق دوبارہ تخلیق ہونے سے تھا اور یہ جاودانیت کے باعث ممکن ہوتا تھا اور یہ وہ مرتبہ تھا جو اسراریت کے باطن میں داخل ہونے سے ملتا تھا۔

کیمیاگری کی زلمی فطرت کو شہوت انگیز (Erotic) آرٹ میں خاصہ نمایاں کیا گیا ہے، مگر اس کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہو سکا کہ عملی طور پر اس سلسلے میں کوئی جنسی رسم بھی ادا کی جلیا کرتی تھی۔

قرون وسطیٰ اور نشاۃ ثانیہ کے زمانے میں کیمیاگری کے باعث دھلت کاری، کیمسٹری اور علم ادویہ (Medicine) میں بہت کچھ دریافت ہوا تھا، اس کی تفصیل مطالعہ ایک شہرہ آفاق کتاب Dawn Of Magic میں کیا جاسکتا ہے، یہ کتاب بنیادی طور پر ان حقائق کو بیان کرتی ہے جنہیں جدید سائنس نے جان بوجھ کر مسح کیا ہے، یہ ان کتابوں میں سے ہے جنہوں نے کئی لوگوں کی زندگی کے روپے کو کھل طور پر تبدیل کر دیا ہے، مثلاً اس میں یہ درج ہے کہ کون کون سی ایسی ایجادات ہیں، جو اس زمانے میں دریافت ہو چکی تھیں، مگر بعد میں جدید سائنس نے ان کو اپنے کھاتے میں ڈال لیا۔ بعد میں انیسویں صدی کے دوران جب آکسیجن (Oxygen) دریافت ہوئی اور اس کے ساتھ ہی یہ دریافت ہوا کہ پانی کئی عناصر سے مل کر بنتا ہے تو کیمیاگری کو ایک دمچکا لگا، اور کیمیاگری کو محض ایک نقلی سائنس کا درجہ دے دیا گیا اور اسے توہمت میں شامل کر لیا گیا اور اس کی جگہ علم طبیعیات نے لے لی۔

بیسویں صدی کے دوسرے نصف تک کیمیاگری میں کوئی سنجیدہ دلچسپی نہ لی گئی، مگر اس کے بعد مغرب میں اس شے میں دلچسپی پھر سے بیدار ہو گئی۔ ایسے ادارے قائم ہوئے، جو یہ قدیم آرٹ سکھایا کرتے تھے، اس کے بعد سپاگرک (Spagritic) اشیاء جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ، دوائیاں، مشروبات، شراہیں اور خوشبوئیں وغیرہ پھر سے متعارف ہوئی شروع ہو گئیں۔

## مشرقی کیمیائگری:

قدیم چین میں کیمیائگری کو کمال حاصل ہوا تھا اور ۳۲۰ عیسوی تک یہ علم سینہ بہ سینہ چلا رہا تھا پھر کومنگ (Ko-Hung) کے کلاسیکی کیمیائگری متن کو (Nelplien) کے نام سے تحریر کیا چین کے رہنے والے اس جہتو میں تھے کہ ان کی زندگی کو دوام حاصل ہو جائے، مگر اس سے ان کی مراد ارضی زندگی نہیں تھی، وہ چاہتے تھے کہ بتا ان کو حاصل ہو، وہ ان کے اشتراک میں ہو، جو جلوداں ہو چکے ہیں اور ان کے قبضے میں مافوق الفطرت قوتیں بھی ہوں، چنانچہ قدیم چینی کیمیائگری ایسے اکسیر تیار کرتی رہی، جس میں عناصر کے مختلف استجابات (Combinations) پڑتے تھے، اور پھر ان کو بار بار مختلف آلات میں گرم کرنا پڑتا تھا۔

اس کی مطابقت تائو کے مراتب (Taolist Mediation) کے اس عمل سے تھی جس کے ذریعے چی (Chi) جو کہ ہمہ گیر حیاتیاتی قوت ہے، تخلیق ہوتی ہے اور پھر جس کے اندر اس کو خالص ہونے کے عمل میں سے گزرنا ہوتا ہے۔ چی اس وقت تخلیق ہوتی ہے، جب خوراک کے غذائیت سے بھرپور عناصر غدودوں کے اخراج (Secretion) اور جسمانی اعضاء کے ساتھ اخراج میں آتے ہیں۔ اس کے باعث خون اور جنسی توانائی پیدا ہوتی ہے۔ (چنگ Ching) حرارت سانس کی صورت میں اس جنسی توانائی کو چی کی شکل دے دیتی ہے، جو ریڑھ کی ہڈی سے اوپر اور نیچے بنے ہوئے راستوں پر سفر کرتی ہے، اور سر کے بالائی حصے سے شکم (Abdomen) تک جاتی ہے اور اس کی مماثلت یوگا کی کنڈلینی (Kundalini) توانائی سے ہے۔ چی اسے بارے پر واقعہ ہندہ مراکز میں سے گزرتی ہے اور جب یہ عمل کافی دور تک وقوع پذیر ہو چکتا ہے تو چی لطیف (Refined) ہو جاتی ہے اور پھر وہ دماغ کے بالائی حصے تک انتہائی مرکب (Concentrated) حالت میں پہنچتی ہے، جس سے ہندے کا رولایا جاسکتا ہے یا پھر شکم کی طرف واپس لوٹایا جاسکتا ہے، چی کو آئندہ استعمال کے لئے محفوظ بھی رکھا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں کیمیائگری کی جڑیں ۱۰۰۰ قبل مسیح تک پھیلی ہوئی ہیں، اور انہوں نے آیرویدک (Ayurvedec) (حکمت حیات) طب کی نشوونما میں حصہ لیا ہے، اور وہاں پر اس کا کردار آج تک موجود ہے، ہندوستان کی کیمیائگری موانہ (Shiva) اور زلتانہ (Parvati) اصولوں پر مبنی ہے اور ان کا نتیجہ جیوان (Jivan) ہے، جو حکمت والی مخلوق ہے۔



ہندو اور چینی دونوں روایات میں انسان تاثرک یوگا (Tantric Yoga) کے ذریعے دوام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو جنسی اختلاط (Coltus) ہی سے گریز کیا جائے یا پھر انزال نہ ہونے دیا جائے کیونکہ اسی سے قوت حیات میں شدت آتی ہے یہی پوراناہ (Poranah) یا جی ہے۔

### ژونگ اور کیمیاگری:

کادل گسٹو ژونگ کو کیمیاگری میں اس لئے دلچسپی پیدا ہوئی کہ وہ عرفانیت میں زیادہ ڈوبا ہوا تھا۔ وہ ۱۹۱۲ء سے عرفان اور اجتماعی لاشعور کے اعمال میں رشتہ تلاش کر رہا تھا اور یہ بھی کچھ اس مقصد سے کیا جا رہا تھا کہ سونیائی حکمت کے لئے کسی طرح جدید ثقافت میں جگہ بنائی جائے۔ یہ تعلق اس کو کیمیاگری میں نظر آیا، جب اس نے کیمیاگری کو فرویت سے مماثل پایا اور یوں اس نے انسانی شخصیت کو ایک کل (Whole) کی شکل دینے کی کوشش کی۔

فرانز کی طرح ژونگ نے بھی اپنی زندگی میں کچھ اہم خواب دیکھے، ۱۹۲۶ء میں اس نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ سترھویں صدی کا ایک کیمیاگر ہے اور کیمیاگری کے سلسلے میں کوئی نصیحت ہی اہم خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہ عظیم خواب بالکل سچا ثابت ہوا کیونکہ ژونگ نے اسے اپنے زندگی بھر کے کام میں ایک مرکزی حیثیت عطا کر دی، پھر اسے بہت سادہ و شوق دوسرے ایسے ہی خوابوں سے بھی حاصل ہوا اس نے کیمیاگری کے بارے میں بہت سی کتابیں اکٹھی کر لیں اور پھر اس کام میں پوری طرح منہمک ہو گیا۔

اس کی اس تحقیق پر سب سے زیادہ اثر اندازی ”اسرارِ کلی ذریں“ (The Secrets of Golden Flower) کی ہوئی، جو چین کی ایک صوفیانہ کتاب ہے اور اس کا تعلق کیمیاگری سے بھی ہے۔ یہ کتاب ژونگ کے ایک دوست رچرڈ ولسلم (Richard Wilhelm) نے دریافت کی تھی اور اسی نے یہ کتاب ژونگ کو دی تھی یہ کتاب عرفان اور لاشعور کی نفسیات کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے، جب ژونگ نے اس کتاب کا موازنہ لاطینی زبان کے کیمیاگری کے متن سے کیا تو اس پر یہ نکلا کہ مشرق اور

مغرب دونوں کے کیمیاگری کے غلام کا تعلق لازمی طور پر روح کی کلیا پلٹ کے ساتھ ہے۔  
 ڈونگ کو یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ بہت سے مریض جن میں مرد اور  
 عورتیں شامل تھیں وہ اور یورپی یا امریکی پس منظر رکھتے تھے، انہوں نے ایک طرح کے خواب  
 دیکھے تھے۔ ان کے ہفتتیا میں رمزیت ایک بھی تھی اور ان میں ظاہر ہونے والے اساطیر یوں  
 کی کہتیاں، عرفانیت کے تصورات اور کیمیاگری کے رویے، ایک جیسے تھے اس بصیرت کی  
 روشنی میں ڈونگ نے انتہائی آشور کے بارے میں اپنے خیالات کو تفصیل دیا وہ قدیم نمائندگی کا  
 ذخیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ کردار کا ایک ایسا رویہ بھی تھا جو ساری انسانیت میں مشترک تھا۔

ڈونگ نے پہلی بار کیمیاگری کا ذکر اپنے اس خطاب میں کیا جو خواب کے اندر  
 کیمیاگری کی رمزیت سے متعلق تھا اور اس کا عنوان تھا  
 Dream Symbols And The Individuation Process اور یہ نیچر ٹیلی  
 سونیز ویلنڈ میں جیمیل میگزین کے کنارے دلا اور انوس (Villa Eranos) میں دیا گیا تھا۔ پھر ایک  
 برس کے بعد اسی مقام پر ڈونگ نے جو نیچر دیا تھا اس کا موضوع تھا "کیمیاگری میں شفاعت کا  
 تصور" (The Idea Of Redemption In Alchemy) اس موضوع پر اس کی پہلی  
 کتب انسیات اور کیمیاگری (1944) تھی، پھر اس کے بعد آچون (Alon) کیمیاگری کے  
 مطالعات اور Mysteriom Conlunctions بھی اسی موضوع سے متعلق ہیں۔ پھر ان  
 کے بعد ڈونگ نے جو کچھ بھی لکھا اس میں کیمیاگری کے اثرات کی کارفرمائی نظر آتی رہی۔

ڈونگ نے کیمیاگری کے اندر شفاعت کے روحانی اعمال دیکھے، جن کا تعلق  
 Lumen Del کے اتحاد اور کلیا پلٹ سے تھا۔ یہ خدا کے اعلیٰ وجود کی روشنی ہے اور اس کے  
 ساتھ ہی ساتھ نور قدرت (Lumen Natural) ہے۔ کیمیاگروں کے تجرباتی عمل کا تعلق  
 زندگی اور موت سے ہے، وہ اپنے مادے (Substance) کو مارتے بھی ہیں اور زندہ بھی  
 کرتے ہیں۔ خود کیمیاگر بھی اسی عمل کا ایک حصہ ہیں اور وہ اپنے شعور کی کلیا پلٹ کر دیتے ہیں  
 اور پچھلی سطح سے اعلیٰ حالت میں پہلے جاتے ہیں اور اس کے لئے موت اور دوبارہ زندگی کی  
 علامات کا اطلاق ہوتا ہے۔

ڈونگ کے مطابق ابتدائی عیسائی کیمیاگروں نے پارس پتھر کو مسیح کی علامت کے طور پر  
 استعمال کیا تھا۔ لہذا وہ اعلیٰ ترین صوفیانہ معانی تھے۔ کیمیاگری محبت کے شعور کی کلیا پلٹ کا نام

قہ اور اس کی شکل نرم دل شخصیت تھی جو مواد اور نسلی تضادات (جسٹیت  
Physicality) اور روحانیت کا استخراج تھے جو ایک کل کے اندر جمع ہو گئے تھے۔

کیمیائگری میں ڈونگ کی دلچسپی سونا پلانے کی نہیں تھی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں  
کیمیائگری کے دو رخ تھے۔ ایک تو اس کا ظاہری رخ تھا اور ایک باطنی۔ جہاں تک ظاہری رخ کا  
تعلق ہے اس کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ ایسے لوگ ضرور موجود تھے اور وہ  
شاید اب بھی ہیں، جو کٹر دھمت سے سونا پلانا چاہتے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ایسا  
کرنے میں کامیاب بھی ہوئے ہیں، مگر اس کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سائنسی تجربوں  
کے طرح یہ ایسے تجربے نہیں ہیں، جو سو فیصد ایک ہی نتیجہ برآمد کرتے ہوں۔ ویسے سائنسی  
تجربات بھی بیش ہی کامیاب نہیں ہوتے۔ اس پر ایک طویل بحث آرتھ کوسل کی کتاب  
Roots Of Coincidence میں موجود ہے۔ جس میں کوسل نے یہ ثابت کیا ہے کہ ٹیلی پتھی  
کے تجربات سائنس کے عمومی تجربات سے کہیں زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ مگر ان کے بارے میں  
شوکر و شبہات کا اظہار بار بار کیا جاتا ہے۔ کیمیائگری میں جو تجربات ہوتے رہے، ان کے باعث  
جدید کیمسٹری کا آغاز ہوا تھا۔ جو کچھ قرون وسطیٰ میں دریافت کیا جا چکا تھا اس کو پھر سے جدید  
دور نے دریافت کیا یا اپنا مگر اس بات کا اعتراف کرنے کی توفیق نہ ہوئی کہ اس سلسلے میں بہت  
ساکار آؤ کام قرون وسطیٰ میں ہو چکا ہے۔ اس کی تفصیل Dawn Of Magic کے اندر  
موجود ہے اور یہ موقعہ تفصیل میں جانے کا بھی نہیں ہے۔

کیمیائگری کا دوسرا رخ انسانی نفسیات سے متعلق تھا اور یہ اس کی باطنی صورت تھی،  
ڈونگ کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ اور بھی ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ کیمیائگری کا اصل مقصد کیمیائگری  
بابت قلب کو تبدیل کرنا تھا مقصد یہ تھا کہ کیمیائگری کی شخصیت بہتر سطح کا حصول کرے۔ یہ ایک  
ایسا عمل تھا جس میں کیمیائگری کی شخصیت زیادہ جامع اور زیادہ مرتب ہو جاتی تھی اور اس کے اندر  
موجود عناصر ایک ایسی ترتیب میں آ جاتے تھے جو انسانی شخصیت کے لئے مثالی ترتیب ہے۔  
"اسرار کلی دریں" چینی حکمت کی کتاب تھی، جس نے ڈونگ پر انسانی شخصیت کو جاننے کے  
کئی دروا کئے تھے۔ ایسے ہی تصورات ہندوستان کے اندر بھی موجود تھے۔ جو ہندوستان کے کئی  
فلسفوں اور مذہبی اعتقادات میں بکھرے ہوئے تھے، مگر ان سب کا مقصد بہتر انسانی شخصیت کا  
حصول تھا۔ ان میں سے ایک تصور منڈل (Mandala) کا بھی تھا۔ ڈونگ کی نفسیات میں اسے

مرکزی حیثیت اس لحاظ سے حاصل ہے کہ شخصیت کی نشوونما کی آخری منزل کے طور پر اسے بہت اہمیت دی گئی ہے اور ڈونگ نے اپنی آخری عمر میں اپنے مشہور گھر میں جو علامات لگائی تھیں ان میں سے اکثر اشارے منزل ہی کی طرف تھے۔

### (ج) منڈل (MANDALA):

ایک ڈیزائن جو عام طور پر دائرے کی شکل میں ہوتا ہے اور اس کا تعلق مذہب اور آرٹ دونوں سے ہے، یہ ایک سنسکرت اصطلاح ہے، جس کے لفظی معانی دائرے کے ہیں ہندومت اور بدھ مت دونوں میں ایک رسمِ رسیاتی (Ritual) مقصد اور عقیدہ (Service) ہے جو تنٹرا (Tantra) ایک ہندوئی نقش (Geometric Design) یا سورج بچا کر کے کا ایک آکر ہے۔ منڈل کا تعلق عیسائیت سے بھی ہے۔ عرفانیات سے بھی اور دوسرے مذاہب سے بھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کا رشتہ اساطیر، یکساگری، شفا یابی کے فنون، آرٹ اور علامات سازی کے فن سے ہے۔ جدید نفسی طریق علاج (Psychotherapy) میں یہ ایک وسیلے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اپنی بنیادی نوعیت میں منڈل ایک ایسا نقطہ ہے، جہاں پر جہان کبیر (Macrocosm) اور جہان صغیر (Microcosm) علامتی طور پر ملتے ہیں۔ یہ ایک ایسے صوفیانہ سفر کی بھی علامت ہے، جو مختلف سطحوں سے ہوتا ہوا شعور کے مرکز تک جاتا ہے، اور وہی اعلیٰ ترین اور حتمی اوجہ ہے جو ذات خداوندی میں کیا جاتا ہے۔

منڈل تصورِ شکی کی جاتی ہے۔ اسے نقش کے طور پر بنایا جاتا ہے۔ اسے سہ ابعادی (Three Dimensional) شکل میں بھی بنایا جاسکتا ہے اور اسے رقص میں بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایسے ایچو (Images) پر بھی مشتمل ہو سکتا ہے، جو محض ذہن کے اندر بنائے گئے ہوں، ایسا عام طور پر تبت کے لاسے (Lamas) کرتے ہیں۔ منڈل جب دائرے کی صورت میں بنایا جاتا ہے تو وہ قدرتی اور حتمی (Ultimate) کلیت (Wholeness) کو ظاہر کرتا ہے، اور اس کی علامات کا تعلق قدیم جبری (Paleolithic) عہد سے ہے اور ان کو خصوصی طور پر کراتی (Spherical) یا سورج چکر کی شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ زین (Zen) مسلک میں

دائرہ روشن ضمیری کی علامت ہے۔

منزل کی ساخت میں تین بنیادی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ (۱) ایک مرکز، جو ذات خداوندی ہے، آغاز ہے یا پھر دوائی زمانہ محل ہے، مگر نفسی معاملے میں یہ سلف (Self) ہے جو میزان نفس (Total Psyche) (۲) تشاکل (Symmetry) اور عقیم (Cardinal) نکلت ہیں۔ تمام منزلوں میں مرکز کا ہونا لازمی ہے۔ جبکہ تشاکل اور عقیم نکلت۔ مقصد اور ڈیزائن کے حساب سے بدلتے رہتے ہیں۔ تشاکل مشتمل ہوتا ہے اور تشاکلی (Concentric) اور دو عملی طور پر متوازن ہندسی اشکال پر۔ تقابلات کا بیان اکثر جنسی تاج کے حوالے سے اعلیٰ پاتا ہے۔ منزل کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے تقابلات کو ہم آہنگ کرے اور یوں بے نقصی میں ایک نظم پیدا ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ دائرہ چار نکلت پر محصور ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کے لئے ایک مربع (Square) بنایا جاتا ہے اور پھر اس کے اندر ایک دائرہ کھینچ دیا جاتا ہے یا پھر یہ کام جو میٹرککل ڈیزائن سے لیا جاتا ہے، جس میں محکوں کے اندر داخل انداز کی جاتی ہے اور دائرے کے اندر دوسرے ڈیزائن بنائے جاتے ہیں۔ اس طرح کی اشکال نگاری کا تعلق ہندو اور بدھ اساطیر سے ہے۔ ہندو مت کے دیوتا براہمن تخلیق کا آغاز کرنے سے، پہلے ایک ایسے کنول کے پھول (Lotus) پر کھڑا ہوا تھا جس کی ہزار پتیاں تھیں اور ان کا رخ چاروں اطراف کی طرف تھا اسی طرح مساتما بدھ جب پیدا ہوئے تھے، تو انہوں نے ایک ایسے کنول پر قدم رکھے تھے، جس پر آٹھ شعاعیں پڑ رہی تھیں اور ان کا رخ عطا کی دس سمتوں کی طرف تھا۔ اس میں سے آٹھ تو کنول کی شعاعیں تھیں اور ان کے علاوہ اونچائی اور پستی تھی، ڈونگ کی نظریات میں منزل کے عقیم بنیادی نکلت کا تعلق فکر، احساس، وجدان اور خمس کے ساتھ ہے، جس کی ضرورت انسانوں کو نفسیاتی مطابقت پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

عملی طور پر جو بھی شے دائرے اور گرد موجود ہے، جیسے سورج، چاند، زمین، لاک، سمت ہاتھ والا مقناطیسی آکر، اس منزل (Zodiac) گنبد دار گول عمارت (Rotunda) ایک ہالہ (Halo) ایک پھول، ایک چیتان، ایک بھول بھلیاں یا کسی گرجے کی گلابی کھڑکی سب منزل میں شامل ہے۔ بادشاہ آر تھر (Arthur) کی گول میز بھی منزل ہے۔ جس کی حقیقت مقدس جام کج (Grail) ہے، جو ایک اساطیری دھڑن ہے، اور وہ مرکز میں اس وقت ابھر آیا تھا

جب پلوشہ اور اس کے درباری موجود ہی نہیں تھے۔ مٹن یا ہشت ضلعی افکار بھی منزل ہی ہیں اس میں بیت المقدس کا شہر گنبد بھی آتا ہے۔ مرہٹے اور ٹکونیں بھی منزل ہی کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مرہٹے کے اندر دائرہ اور دائرے کے اندر مربع بنایا جاسکتا ہے۔ دائرہ کی شکل کے منزل میں اکثر ٹکونوں کا تصور ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ جامع منزل دسی طور پر تبت میں ظاہر ہوئے تھے اور خیال یہ ہے کہ ان منزلوں کو حعارف کردانے والے انھوں صدی کے مشترک گورو پدما سمبھوا (Padma Sambhava) تھے، جس کے بت کمرے اثرات تبت کی بدھ مت پر مرتب ہوئے تھے۔ تبتی منزل خاصے بحرور ہیں، تفصیل ہیں اور تصورات سے معمور ہیں اور ان کی ذرا ذرا سی تفصیل بھی علامتی پری سیژن (Precision) کی حامل ہے، یہ ذرا ان ایک بنیادی ساخت پر بنے ہیں جو چار دائروں پر مشتمل ہے، وہ ایک خاص عظیم نقطے پر یکجا ہو گئے ہیں ایک پانچویں دائرے کے گرد مرکزی دائرہ ہے۔

منزل اصل میں ایک علامت ہے، جس کی شکل بھی ہے اور معانی بھی ہیں مگر جو کچھ وہ ظاہر کرتا ہے، اس کی کوئی شکل نہیں ہے، وہ اس شے کا اظہار و اظہار ہے، جو قلبی بیان نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا شعور ہے جو تصوراتی فکر سے کہیں زیادہ گہرا ہے، وہ ذہن کو ایک عام سطح پر اس شعور کے لئے تیار کرتا ہے، جس کا ادراک موانع کی انتہائی گہری سطحوں میں ہوتا ہے۔ منزل کے اندر بے شمار دیوتا قیام پذیر ہیں۔ جو ڈونگ کے تشکیل کردہ آرکی ٹائپ سے بے حد مماثلت رکھتے ہیں اور ان کی اہمیت بھی آرکی ٹائپ سے کسی طرح کم نہیں ہے اور پھر ایسے وجود بھی اس کے اندر موجود ہیں، جن سے سابقہ اس وقت پڑتا ہے، جب ہم کسی ایسے باطنی سو فیادہ سفر روانہ ہوں، جو واہمیت (Hallucinogenic) سے بھی معمور ہو۔ اس سطح میں مثلاً وہ واہمیت آجاتی ہیں جن کا آغاز بعض دوائیوں کے استعمال کے بعد ہوتا ہے۔ یہ دوتا سب کے سب ایک ہی وقت میں موجود ہوتے ہیں، کسی بھی ایسے شخص کے بدن اور روح کے اندر جو اس سفر روانہ ہوتا ہے اور ان کا تعلق ان تمام قوتوں سے ہوتا ہے، جو ذہنی طور پر تخلیق کردہ کائنات میں موجود ہوتی ہیں اور بسا اوقات یہ بھی ہو جاتا ہے کہ یہ قوتیں ذہن سے باہر نکل کر بھی زندگی میں اپنا وجود دکھاتی ہیں۔

مغرب کی منزل میں دلچسپی جو اب خاص وسیع ہو رہی ہے۔ ڈونگ ہی کی وجہ سے

آغاز ہوئی ہے۔ ڈونگ نے انگلی اور قرون وسطی کے عیسائی آرٹ کے حوالے سے اسے دریافت کیا تھا اور اس کا خصوصی حوالہ حضرت عیسیٰ کی وہ شبیہ تھی، جو مرکز میں تھی اور چار ہمشر (Evangelist) مرکزی اہم نقطے کے ارد گرد موجود ہیں۔ (مغرب میں عیسیٰ کی اس طرح کی نمائندگی کے بارے میں قدیم زمانے سے یہ تاثر موجود ہے کہ اس کا تعلق مصری کردار ہورس (Horus) اور اس کے چار بیٹوں کی تصویر کے ساتھ ہے۔) ڈونگ نے خود بھی مشرقی منڈل کا مطالعہ فوق و شوق سے کیا تھا اور اس نے اس کے اندر مربوط نفسیاتی معاملے کی خوبیاں دیکھی تھیں اور پھر انہیں اپنے طریق علاج میں استعمال بھی کیا تھا جب کوئی مریض منڈل کی ڈرائنگ بنانی شروع کر دیتا تو اس سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اب وہ اپنی باطنی بد نظمی کو ترتیب میں بدل رہا ہے۔

منڈل کا تعلق نواجو (Navajo) کی ریتی تصاویر سے بھی ہے۔ یہ وہ نقش ہیں جو زمین پر صحت یابی کے لئے بنائے جاتے ہیں اور ان میں مریض کو درمیان میں بیٹھایا جاتا ہے۔ منڈل بنیادی طور پر جھنجھیلی ذات کا عمل ہے، جھنجھیل کے عمل کو ظاہر کرنے کے لئے دائرہ بنایا جاتا ہے۔ اس کی ایک علامت انگوٹھی بھی ہے۔ خاص طور پر وہ انگوٹھی جس میں ایک سانپ اپنی ہی دم کو منہ میں لئے ہوئے ہے، یا بھر صخرے، جو بیک وقت جھنجھیل اور محدودیت دونوں کی علامت ہے، مکمل ہو جاتا بھی محدود ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسانی زندگی اپنی جھنجھیل کو پہنچ جاتی ہے۔ نفسی سطح پر جس قدر اہمیت زندگی کو حاصل ہے۔ ویسی ہی اہمیت موت کو بھی حاصل ہے۔ زندگی ہمیشہ موت کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے مگر موت ایک بار وارد ہو جائے تو وہ دوام ہے، اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ ازل اور ابد کے دونوں طرف محدودیت کی حکمرانی ہے۔

نفسیاتی سطح پر موت کے بے شمار معانی ہیں، اس کی ایک پوری فہم بتائی جاسکتی ہے۔ ایک بار فرانیٹز نے اپنے شاگرد سٹیکل (Stekel) سے کہا تھا تمہاری دریافت کردہ علامات موت کی اہمیت (اس وقت کی) تمام نفسیاتی دریافتوں سے زیادہ ہے، پھر خود فرانیٹز نے موت کی جبلت کو دریافت کیا تھا اور اس کے معانی کو بیان کرنے کے لئے کئی کتابیں لکھی تھیں اور اس جبلت کو فرانیٹز نے اتنی ہی اہمیت دی تھی جتنی کہ وہ جبلت حیات کو دیتا تھا۔

پھر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ بچوں اور بڑوں میں موت کے معانی ایک ہی طرح کے

نہیں ہوتے، بچے تو صرف اس چیز کو موت سمجھتے ہیں جو ان کی نظروں سے غائب ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ موت کا شعور صرف انسان ہی کو ہو، باقی جاندار اس کے بارے میں کوئی تصور ہی نہ رکھتے ہوں، لہذا موت ہمارے شعور اور خود شعوری (Self Conclousness) دونوں کا حصہ ہے۔ ہم موت سے خوفزدہ بھی ہیں اور موت کی شدید خواہش بھی ہمارے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو بار بار کہا گیا ہے کہ وہ اپنی موت کو یاد رکھیں۔ موت کا شعور دنیا کی بہت سی خواہشوں اور آکاشوں سے انسان کو بے نیاز کر دیتا ہے اور زندگی کے معلق بالکل بدل کر رکھ دیتا ہے۔ سادہ تر نے کہیں کہا تھا کہ فنکار صحیح معنوں میں فنکار بننا ہی اس وقت ہے جب وہ موت کو بہت قریب سے دیکھ لیتا ہے۔

فنی علوم میں بھی موت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، بلکہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں زندگی اور موت ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ موت کا مطلب محدودیت نہیں رہتا بلکہ ایک اور سطح کی زندگی ہو جاتا ہے، جو شر اور خیر دونوں کی حامل ہو سکتی ہے۔ میں اس سلسلے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ ڈوئنگ کے حوالے سے میں صرف این ڈی ای (Near Death Experience) کو کسی حد تک بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اردو میں اسے "قرب موت واردات" کہا جاسکتا ہے۔ جو لوگ شعور کی اعلیٰ سطحوں میں ہوتے ہیں، ان کے لئے قرب موت کی واردات ایک طرح کی روشنی بن جاتی ہے۔ نور کا ایک ایسا ہالہ ان کے گرد قہر ہو جاتا ہے، جسے بعض اوقات دوسرے بھی محسوس کر سکتے ہیں۔

## (و) قرب موت کی واردات

### : (NEAR DEATH EXPERIENCE)

یہ اصطلاح ۱۹۷۰ء میں ایک امریکن معالج ڈاکٹر رمونڈ موڈی (Ramond Moody) نے اس کے مصنفانہ مظاہر کو بیان کرنے کے لئے وضع کی تھی۔ یہ ایسے لوگوں کی واردات تھی، جو لگتا تھا کہ مر گئے ہیں، مگر بعد میں زندگی کی طرف لوٹ آئے تھے۔ ۱۹۷۵ء تک جب ڈاکٹر موڈی کی کتاب شائع ہوئی تھی بہت کم لوگ ایسے تھے جو قرب



موت کی واردات کے بارے میں بات کرتے تھے۔ اس شہر، آفاق کتاب کا نام "زندگی بعد از زندگی" (Life After Life) ہے پھر 1948ء میں جب ایسے لوگوں کا اعجاز کرنے کی کوشش کی گئی، جو اس واردات میں سے گزرے ہوں اور انہوں نے موت کو انتہائی قریب سے دیکھا ہو تو ان ہفتوں کی تعداد ۸۰ لاکھ تھی اور ان سب کو یہ دعویٰ تھا کہ وہ اس واردات میں سے گزر چکے ہیں۔ یہ لوگ صرف امریکہ کے اندر موجود تھے۔

ڈاکٹر موڈی نے بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ جو این-ڈی-ای حقیق میں باقاعدہ کام کر رہے تھے، خصوصاً کینتھ رینگ (Kenneth Ring) جو ماہر نفسیات تھا اور قریب موت کی بین الاقوامی انجمن کا رکن تھا اور اس کا تعلق کنکٹی کٹ (Connecticut) ریونیوٹی سے تھا یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ لوگ جو قریب موت کے تجربے سے گزرتے ہیں ان میں مشترک نکات کیا ہوتے ہیں، حالانکہ وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ ہر شخص کا اس طرح کا تجربہ اس کا اپنا ذاتی تجربہ ہوتا ہے۔ این-ڈی-ای والے لوگ مندرجہ ذیل منازل میں سے ایک یا ایک سے زیادہ منازل میں سے گزرتے تھے، ترتیب کے لحاظ سے یہ واردات کچھ ان مراحل پر مشتمل ہے۔

یہ محسوس کرنا کہ موت طاری ہو رہی ہے۔ جسم سے باہر نکل آنے کا تجربہ، اس میں وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ جسم سے باہر آگئے ہیں اور اپنے مردہ جسم کو دیکھ رہے ہیں، یہ دیکھتے وقت وہ خود کو ہوا میں تھرتا ہوا محسوس کرتے تھے اور جسم ان کو نیچے چڑا ہوا نظر آتا تھا، وہ محسوس کرتے تھے کہ ان کی تکلیف اور درد بالکل غائب ہو گیا ہے اور وہ ایک سرخوشی کی حالت میں ہیں یا وہ ہر طرف امن اور سکون محسوس کرتے تھے۔

وہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ایک تاریک سرنگ کے اندر سڑ کر رہے ہیں، جس کے آخر میں روشنی ہے، وہ ایسے لوگوں سے ملتے تھے جن کے جسم روشن تھے اور وہ مادی صورت میں نہیں تھے۔ ان میں سے بہت سے رفتار جانے پہچانے عزیز اور دوست تھے۔

ان کا رابطہ کسی اعلیٰ ترین مخلوق سے ہوتا تھا جو ان کی رہنمائی کرتی تھی اور ان کی پوری زندگی ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتی تھی، یہ کرتے ہوئے ان کی ساری زندگی اپنے اصل روپ میں ان کے سامنے آ جاتی تھی، مگر گزرے ہوئے ان واقعات کے بارے میں کوئی حقیقی تبصرہ نہ کیا جاتا تھا اور نہ ہی کوئی فیصلہ سنایا جاتا تھا۔ پھر مردہ دل کے ساتھ زندگی کی

طرف واپس ہو جاتی تھی۔

اگرچہ ان محنت لوگوں نے یہ دعوے کیا ہے کہ وہ ان تجربات میں سے گزرتے ہیں مگر اس سارے معاملے کو سائنسی بنیادوں پر ثابت نہیں کیا جاسکا۔ جو کچھ بھی مولود موجود ہے، اسے قہرے کمائیوں ہی سمجھا جاتا ہے۔

ایک تشکیلی عقیدہ یہ ہے کہ قرب موت کی واردات محض ایک خواب ہے۔ یا کوئی قریب نظر ہے، جو آکسیجن کی کمی کے باعث ظہور میں آتا ہے یا پھر انسانی جسم کے اپنے ہی اینڈورفین (Endorphin) تکلیف کم کرنے والے اس کا سبب ہیں یا پھر اس کی وجہ جسم کے اندر کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) کا زیادہ ہو جانا ہے۔ رونالڈ کے سیگل (Ronald K. Siegel) جو یونیورسٹی آف کیلیفورنیا کے لاس اینجلس سکول آف میڈیسن کے ایک محقق ہیں۔ اپنی معائنہ گاہ کے اندر ایل بیس ڈی (L.S.D) اور دوسری ادویات کی مدد سے یہی اثرات بروئے کار لانے میں کامیاب ہوئے، جنہیں قرب موت کے تجربے سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر این-ڈی۔ای کے محققین اس شہادت کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جو اثرات ادویات سے پیدا ہوتے ہیں، ان کا کوئی تعلق واسطہ قرب موت کی واردات سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ تجربات اس کے معیاری قرار دیئے جاسکتے ہیں اور اس کے لئے وہ جو دلیل دیتے ہیں، وہ خاصی دلچسپ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ رپورٹ ان حقائق کو نظر انداز کرتی ہے کہ وہ مریض جن کو جسم سے باہر نکلنے کا تجربہ ہوتا ہے، وہ ہسپتال کے دوسرے حصوں میں ہونے والے واقعات کو نہ صرف دیکھتے ہیں، بلکہ وہ باتیں بھی سناتے ہیں، جو انہوں نے اس دور میں سنی ہوتی ہیں۔ ایک ایسی دستاویز میں جس میں یہ زیر بحث لایا گیا تھا کہ آکسیجن کی کمی کے باعث این-ڈی۔ای وژن پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ ایک نفسی معالج مائیکل ساہوم (Michael Sabom) یہ کہتا ہے کہ اس کے ایک مریض نے جو اپنے جسم سے باہر نکل آیا تھا اپنے معالج کو ایک خون کا ٹیسٹ کرتے ہوئے دیکھا اور پھر یہ بتایا اس میں ہائی آکسیجن اور لو (Low) کاربن ڈائی آکسائیڈ تھی۔

تقریباً تمام ہی قرب موت کی وارداتوں کو مثبت تجربہ قرار دیا جاتا ہے۔ جن فیصد سے بھی کم ایسی واردات ہوتی ہیں، جن کو حقیقی یا تاخو شگوار کہا جاتا ہے، قرب موت کی یہ واردات، محض مذہبی یا بااعتقاد لوگوں تک محدود نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ ایک

ہار این-ڈی-ای میں سے گزر جاتے ہیں، وہ روحانی ہو جاتے ہیں اور خدا کے وجود میں ان کا یقین پختہ ہو جاتا ہے یا بھرپور ہو جاتا ہے۔ زیادہ تر یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان کے دل سے موت کا خوف جاتا رہا اور انہوں نے موت کے بعد کی زندگی میں یقین رکھنا شروع کر دیا۔ تقریباً سبھی لوگ جو اس واردات میں سے گزرتے ہیں، وہ ایک نئی اور زیادہ با مقصد زندگی کو دریافت کرتے ہیں اور انہیں وہ معافی میسر آ جاتے ہیں جس کی کمی کو وہ محسوس کر رہے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ، 'قرب موت کی واردات' فرد کے اندر زیادہ مضبوط وجدان (Intuition) اور سائی کلک (Psychic) صلاحیتوں کا سبب بنتی ہیں، اس میں پہلے سے حالات کو جان لینا (Precognition) غیب بینی (Calatrvoynance) اور ٹیلی ویتھی وغیرہ کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔

قرب موت کا تجربہ اتنا شاندار تجربہ ہے کہ اس سے گزرنے کے بعد مدتوں تک انسان اس سے گھج معنوں میں مطابقت پیدا کرنے کی ننگ و دو کرتا رہتا ہے۔ ایک خاتون ایم۔ ایچ۔ ایٹ واٹر (M.H. At Water) نے قرب موت کے تجربات پر تحقیق کر کے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام 'زندگی کی طرف لوٹنا ہے' (Coming Back To Life) (۱۹۸۸ء) اس کتاب میں وہ کہتی ہے کہ ان واردات میں سے گزرنے والے عام طور پر واپس آنے کے بارے میں متنی رویہ رکھتے ہیں، جس میں تھوڑا سا غصہ بھی شامل ہوتا ہے، وہ ناراض ہوتے ہیں کہ ان کو پھر سے زندگی میں کیوں الجھا دیا گیا۔ ان کو مرنے پر افسوس نہیں ہوتا یہ دکھ ہوتا ہے کہ وہ جسم میں واپس کیوں آ گئے، وہ چپ ہو جاتے ہیں اور اس واردات کے بارے میں کچھ بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں یا پھر اس بیان سے خوفزدہ ہوتے ہیں اور وہ باجس ہوتے ہیں کہ انہیں پھر سے زندگی کے جھیلوں میں الجھا دیا گیا۔

اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ جو لوگ اس حادثے سے باہر ہوئے، انہوں نے یہ رد عمل پیش کئے کہ وہ اس پر شکوہ تجربے کے سلسلے میں وجد کی حالت میں ہیں اور انہیں اس بات پر حیرت بھی ہے کہ وہ کس عظیم تجربے سے گزرے ہیں، وہ اس کے لئے شکر گزار بھی ہیں، مگر ان کے پاس اس تجربے کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ وہ اس بات کی تبلیغ کی خواہش بھی رکھتے ہیں کہ دوسروں سے یہ کہیں کہ موت کوئی ایسا شے نہیں ہے، جس سے خوفزدہ ہوا جائے، اور وہ اپنے اس عظیم تجربے کے مقابلے میں خود کو بہت ہی کمتر محسوس کرتے ہیں۔

رنگ (Ring) اور اس کے ساتھیوں کی تحقیق کے مطابق بعض لوگوں میں این-ڈی-ای کے تجربات کی طرف راغب ہونے کا قدرتی رجحان پایا جاتا ہے اور ان میں بعض نفسیاتی عناصر دوسرے لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان عناصر میں بچپن کی فطرتی، نظریات اور کرنے کا رجحان اور غیر متعلق تجربات کی فراوانی وغیرہ شامل ہیں، ایسے لوگوں کے لئے یہ ضروری بھی نہیں ہو گا کہ وہ 'قرب موت کے تجربے' میں سے ضرور گزریں لیکن اگر ایسا ہو جائے تو پھر ان کے تجربات دوسروں سے کہیں زیادہ گہرے اور وسیع ہوتے ہیں۔

رنگ اور فلسفی مائیکل گروسو (Michael Grosso) اور کچھ دوسرے یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ این-ڈی-ای ایک خاص طرح کی آگہی ہے یا یہ اعلیٰ تر شعور کی طرف ایک چلہ ہے اور یہ پورے کرے کی نفسیات کو تبدیل کر سکتا ہے، اگر زیادہ لوگ اس شعور کے حامل ہو چکے ہوں۔ اس کے بعد رنگ نے یہ بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ اس آگہی کو حاصل کرنے کے لئے انسان کے لئے موت کے قریب پہنچ جانا ضروری نہیں ہے۔ کم از کم واردات کو ہم سمجھنے کے لئے 'قرب کی موت واردات' ضروری نہیں ہے۔

روحیات (Theology) کی سطح پر اس کا ایک رخ کیبول زالوسکی (Carol Zaleski) نے ایک خطاب میں ظاہر کیا، جو اس نے ۱۹۸۷ء میں ہارورڈ یونیورسٹی میں دیا تھا اور اس کا عنوان تھا Other World Journeys اس خطاب میں اس نے دوسرے جہاں کے بارے میں وٹنز اور کہانیوں کا موازنہ کیا تھا اور یہ سلسلہ قرون وسطیٰ سے لے کر اب تک عیسائی ادب پر محیط تھا پھر اس خاتون نے یہ استدلال کیا تھا کہ قرون وسطیٰ کے دانشوروں کی طرح کہ یہ فرد کے اندر ایک مذہبی کونیات پیدا کرنے کی کوشش تھی، جو اس زمانے سے اب تک پھیلی ہوئی تھی، جو اللہ ہیت کا سائنسی زمانہ ہے۔ اگر اس بات کو فراموش بھی کر دیا جائے کہ اس کی تصدیق بھی ہو سکتی ہے یا نہیں تو زالوسکی کا خیال ہے کہ 'قرب موت کی واردات' ایک مذہبی عقیدہ ہے، جس کے ذریعے اب حقیقی حقیقت کی جستجو جاری ہے پھر زالوسکی یہ بیان بھی تو کرتی ہے کہ ہیرودیا شن (Shaman) موت کے دروازے سے گزر کر جب زندگی کی طرف واپس لوٹتے ہیں، تو وہ زندہ لوگوں کے لئے کوئی نیا سبق لے کر آتے ہیں۔

اس رخ سے اگر اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے تو جو صورت حال سامنے آئی ہے وہ ڈونگ کی نفسیات کے لئے نہایت ہی موزوں صورت حال ہے۔ کیونکہ اس کے حوالے سے

شخصیت بعض اعلیٰ مدارج کو طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے چنانچہ قرب موت کا تجربہ کسی حد تک فردیت کے تجربے کو آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے، جو لوگ اس تجربے سے گزر چکے ہیں وہ یقیناً ایسے لوگ ضرور بن گئے ہیں، جن کی شخصیت زیادہ جامع بھی ہے اور زیادہ مربوط بھی ہے۔ ڈوگک کو موت سے چند برس پہلے جو دل کا عارضہ ہوا تھا وہ وہ خالص شدید تھا وہ قرب موت کے واردات کے قریب ہی کہا جاسکتا ہے اور اس وقت اس کی فرس نے اس کے چہرے کو نور کے ہالے میں دیکھا تھا جو اس امر کی علامت ہے کہ اس کی شخصیت نے بعض منازل اس وقت بھی طے کی تھیں۔

قدیم مصریوں اور جتیوں کا خیال تھا کہ انسان مرنے کے بعد ایک اور زندگی گزارتا ہے انہیں یہ بھی گمان تھا کہ جو کچھ ہم اس کو بتاتے ہیں، وہ سنتا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا مصریوں نے مرنے والوں کی رہنمائی کے لئے کچھ تحریریں لکھی تھیں، یہی کام بہت میں بھی کیا گیا تھا۔ ڈوگک کے لئے ان دونوں میں دلچسپی اس لئے تھی کہ یہ بھی انسانی شخصیت کی نشوونما کا ایک حصہ تھے۔ چنانچہ جب قیمتی مرنے والوں کی کتاب The Book Of Dead کا ترجمہ جرمن زبان میں شائع ہوا تو اس پر ڈوگک نے ایک آغازیہ لکھا تھا۔ اس میں سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔

## (۱) مرنے والوں کی کتاب:

ڈوگک نے آغاز اس طرح کیا :

اس کتاب پر تبصرا کرنے سے پہلے میں اس کے متن کے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گا۔ قیمتی کتاب رفتگان یا Bardo Thodol ایک ایسی کتاب ہے، جس میں مرنے والوں یا مرے ہوؤں کے لئے کچھ ہدایات قبیلہ کی گئی ہیں۔ اسی طرح کی مصری کتاب کی طرح یہ مہدوں کے لئے وہ ہدایات ہیں، جو ان کو بارڈو (Bardo) حالت میں ہونے کے دوران دی جاتی ہیں، یہ گویا ۴۹ دنوں کا ایک وقفہ ہے، جو مرنے اور دوبارہ جنم لینے

کے درمیان پیدا جاتا ہے۔ اس کا متنی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے حصے کو چھائی بارڈو (Chikhi Bardo) کہا جاتا ہے۔ اور اس کا تعلق ان نفسیاتی عوامل سے ہے، جو مرتے وقت وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ دوسرے حصے کا نام مچنید بارڈو، اس خواب کی سی حالت کے بارے میں ہے جو موت کے فوراً بعد وارد ہوتی ہے اور اس کو کرم کا راجہ (Karmic Illusion) کہتے ہیں۔ تیسرا حصہ سد پا بارڈو (Sidpa Bardo) ہے اس کا تعلق پیدا ہونے کی پہلے سے ہے یا یہ پیدا کنش سے پہلے کی حالت ہے۔ اس سارے عمل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بے حد بصیرت اور روشنی ہے، لہذا یہ نہایت حاصل کرنے کا عظیم ترین امکان ہے، اسی لئے یہ سب کچھ مرنے والوں کو مرتے ہوئے دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ راجہ شروع ہو جاتا ہے، جسے عقیدہ تناسخ (Reincarnation) کہتے ہیں۔ چنگنی ہوئی روئیاں ماند پڑ جاتی ہیں اور ان کی جگہ کئی سالے اہم آتے ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ خوفناک ہوتی پھلی جاتی ہے اور جوں جوں دوبارہ جنم لینے کا وقت قریب آتا جاتا ہے، شعور کی سطح گرتی پھلی جاتی ہے۔ اس دوران کو حشر یہ کی جاتی ہے کہ مرنے والے کے شعور کو گرنے نہ دیا جائے اور اس کی نجات پانے کی خواہش کو زندہ رکھا جائے اور اسے تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیلی کی نوعیت سے بھی آگاہ کیا جاتا رہے۔

اس کے بعد ڈونگ اس ترجمے کے لئے بارڈو تھودول (Bardo Thodol) کے مترجمین آنجنائی لازی دارا سمپ (Kazi Dawa Samdup) اور ڈاکٹر ایوز وٹز (Dr. Evans Wentz) کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انہوں نے مغرب کے لئے، مشرق کی اس حکمت کے دروازے کھول دیئے۔ اس کا خیال ہے کہ جو کوئی بھی اس کتاب کو کھلے دل کے ساتھ پڑھے گا اسے اس کا صلہ بہت زیادہ ملے گا۔

بارڈو تھودول جسے اس کے ایڈیٹر ڈاکٹر ڈبلیو، وائی ایوز وٹز نے ”حجت کی مرنے والوں کی کتاب“ کہا تھا ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کی اشاعت نے انگریزی بولنے والے لوگوں میں ایک تسلسلہ مچا دیا تھا۔ یہ ان تحریروں میں سے تھی، جن میں دلچسپی محض ان لوگوں ہی کو تھی جو مسلمانانہ بدھ مت (Mahayana Buddhism) کے انھیں کھاتے تھے، بلکہ یہ کتاب چونکہ انسانی سانچے کے بارے میں گہری معلومات فراہم کرتی تھی، اس لئے عام آدمی کے

لئے جو اپنے علم کو وسعت دینا چاہتا تھا، اس میں دلچسپی کے کئی پہلو تھے۔ ڈوگم کتا ہے کہ جب یہ کتاب میرے مطالعے میں آئی ہے، یہ میری مستقل رفیق بن چکی ہے، اس کی وجہ سے میں نے نہ صرف بہت سے نئے خیالات ہی دریافت کئے ہیں، بلکہ اس سے مجھے بعض بنیادی بصیرتیں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ یہ مصری کتاب رفتار کی طرح نہیں ہے جسے پڑھ کر انسان یہ کہہ لیتا ہے کہ یہ بہت کم ہے یا بہت زیادہ ہے۔ یہ ایک ایسا قلعہ ہے جو دیوہکوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ انسانوں کے لئے ہے۔ یہ بہت سادہ زبان میں علم و حکمت کی باتیں ہیں اور یہ بدست کی نفسیاتی تنقید نہیں ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خدائے اعلیٰ درجے کی انسانی ذکاوت

ہے، اس کتاب کا مکمل یہ ہے کہ اس میں جو باجند الطبیعیاتی موضوعات چھیڑے گئے ہیں، ان کے بارے میں رویہ اسے قبول کر دیا، اسے رد کر دیا، کا نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر مثبت اور منفی دونوں ہی اپنا وجود رکھتے ہیں۔ مگر جب ہم کہتے ہیں مغرب کے فلسفہ دانوں کو یہ بیان احتمالی قاطبی اعتراض نظر آتا ہے: کیونکہ جو رپ یہ چاہتا ہے کہ بات صاف صاف بیان کی جائے اور وہ کسی صورت میں فوجی نہ ہو، کوئی فلسفی تو یہ کہتا ہے کہ خدا موجود ہے اور دوسرا فلسفی یہ بیان دیتا ہے کہ خدا موجود نہیں ہے، مگر اس کتاب میں ایسے بیانات اکثر جگہ موجود ہیں، جو باتوں کے دونوں رخ سامنے لاتے ہیں۔

لہذا یہ طرح محسوس کرنے کے لئے خود تمہاری غور کے اندر ایک خلا ہونا چاہئے اور پھر تم کو یہ معلوم بھی ہونا چاہئے کہ وہ ہے اور تمہیں اس کا شعور بھی ہے، اگر یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو پھر تم خداوند بدھ کی ذہنی حالت میں کسی حد تک قیام پذیر ہو سکتے ہو۔

ایسے بیانات مغرب کے فلسفے اور دینیات دونوں کے لئے ناقابل قبول ہیں۔ مگر اس کے باوجود نفسیات کے طالب علموں کو فریڈز کی نفسیات کے ابتدائی مطالعے ہی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ منطقی تضادات ایک دوسرے کے بہت قریب رہتے ہیں۔ جس شخصیت سے ہم محبت کرتے ہیں اس سے ہم نفرت بھی کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا نفسیاتی اعتبار سے جو رپ کا فلسفہ خاص طور پر انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے ادراک کا مقبول فلسفہ، نفسیاتی رویے کی اس دریافت سے پہلے کا فلسفہ ہے۔

ژونک کو اس بات پر اصرار ہے کہ باہد الطبیعیاتی بیانات، بہر صورت انسانی سائنس کے ہدایت ہیں۔ لہذا وہ نفسیاتی ہیں، مگر کیا کیا جائے، یو رب کا فلسفیانہ رویہ ابھی تک عقلی تحریکات کی سطح سے اوپر نہیں اٹھ سکا۔ اس بدیہی حقیقت کو بالکل سامنے کی بات سمجھا جاتا ہے یا پھر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ باہد الطبیعیاتی سچائی ہی سے انکار ہے۔ جب بھی ہدیہ علم کا متوالا سائنس کا لفظ سنتا ہے تو وہ اسے محض نفسیاتی ہی سمجھتا ہے۔

بارڈ و تھوڈول کا آغاز ہی اس عظیم نفسیاتی صداقت سے ہوتا ہے کہ یہ کفن و لمن کی دسی کتب نہیں ہے، بلکہ رفنگن کے لئے اس میں ہدایت ہیں، یہ ان ۳۹ دنوں کے لئے ہیں جب موت کے بعد دوبارہ جنم ہو جاتا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :

”اے لئے پیدا ہونے والے سن، تو اس وقت خالص حقیقت کی صاف روشنی کو دیکھ رہا ہے۔ اسے اچھی طرح پہچان لئے، اسے شرف میں پیدا ہونے والے، یہ خلا کے اندر ایک دانش کے نمائندہ ہیں، ان کی خصوصیات رنگ، قدرتی علماء تک محدود نہیں ہیں، وہ تو حقیقت ہے، خیر ہی خیر ہے۔

تمہاری اصل جواب خالی غری ہے، مگر ابھی تک عمل طور پر مصداقیت کی حالت میں نہیں آئی، لیکن چرک وہ خود ہی اصل ہے، وہ بنیہ رکوت کے چنگی ہے، فوق و شوق اور انہماک پیدا کرنے والی ہے۔ وہی تو اصل شعور اور وہی تو اصل خیر ہے، بد ہے۔

اس حالت کا شعور دھما کا یا (Dharmakaya) ہے، جو عمل نور بصیرت ہے، اپنی زبان میں ہم اسے شعور کے اندر تمام باہد الطبیعیات کی بنیاد کہہ سکتے ہیں۔ روح کی نہ نظر آنے والی اور نہ محسوس کی جا سکتے والی حقیقت، مگر خلا (Void) کی سی والی کینیت ایک ارفع حالت ہے تمام ادعاؤں اور پیش گوئیوں سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ اس کا بحر پور امتیاز ابھی تک روح کے اندر پوشیدہ ہے۔

کتاب رفنگن اس بات پر بہت زور دیتی ہے کہ مرنے والے پر اس بات کو واضح کر دیا جائے کہ اس کا نفس ایک بنیادی حقیقت ہے، یہ وہ واحد شے ہے، جو زندگی ہم پر واضح نہیں کرتی۔ وہ چیزیں جو روزمرہ کی زندگی میں ہمیں دہات میں رکھتی ہیں اور ہمیں موقع ہی نہیں ملتا کہ ان چیزوں کے درمیان یہ جان سکیں کہ وہ کس کی عطا کردہ ہیں۔ مرنے والا انہی چیزوں سے رہائی



پایا ہوا ہوتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس حالت میں اسے نہایت کی طرف جانے میں مدد کی جائے۔ ہمیں بھی ان ہدایات سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے، اگر ہم یہ جان لیں کہ تمام چیزیں عطا کرنے والا خود ہمارے اندر موجود ہے۔ یہ حقیقت ہی سب حقیقتوں کی اصل ہے۔ سب سے بڑی اشیاء میں بھی اور سب سے چھوٹی چیزوں میں بھی۔ اس کے بارے میں آپکی حاصل نہیں ہوتی۔ حالانکہ اسے جاننا انتہائی ضروری ہے، بلکہ فیصلہ کن ہے۔ یہ علم یقیناً ان لوگوں کے لئے ہے، جو گہرائی تک سوچنے والا دلغ رکھتے ہیں، وہ اپنے ہونے کو جاننا چاہتے ہیں، جن کا مزاج ہی عارفانہ ہے۔ اعلیٰ ہمسیرت والوں نے اسے ”زندگی کا علم“ کہا ہے۔

جو طریق کار تجویز کیا گیا ہے وہ ڈوگ کے خیال میں ایک آغازی عمل (Process Initiation) ہے، جو مغرب میں آج تک زندہ ہے اور عملی طور پر مشق کیا جاتا ہے، یہ وہی طریقہ ہے جو لاشعور کی تحلیل کے لئے استعمال ہوتا ہے اور معالج اسے عملی طور پر بروئے کار لاتے ہیں، یہ شعور کے نیچے کی تہوں میں اترتا ہے، یا سقراط کی زبان میں، یہ وہ نفسیاتی مواد ہے جو ابھی پیدا نہیں ہو پایا۔ یہی وہ طریقہ کار ہے جو فرائیڈ نے بنیادی طور پر استعمال کیا تھا مگر اس کا تعلق جنسی فنتاسیا (Sexual Fantasy) کے ساتھ تھا۔ یہ وہ سطح ہے جو بارڈو کے لحاظ سے پست ترین سطح ہے، اس کو سڈپا بارڈو (Sdipa Bardo) کہتے ہیں، یہ وہ مقام ہے جب مرنے والا چھٹائی اور چھان پید بارڈو سے قطعاً استفادہ نہیں کر سکتا اور اس کا ذہن ایسا تصویر خانہ بن جاتا ہے، جہاں جو ڈس ہر وقت جنسی اختلاط میں مشغول ہوتے ہیں۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ کوئی رحم (Womb) اس کو پکڑ لیتا ہے اور زمین پر ختم دے دیتا ہے۔ اس مقام پر ڈوگ ایک دلچسپ بات کہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جیسے کہ توقع کی جا سکتی ہے، ایڈی ہنس کامپکس بروئے کار آ جاتا ہے۔ اگر کرم یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ انسان کی صورت میں پیدا ہو تو پیدا ہونے کے بعد وہ اپنی ماں سے محبت کرتا ہے اور باپ سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے اور اگر پیدا نش ہنگی کی صورت میں ہو، تو ماں اور باپ کے رشتے کی نوعیت یکسر تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ فرائیڈ کی نفسیات سے رحم سے باہر آنے کے بعد ایڈی ہنس کامپکس کی صورت حال پیدا ہوتی ہے، مگر موجودہ صورت میں یہ صورت حال پہلے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر بچہ ماں کے رحم میں داخل ہوتا ہے۔ تحلیل نفسی کے بعض حلقے یہ بھی کہتے رہے ہیں کہ سب سے بڑا خوف (Trauma Par Excellence) خود پیدا ہونے

کا واقعہ ہے، اور کچھ تخلیقی نفس کے ماہرین نے پیدا ہونے سے پہلے تجربات تک پہنچنے کی بھی کوشش کی ہے، اور یہ وہ مقام ہے جہاں مغرب کی دانش اپنی آخری حد کو چھو لیتی ہے۔ مگر بد قسمتی سے، ڈونگ کہتا ہے کہ وہ بد قسمتی کا لفظ اس لئے استعمال کرتا ہے کہ فرائیڈ کی تخلیقی نفسی کو اس سے بہت آگے جانا چاہئے تھا، اگر وہ اس سے آگے جانے میں کامیاب ہو جاتی تو وہ یقیناً سدپارڈو کی سرحدوں سے نکل کر چاند پارڈو تک چلی جاتی۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ہم جس طرح کے حیاتیاتی خیالات، موجودہ زمانے میں رکھتے ہیں، ایسے کارنامے کی کامیابی کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی تھی، اس کے لئے اور ہی طرح کے لطفیاز اور سائنسی اعتقادات کی ضرورت تھی، جو ہمارے پاس نہیں تھے، لیکن اگر کسی طریقے سے یہ سفر اختیار کر لیا جاتا تو روم کے اندر کی موجودگی صحیح معنوں میں ایک پارڈو زندگی ہو سکتی تھی۔ پھر شاید ہم پیدائش کو ایک خوف سے تعبیر نہ کرتے اور ہمارا مفروضہ یہ نہ ہو تاکہ زندگی ایک مرض ہے، کیونکہ اس سے جو کچھ برآمد ہوتا ہے، وہ ہمیشہ ہی مسلک ہوتا ہے۔

فرائیڈ کی تخلیقی نفسی کبھی جنسی فتناسی سے آگے نہیں گئی اور اس کے بھی رجحانات ایسے ہیں، جو پلاخر انسانی معاشرے میں تشویش کا سبب بنتے ہیں۔ ڈونگ کے خیال میں فرائیڈ کی نفسیات وہ پہلی کوشش ہے، جو مغرب کے انسان نے بنیادی حیوانی کرے کی تحقیق کے سلسلے میں کی ہے اور اس نفسی منطقے کی مطابقت تانترک لامائیت (Tantric Lamalism) کے سدپارڈو کے ساتھ ہے، اور یہ ایسی نفسی حالت ہے جس سے بچے جانے کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ یہ جنسی حیوانی کرے ہے اور اس سے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ دوبارہ جنم لینے کا راستہ ہے۔ نفسیات کی اصطلاحوں میں، اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ خالصتاً حیاتیاتی سطح ہے اور یہ صرف جہتوں کی سطح تک ہی رہ سکتی ہے اور وہ اس سے اوپر نہیں جاسکتی۔ ڈونگ کا خیال ہے کہ اسی ہامٹ فرائیڈ کی نفسیات کبھی لاشعور کی مطلق قدر سے اوپر نہیں اٹھ پائی یا دوسرے لفظوں میں یہ "سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے۔" (Nothing But) اور شاید اسی ہامٹ مغرب نے تمام نفسیاتی حوالہ کو محض ذاتی اور نجی سمجھ لیا ہے، مگر اس کی بھی ایک اہمیت ہے کہ ہم نے اپنے شعور کے عقب میں دیکھا تو ہے، اس ناظر میں پارڈو تھوڈول کو پڑھنا پیچھے کی طرف جانے کی ایک کوشش ہے۔

ڈونگ کے ان خیالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے لاشعوری حوالہ کی کارفرمائی کا ایک

وحدانہ تصور مشرق میں موجود تھا خاص طور پر ہندومت اور بدھ مت میں یہ درختان پلایا جاتا تھا کہ وہ شعور سے نیچے بھی کچھ نہ کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ مشرق میں لاشعور کی اصطلاح تو استعمال نہ ہوتی تھی، مگر یہ ضرور تھا کہ شعور کی مطلوبات کو آخری درجہ نہیں دیا جاتا تھا ایک لائق دیکھے جمل کا تصور ہر وقت ان کی نظروں میں موجود رہتا تھا اور شعور اور لاشعور کے مابین اس طرح کی خاصیت نہیں تھی۔ جیسی خاصیت مغرب میں پائی جاتی تھی۔ فرانیٹز پر اعتراض کے باوجود ڈونگ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ فرانیٹز نے مغرب کے لئے پہلی بار برف کو توڑا تھا اور اس کے نیچے کھیلانی ہوئی زندگی کو دریافت کیا تھا۔ اس دریافت کی گہرائی کہیں تک ہے یا اس کی عمل تلاش ایک فرد کا کام ہی نہیں تھا اس لئے فرانیٹز پر یہ الزام لگانا کہ وہ محض فنی یا ذاتی لاشعور تک محدود رہا۔ ایسا ہی ہے جیسے پیرہ دریافت کرنے والے سے یہ کہا جائے کہ تم نے سوٹر کار کیوں اچھلو نہیں کی۔

”جمل تک کتاب کے دوسرے حصے کا تعلق ہے جو چون یہ حالت سے متعلق ہے اور ایک کیمائی (Karmic) واقعہ ہے، یعنی ایسا واقعہ جو پہلے گزاری ہوئی زندگی سے پیدا ہوتا ہے۔ مشرق نقطہ نظر سے ایک طرح کا نفسی وراثتی نظریہ ہے، جس کی بنیاد تکلیف ہے۔ جس کا مطلب قانہ ہونے والی روح کا چرلے بدلنے رہتا ہے۔ مگر ہم سائنس اور عقلی بنیادوں پر اس مفروضے کو قبول نہیں کر سکتے۔ اس میں بہت ایسے مقلات آتے ہیں جمل ”اگر مگر“ (Ifs and Buts) کو بنیاد بنا لیا جاتا ہے۔ موت کے بعد کیا ہوتا ہے ہم اس کے بارے میں کوئی بھی بات یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ وراثت کے سلسلے میں، جو خصوصیات ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی ہیں، ان میں ایک ایسی خاص جماعت بھی ہے۔ جو غلطیوں اور نسل تک محدود نہیں ہے، یہ ذہن کے آفاقی رجحانات ہیں اور ان کو افلاطون کے خیالات (Eldola) یا اشکال کا مماثل سمجھنا چاہئے، اس کی مماثلت ان منطقی ذمروں سے بھی ہے، جو تمام بنیادی مفروضات کے اندر پائے جاتے ہیں۔ صرف اشکال (Forms) کے سلسلے میں ہمارا واسطہ محض کے ذمروں کی بجائے عقیدے کے ذمروں سے پڑتا ہے۔ جن کو بیٹل آسٹائن (St. Augustine) کی طرح ڈونگ بھی آر کے ٹائپ کا نام دیتا ہے۔

یہ آر کے ٹائپ تقابلی مذہب، اساطیر، یا پھر خواب اور سائی کوکس (Psychosis) میں بھرپور طریقے سے پائے جاتے ہیں۔ آر کے ٹائپ انسان کی اس ذہنی حالت کی نمائندگی کرتے ہیں،

جب وہ عقل کے متعین راستوں پر گامزن نہیں ہوا تھا ہارڈ تصوؤل میں ہار ہار اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ مردہ لوگ خود کو مردہ خیال نہیں کرتے اور اور یہی بات یو رپ کے نیم ہلت اوپ اور امریکی روحانیت کے اندر بھی موجود ہے۔ زمانہ قدیم سے یہ تصور موجود ہے کہ مرد جانے کے بعد بھی انسان کا زہنی وجود کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتا ہے اور مرنے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ جسم کے بغیر ایک روح ہے۔ یہی خیال ہر اس انسان کے ذہن میں ابھرتا ہے جو کبھی بموت کو دیکھ پاتا ہے۔ جسم کے تلف اعضاء کی طرح آرکی ٹائپ بھی محض فیر فصل مادہ نہیں ہیں، بلکہ وہ حرکی (Dynamic) ہیں۔ ان کے بست سے پیچیدہ اعمال ہیں، جو انسانی نفسی زندگی کو فیر معمولی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ڈونگ یہ کہتا ہے کہ انسانی اعمال پر لاشعور کی طہاری اور اسی کے مجموعے کو وہ انتہائی لاشعور کا نام دیتا ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں سدپا کی نفسیات یہ ہے کہ وہ زندہ رہنا چاہتا ہے اور ہار ہار پیدا ہونا چاہتا ہے۔ سدپا ہارڈ کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہار ہار جنم لینے کا ہارڈ ہے۔ ہارڈ تصوؤل کی تعلیمات کے مطابق، ہارڈ کی ہر حالت میں یہ ممکن ہے کہ وہ دھرا کیا حالت تک پہنچے اور چار چوں والے میرو (Meru) پہاڑ سے بلند تر ہو جائے، مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ مدھم روشنی کے پیچھے جانا چھوڑ دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ عقل کے امکانات کو تسلیم نہ کرے، یعنی وہ اپنے ہی انا کے راستے کی دیوار ہو جائے اور ہارڈ تصوؤل کی اصطلاح میں، وہ خود کو پوری طرح کھاتی داہے کے حوالے کر دے۔ یہ مکمل طور پر ایسی شبیہوں کی پیداوار ہے، جو کسی طرح کی ناآسودگی سے متعلق نہیں ہیں۔ یہ تو غامضاً خوب یا فکریات کی حالت ہے، جو کوئی بھی ہمارا بھلا چاہتا ہے، وہ فوری طور پر ہمیں اس سے خبردار کرے گا۔ کیونکہ ظاہر بھی اس حالت اور دیوانگی کی تشکل دنیا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چون یہ ہارڈ کا سوا ان آرکی ٹائپ کو ظاہر کرتا ہے جو کھاتی تشکل ہیں اور پہلی بار وہ انتہائی خوفناک شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چون یہ ہارڈ حالت ایک ایسا پاگل پن ہے جو خود ہی طاری کیا جاتا ہے۔

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ کنڈل یوگا (Kundalini Yoga) بست پد نام بھی ہے اور خطرناک بھی ہے۔ کیونکہ اس میں جان بوجھ کر خود پر پاگل پن طاری کیا جاتا ہے۔ جو بعض کمزور انسانوں میں مستقل پاگل پن کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ اپنے نفس کے خلاف ایک انتہائی خوفناک بدوحد ہے۔ ایسی ہی صعوبتیں چون یہ حالت میں بھی جمیل پڑتی ہیں۔ خود متن کے

انکو یہ موجود ہے۔

ابھر موت کا دوا تہمارے گلے میں دی ڈالے گا اور تمہیں کہنے کا وہ تمہارا سر کاٹ دے گا تمہارا دل باہر نکل لائے گا احتیاج نکل دے گا۔ تمہارے دماغ کو کھالے گا اور خون کو پٹی لے گا گوشت کھالے گا ہڈیاں چالے گا لیکن کسی بھی طرح تم کو مرنے نہیں دے گا اگر پورا جسم ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو جائے گا تو پھر اس اصل حالت میں آنا پڑے گا اور پھر یہی کچھ بار بار کیا جائے گا جو انتہائی تکلیف دہ اور لذت ناک ہو گا۔

یہ ایک طرح خرداء کیا جا رہا ہے کہ اگر شعور کی جگہ لاشعور کی طماری ہوگی تو پھر کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ یہ حالت ایک طرح کا پاگل پن (Schizophrenia) ہے، شخصیت کا منقسم ہو جانا ہے چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے صدیوں حالت سے چون یہ حالت میں جانا متعادل اور ادراکوں کا لاشعور کی طرف لوٹنا ہے، جو خطرناک ہے۔ یہ ایٹو کے استقلال کی قربانی ہے، یہ ایک ایسی بے یقینی ہے جس میں ایٹو اپنے آپ کو مکمل طور پر خوفناک شیسوں کے رحم کرم پر ڈال دیتا ہے، جب فرایڈ نے یہ کہا کہ ایٹو تشویش کی گنج جگہ ہے تو وہ اس وقت اپنے وجدان کو درست طور پر بیان کر رہا تھا۔ ہر ایٹو کے بڑی طرح یہ خوف جاگزیں ہوتا ہے کہ اسے قربان کر دیا جائے گا اور لاشعور کی قوتیں یہ چاہتیں ہیں کہ وہ طوفان کی طرح بھی کچھ ہمالے جائیں جو کوئی بھی فروخت کا طلبکار ہے اسے اس راستے سے گزرتا ہوتا ہے کیونکہ جس شے کا خوف مسلط ہوتا ہے۔ اسی سے (Self) کو یکسانی حاصل ہوتی ہے اور یہی فروخت (Individuation) کا عمل ہے۔ یہی وہ مواد ہے جس سے سلف ابھرتا ہے مگر ایسا کرنے میں اسے بے پناہ کوشش کرنی پڑی تھی، پھر اس نے واقعی سطح پر ہی سہی مگر آزاد ہونا چاہا تھا نجات حاصل کرنے کا یہ عمل لازمی بھی ہے اور انتہائی جرأت مندانہ بھی ہے مگر اس کے بعد ایک اور مرحلہ بھی رہ جاتا ہے اور وہ ہے کسی بیرونی معروض کے ساتھ مقابلہ، کیونکہ ایٹو وجود میں آنے کے بعد بھی ایک واقعی عمل ہی رہتا ہے اور اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی بیرونی طاقت سے نیرو آنا ہو اور یہ بیرونی طاقت دنیا ہے۔ جو ایک تسلسل کے ساتھ ہر وجود کی صورت اختیار کرتی ہے، مگر بھی کچھ علامتوں کی صورت میں دیکھا جاتا ہے اور یہ

علامتیں اسی شے کی نمائندہ ہوتی ہیں، جو موضوع (Subject) کے اندر موجود ہوتا ہے۔  
 ڈونگ کا خیال ہے لاناؤں کے نظریات کے مطابق یہ ایک شاندار وجدان ہے اور اسی پردے  
 میں چون یہ حالت اپنے اصل معانی کو چھپاتی ہے۔ لہذا اس وجہ سے چون یہ بارڈو کو حقیقت کا  
 تجربہ کرنے والا بارڈو (The Bardo Of Experiencing Of Reality) کہا جاتا  
 ہے۔

جس حقیقت کا تجربہ ہمیں چون یہ کے حوالے سے ہوتا ہے وہ حقیقت فکر ہے۔ فکری  
 شبیہ (Thought Forms) یوں لگتا ہے، جیسے حقیقتیں ہیں۔ فکریات ان کی اصل صورت ہے  
 اور وہ ڈراوے خواب جو کرم ابھارتا ہے اور لاشعور ان کو غالب کر دیتا ہے، آغاز ہو جاتے ہیں۔  
 سب سے پہلے ظاہر ہونے والا موت کا دیوتا ہے اور وہ تمام خوفوں کا مطلق (Epitome) ہے۔  
 اس کے بعد ۲۸ قوی گرفتیں (Power Holding) آتی ہیں پھر منحوس دیویاں  
 (Sinister Goddess) اور ان کے بعد ۵۸ ایسی دیویاں ہیں جو خون پیتی ہیں۔ پھر دیوے اور  
 دیوتاؤں کے ایسے گروہ آتے ہیں، جن کی ایک خاص ترتیب ہے اور وہ چاروں سمتوں میں پھیلے  
 ہوئے ہیں اور ان میں امتیاز چار مخصوص رنگوں کی مدد سے ہوتا ہے۔ وہ یا تو منزل کی شکل میں  
 ہیں یا پھر دائرے کی صورت میں۔ ان چار رنگوں کے ساتھ دانائی کے چار پہلو منسلک ہے۔

۱۔ سفید: یہ ایک روشن راستہ ہے، جو آئینہ دانائی کے طرح ہے۔

۲۔ زرد: یہ ایک روشن راستہ ہے جو مساوات کی دانائی ہے۔

۳۔ سرخ: یہ ایک روشن راستہ ہے۔ یہ امتیاز کرنے والی دانائی ہے۔

۴۔ بنز: یہ ایک روشن راستہ ہے جو عمل پیرا دانائی ہے۔

ہمیرت کی ایک اعلیٰ سطح پر مزاحمت آوری یہ جانتا ہے کہ حقیقی فکری، صورت اس کی ذات  
 سے پھرتی ہے اور یہ چاروں رنگوں والی دانائی کے روشن راستے اس کے اپنے نفسی خواص  
 ہیں۔ اس مقام پر ہم لائی منزل کی تفصیلات تک بلا واسطہ پہنچ جاتے ہیں، یہ وہی دانائی ابد  
 حکمت ہے جس کا ذکر آنجہانی رچرڈ ولیم کی تعارف کردہ کتاب ۲ سراہ گلی زمیں، میں موجود  
 ہے۔

اگر ہم اس راستے پر اوپر چڑھتے ہوئے پیچھے کی طرف لوٹیں، تو چون یہ بارڈو کے چار  
 بڑے ڈان ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ہرے رنگ کا اموگا سدھی (Amogha Siddhi)

سرخ اجلیکھ (Amitabha) زرد و رتھا سمبھوا (Ratna Sambhava) اور سلید و جراثوا (Vajra Sattva) بلندی کی طرف جانے کا یہ سفر نیلے رنگ کی روشنی پر ختم ہوتا ہے یہ دھما دھما (Dharmadhatu) ہے جو بدھ کا جسم ہے۔ جو منزل کے عین درمیان ہنکتا ہے (Valrochana)

جب یہ آخری رجعت (Vision) ہو کر مائی واپس ہے، ختم ہوتی ہے۔ شعور تمام سمیتوں سے الگ ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی تعلق کسی شے سے باقی نہیں رہتا وہ لازماً (Timeless) کی طرف واپس آ جاتا ہے یہ دھما کلا (Dharmakaya) حالت ہے۔ چنانچہ یہ ایک رجعت ہے چھینکی (Chikhal) حالت کی طرف جو موت کے وقت ظاہر ہوتی تھی۔

ژونگ کا خیال ہے کہ اس بیان کے بعد قاری پر بارڈو تھوڈول کی نفسیات کسی حد تک واضح ہو گئی ہو گی۔ یہ کتب پیچھے کی طرف پیش قدمی کا ذکر کرتی ہے جو عیسائیت کے قیامت نامے (Eschatology) منطقی سے بالکل مختلف ہے۔ جو روح کو جسدی مخلوق کے پائل میں اتارتی ہے۔ پوری طرح خود مندانہ اور عقلیت پسند یورپی دنیا داری ہمیں مجبور کرتی ہے کہ بارڈو تھوڈول کی ترتیب کو الٹا کر دیں اور اسے ہم مشرقی کی ہدایتی (Initiative) واردات قرار دیں مگر اس کے باوجود ہر کسی پر یہ دروازہ کھلا ہے کہ وہ چونکہ بارڈو کی بجائے عیسائی تعلیمات استعمال کرے۔ بہر صورت واقعات، ترتیب جیسی کہ ژونگ نے بیان کی ہے۔

یورپین لاشعور کی مظاہریت (Phenomenology) کا متوازی پیش کرتی ہے۔ خصوصاً اس وقت جب وہ ہدایتی عمل میں سے گزر رہا ہو یا دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب تحلیل (Analysis) کی حالت ہے۔ تحلیل نفسی کے دوران لاشعور کی جو کایا کاپ ہوتی ہے، وہ لمبے ہدایتی قاریب سے مماثل ہے، جو اصولی طور پر اس قدر قوی عمل سے مختلف ہے، جس میں وہ قدرتی نشوونما کے وقوع ہونے کی توقع کرتے ہیں اور تعلیمات کے اضطراری طور پر پیدا ہونے کو روکتے ہیں اور جان بوجھ کر ان تعلیمات کو منتخب کرتے ہیں جن کو روایت نے مضمین کیا ہے۔ یہ عمل بدھ اور تنزرا کے یوگا مراقبوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ادب کی ترتیب کو بدل دینا جیسا کہ ژونگ نے ذکر کیا ہے، اگرچہ تقسیم میں مدد تو دیتا ہے، مگر بارڈو تھوڈول کا اصل مقصد یہ نہیں ہے، اور جو نفسیاتی مقصد ہم اس سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک ثانوی حصول ہے۔ اگرچہ یہ وہ طریقہ جو عام طور پر لانا ہم کو دیتے ہیں۔

کیونکہ ان کے ہاں رسم بھی ہے۔ اس کتاب کا مقصد مرنے والوں کو ان کے سفر کے بارے میں آگاہی پہنچانا ہے، جو مغرب کے موجود زمانے کے دانشوروں کے لئے کوئی قابلِ تحسین عمل نہیں ہے۔ سفید انسانوں کے لئے کیٹھولک گر جاوہ واحد جگہ ہے، جہاں رنگوں کی روح کے لئے کچھ کیا جاسکتا ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقے کے مطابق جس میں دنیاوی معاملات کو بہت رجحانیت (Optimism) عطا کر دی گئی ہے، چند وسطی (Mediulmistic) نباتی مراکز موجود ہیں جن کا مقصد مرنے والوں کو محض یہ بارود کرنا ہے کہ وہ مر چکے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ یورپ میں کوئی ایسی شے موجود نہیں ہے، جس کا موازنہ بارود قہوڑیل سے کیا جاسکے، اگر کوئی ایسی شے ہے بھی، تو اس تک عام آدمی کی رسائی نہیں اور نہ عام سائنس دان ہی وہاں تک پہنچ پاتا ہے۔ روایتی طور پر مشرق میں بھی بارود قہوڑیل ایک عقلی کتاب ہے، اور یہ بات ڈاکٹر ایونز، وکنز نے اپنے تصانیف کلمات میں واضح کی ہے۔ یہ ایک خصوصی باب ہے، جس میں روح کو شقیاب کیا جاتا ہے اور یہ شقیابی موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ اس مسلک کے ماننے والے روح کے اختیاری ماضی ہونے کے عقیدے پر عقلی ایمان رکھتے ہیں، مگر اس کی غیر عقلی بنیاد یہ ہے کہ جینے والے لوگ مرنے والوں کے لئے کچھ کر سکیں، اور یہ ایک ایسی ضرورت ہے۔ جو اختیاری باشعور اور آگاہ لوگ بھی محسوس کرتے ہیں کہ انہیں کچھ کر سکنے کے قابل ہونا چاہئے، اس لئے ان کے لئے کچھ نہ کچھ تقریبات تو بہر صورت منفقہ کی جاتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ لینن (Lenin) نے اپنے بیروکاروں سے کہا تھا کہ اس کی لاش کو مصر کے قلعوں کی طرح محفوظ کیا جائے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے بیروکاروں نے اس کے جسم کو اس لئے محفوظ کیا تھا کہ وہ قیامت کے روز پھر سے اٹھایا جائے گا۔ خواہ کیٹھولک گر جا کاروں میں روح کے بارے میں کچھ بھی کہا جاتا ہو، جو کچھ مرنے والوں کے لئے کیا جاتا ہے، وہ اختیاری چلی سلا کا ہے، اس لئے نہیں کہ مغرب والے روح کی جاودانی کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اس لئے کہ ہم نے موجود رہنے کی نفسیاتی خواہش کو بہت زیادہ عقلیت کے تقاضوں کے تحت کر لیا ہے۔ ہم یوں دعویٰ گزارتے ہیں گویا ہمیں اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ چونکہ ہم موت کے بعد زندگی کے قائل نہیں ہیں، لہذا اس کے لئے کچھ کرنا ہی نہیں چاہتے۔ سادہ دل لوگ اپنے احساسات کے پیچھے چلتے ہیں اور اگلی کی طرح اپنے لئے خوبصورت منظرے بنواتے ہیں، مگر مرنے والے کے لئے کیٹھولک لوگ گرجوں میں جو دعا کرتے ہیں، وہ اس سے



ذرا بلند چیز ہے کیونکہ وہ مرنے والے کی روح کو سکون پہنچانا چاہتے ہیں اور یہ محض ان ہدایت کا اظہار نہیں ہے، جو وہ مرنے والے کے لئے رکھتے ہیں۔ اس کی صورت وہی ہے جو ہارڈ تھوڈول میں دی گئی ہے۔ مرنے والوں کو جو ہدایات دی جاتی ہیں وہ اس قدر تفصیلی ہیں کہ ہر ہارڈ تھوڈول پڑھنے والا یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بوڑھے لٹاؤں نے چہ تھی بہت (Dimension) دریافت کر لی تھی اور انہوں نے زندگی کے سب سے بڑے راز پر سے پردہ اٹھا دیا تھا۔

اگرچہ بالآخر حقیقت کچھ بھی نہ نکلے، مگر انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ ہارڈ تھوڈول کی سچائی پر تھوڑا بہت ایمان ضرور لے آئے۔ کم از کم اتنا ضروری ہے کہ وہ غیر معمولی طور پر اور بیکل (Original) ہے۔ اگر کچھ بھی نہ ہو تو اتنا ضرور ہے کہ مرنے کے بعد کی حالت، جس کے بارے میں مذہب نے بہت ابھی ہوئی باتیں کی ہیں ان کو واضح اور چمکتے ہوئے رنگوں میں بیان کیا گیا ہے: خواہ یہ حالت آہستہ آہستہ طوفانک حد تک زوال پذیر صورت حال ہی کی طرف جاتی ہوئی کیوں دکھائی نہ دیتی ہو۔ ہارڈ تھوڈول کی سب سے زیادہ واضح رویت کتاب کے آخر میں نہیں ہے، بلکہ آغاز ہی میں ہے یعنی جب موت واقع ہوتی اور جوں جوں آگے بڑھتے ہیں یہ واضح ہوتی جاتی ہے اور غیر واضح ہوتی جاتی ہے اور پھر آخر دوبارہ جنم لینی کی پست حالت تک پہنچ جاتی ہے۔ روحانی کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے، جب زندگی ختم ہوتی ہے۔ انسانی زندگی وہ اعلیٰ ترین مقام ہے، جس کا حصول ممکن ہے۔ صرف اسی سے کہا (Karma) پھوٹا ہے اور اسی سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ مرنے والا غلیظ پن (Voldness) کا مستقل روشتی میں، جس میں کسی بھی شے سے تعلق موجود نہیں ہے، رہ سکتا ہے اور یوں وہ دوبارہ جنم کے چکر پر بغیر کسی واسطے اور زوال کے قائم رہ سکتا ہے۔ ہارڈ کی زندگی نہ جلدوائی جزا ہے نہ سزا ہے، یہ تو محض دوسری زندگی میں اتر جاتا ہے، جو فرد کو اس کی حیل کے قریب لے آتا ہے اور یہ ایک مصلوباتی (Eschatological) مقصد ہے، جو زندگی سے حاصل ہوتا ہے، یہ خیال بہت شاندار نہ سہی کم از کم مردانہ اور بلورانہ ضرور ہے۔

ہارڈ کا زوال پذیر کردار مغرب کے روحانی ادب سے صاف جھلکتا ہے، جو بار بار روحانی زندگی کا ایک تیار تصور پیش کرتا ہے۔ سائنسی دماغ یہ سمجھتا ہے کہ یہ میڈیم (Medium) کے لاشعور سے ابھرنے والی رپورٹ ہے، اور جو لوگ اس روحانی مجلس

حاضرات (Seance) میں شریک ہوتے ہیں اور جو لوگ ان باتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں، جو تبت کے مرنے والوں کی کتاب میں لکھی ہوتی ہیں، وہ بھی اس ذاتی حالت میں ہیں۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ ساری کتاب لاشعور سے ابھرے ہوئے آرکی ٹائپ کی مدد سے لکھی گئی ہے اور یہ کہنے میں مغربی عقل حق بجانب ہے کہ اس کے پیچھے کوئی طبیعیاتی یا باہمی طبیعیاتی حقیقت موجود نہیں ہے۔ یہ تو محض نفسی حقائق ہیں، یہ نفسی داروں کا مواد ہے۔ خواہ کسی شے کو موضوعی سمجھا جائے یا موضوعی، مگر اس امر سے انکار ممکن نہیں ہے کہ وہ موجود ہے۔ بارڈو بھی اس سے زیادہ دعویٰ نہیں کرتی، وہ پانچ دھیمائی بدھوں (Dhyani-Buddas) کو نفسی حقیقت ہی سمجھتی ہے اور یہی بات مرنے والوں کو بلور کر دئی جاتی ہے۔ اگر یہ بات اس پر زندگی میں پہلے ہی سے واضح نہ ہو چکی ہو، اس کا نفسی سلف اور تمام مواد فراہم کرنے والا ایک ہی ہے۔ خداؤں اور روجوں کی دنیا اس کے اجتماعی لاشعور کے علاوہ کچھ نہیں ہے، مگر اسے البتہ دیا جائے تو بات کچھ یوں ہو جائے گی کہ اجتماعی قریشے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ایک انسانی زندگی کی ضرورت البتہ ہوتی ہے، مگر تکمیل حاصل کرنے کے لئے شاید بہت سی زندگیاں درکار ہوتی ہیں۔ یہ دریافت ان لوگوں کے لئے نہیں ہے، جو پہلے ہی سے کمال ہیں۔ وہ لوگ بالکل ہی اور طرح کی دریافتیں کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ شروع میں بتایا گیا تھا بارڈو تھوڈل ایک بند کتاب ہے۔ سو وہ بند کتاب تو ہے، خواہ اس کی کتنی بھی تفسیریں کیوں نہ لکھی جائیں۔ یہ اپنے معانی صرف ان پر کھولتی ہے، جو روحانی معاملات کا فہم رکھتے ہیں، مگر کوئی بھی شخص یہ صلاحیت لے کر پیدا نہیں ہوتا، مگر خصوصی تربیت اور خصوصی تجربے سے یہ صلاحیت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر جدید تہذیب میں رکھے ہوئے لوگوں کے لئے اس کے کوئی معانی نہیں ہیں، نہ مقصد ہے، نہ فائدہ۔

میں نے مندرجہ بالا طور میں ڈونگ کی زبان میں تبت کے مرنے والوں کی کتاب کے مباحثے کی ایک تلخیص پیش کی۔ ڈونگ کا خیال ہے کہ انسانی لاشعور کے آرکی ٹائپ اور علامتوں کا ایک اعتبار ہے۔ چنانچہ علوم عقلی کا ایک اہم پہلو ڈونگ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ انسان پر اس کے لاشعور کو واضح کرے۔ اس کے اندر بھی وہی نظام کار فرما ہے، جو نفسیات نے اجتماعی لاشعور کے نظریے کے اندر دریافت کیا ہے۔ مگر جدید تہذیب ان عوامل سے ایک بیگانگی کا رویہ رکھتی ہے۔

جن قدیم کتابوں نے انسانیت کو بے حد متاثر کیا ہے، ان میں سے ایک کتاب آئی چنگ (I Ching) بھی ہے۔ اس کتاب کا تعلق چین سے ہے۔ اس کتاب کو ”تبدیلی کی کتاب“ (Book Of Change) بھی کہتے ہیں یہ انسان کے بدلتے ہوئے رویوں، قسمتوں اور روحانی عوامل کا خاکہ کرتی ہے۔ ٹوئک خصوصاً اپنی آخری عمر میں اس کتاب کی طرف بہت رجوع کرتا رہا تھا اور اس کی شخصیت پر اس کتاب کے اثرات بھی مرتب ہوئے تھے۔

(و) آئی چنگ (I CHING):

چینیوں کی قدیم حکمت کا ایک نظام، اکثر قسمت کا احوال جاننے کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اسے نہیں آواز (Oracular Divination) بھی سمجھا جاتا ہے۔ تبدیلیوں کی یہ کتاب (Book Of Change) ۶۴ مسدسوں (Hexagrams) پر مشتمل ہے یعنی چھ سطروں پر مشتمل یہ مسدسیں مکمل اور ٹوٹی ہوئی لکیروں سے مل کر بنتی ہیں۔ ایک مسدس کو پھانسنے کے لئے تین سکوں کو تین بار پھینکا جاتا ہے۔ یا پھر پچاس حزنیل (Yarrow) تیلیں جھٹکی جاتی ہیں اور پھر پچھتے والا ان کو متعین کرتا ہے۔ سادہ ترین طریقہ جو آج کل بعض مقامات پر مروج ہے، یہ ہے کہ ایک ہی سکے کو چھ بار پھینکا جائے، اگر تصویر (Head) آجائے تو پوری لائن لگا دی جائے اور زنجیر (Tail) آجائے تو ٹوٹی ہوئی لائن لگا دی جائے۔ اگر آپ نے چھ بار سکے پھینکا اور پہلی تین بار تصویر آئی اور پھر تین بار زنجیر تو اس کی صورت کچھ یوں ہوں جائے گی۔



سکہ پھینکنے سے جو مختلف مسدسین بن سکتی ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ ۶۴ ہیں۔ لہذا اس کتاب کی نو سے انسانوں کی ۶۴ اقسام ہی ممکن ہیں۔ چنانچہ اسی حوالے سے انسانوں کا تعین

لگایا جاسکتا ہے۔

آئی چنگ کے سارے فلسفے کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ یہ کائنات ایک مربوط اکلی ہے اور وہ دائرے کی صورت میں ہے، جس کے اندر مستقبل بعض حصین قوانین اور اہد کی حد سے نشوونما پاتا ہے۔ یہاں نہ کوئی الملیق (Coincident) ہے نہ اتفاق (Chance)۔ صرف ایک ملیت (Causality) موجود ہے۔ آئی چنگ اس وقت یہ بتا سکتی ہے کہ ممکنات میں کیا ہے۔ جب بلخ اعلیٰ (Superior) آدمی میں یین اور یانگ (Yin And Yang) توازن کے برابری طرح ہم آہنگ ہوں اس کی طاقات اعلیٰ اخلاقی اور معاشرتی طاموں کے ساتھ سیاسی ضابطوں کی بھی متقاضی ہیں۔

آئی چنگ کے جوابات حصین نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ سوال کرنے والے کو مجبور کرتے ہیں کہ جواب کے لئے اپنے باطن کو ٹٹولے، یہ گویا وقت کے اندر ایک لمحے پر گرفت کرتا ہے۔ اگر مختلف بدل (Alternatives) پر غور کیا جائے، تو امکانی نتیجہ نکلا جاسکتا ہے۔ ایک استاد کے طور پر شاگرد کو یہ بتاتی ہے کہ ایک اعلیٰ آدمی اس صورت حال میں کس طرح کا کردار ادا کرے گا۔ ٹراٹ لے (Tarot) کی طرح آئی چنگ کو بھی وجدانی خیالات کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کا تعلق کائنات میں پھیلی ہوئی توازن کی روانی اور تسد داری سے ہے۔

کارل گستڈ ڈیجنگ کو آئی چنگ اس لئے پسند تھی کہ اس کی حد سے اس کے اصول ہم وقتیت (Synchrocity) کی تشریح ہوتی تھی۔ اس اصول کو دو سروں نظموں میں باعنی الملیق بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب سکوں یا سلائڈوں کا حالات و واقعات کے ساتھ باعنی ملازمہ تھا۔

آئی چنگ کی بنیاد چینی تاریخ میں ہزاروں برس پہلے رکھی گئی تھی۔ یہ اس ارتقائی انسانی خیال کی پیداوار تھی، جو انسان اور کائناتی اصول میں تعلق پیدا کرتا تھا۔ یہ سدس دو حکمونوں سے مل کر بنتی ہے۔ جو ایک روایت کے مطابق بادشاہ فوئی (Fu-Hsi) نے ۲۸۵۲ قبل مسیح کے قریب دریافت کی تھی۔ تھوس سطرین یانگ کی نمائندہ ہیں جو مردانہ فعلی / عقلی طاقات ہے اور ٹوئی ہوئی سطرین یانگ (Yin) کی نمائندہ ہے، جو نسائی / انفعالی / قبول کرنے والی طاقات ہے، بنیادی طور پر فوئی نے آئندہ اشکال بنائی تھیں جو کائنات کے آئندہ تشکیل عناصر کی

نما کندہ تھیں۔ آسمان، زمین، رعد (Thunder) پانی، پہاڑ، گھڑی، آگ، دھل (Marsh) اور جھیل۔

یہ ٹکڑے (Trigrams) دہائی کر کے ۶۴ مسدس بنادی گئیں اور یہ کام بادشاہ وین (Wen) نے ۱۱۳۳ ق م میں کیا۔ وین دی بادشاہ ہے، جس نے چو (Chou) خاندان کی بنیاد رکھی۔ یہ کام ترتیب دیا جا چکا تو پھر اس نے ان مسدسوں کو نام بھی دیا اور ان کے خواص کی تکفیں بھی لکھی اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں رہنمائی بھی بتائی۔ پھر اس تمام سلسلے پر بادشاہ کے جانشین بیٹے جو چو کا نواب نکلتا تھا ان کی رمزیت اور معانی تفسیر کا آغاز کنندہ تھا۔

آئی چنگ نے لوتزو (Lao-Tzu) (۶۰۴ سے ۵۳۱ ق م) کو بھی بہت متاثر کیا اور اس نے ٹائو تا چنگ (Tao Teh Ching) کو ٹائو ازم (Taoism) کا مرکزی متن بنا دیا۔ کنفیوشس (۵۵۱-۴۷۹ ق م) اپنی زندگی کے آخری برسوں میں اس کتاب سے متاثر ہو کر اور اس کی دس شرحیں (Commentaries) لکھیں، ان کو اب دس بازوؤں (Tenwings) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کو ضمیر (Appedices) کے طور پر شامل کیا جاتا ہے۔ کنفیوشس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس نے کہا تھا "اگر میری زندگی میں کچھ برسوں کا اضافہ ہو جائے، تو میں ان میں سے بچاس آئی چنگ کے لئے وقف کروں گا اور پھر ممکن ہے کہ میں زندگی کی بہت بڑی غلطیوں سے دامن بچا سکوں۔"

کنفیوشس کی موت کے کئی صدیاں بعد تک محققوں اور عالموں نے آئی چنگ پر تفسیریں لکھیں اور بار بار اس کی ترجمہ کی، ۲۱۳ ق م میں بادشاہ چین (Chin) نے بہت سی کتابوں کو جلانے کا حکم دیا ان میں کنفیوشس کی لکھی ہوئی آئی چنگ شرح بھی شامل تھی، مگر اس کے باوجود چند نسخے بچ گئے ۱۳۶ ق م میں شہی مقتدرہ نے آئی چنگ کے خصوصی مطالعات کرواتے ۱۵۷ء عیسوی میں شائع ہوا جس میں ۲۱۸ عالموں کی شرحیں شامل تھیں اور یہ سلسلہ ۲۰۰ ق م تک جاتا تھا۔

یہ کتاب انیسویں صدی تک مغرب میں نہ پہنچی تھی، پھر اس کا ترجمہ جیمز لیج (James Legge) اور رچرڈ ویلم (Richard Wilhelm) نے پہلے جرمن اور بعد میں انگریزی میں کیا اس ترجمے کے ساتھ ڈونگ کا نیاچہ بھی شامل ہے۔ اس میں ڈونگ نے کہا تھا کہ آئی چنگ کے پہلے سے انتہائی مشہور پر دھک دی جاسکتی ہے اور علامات پر مبالغے سے

اس کے معانی سمجھ جاسکتے ہیں۔

ژونگ کا لکھا ہوا یہ دیباچہ اس کے اجتماعی کام [Collective Works] کی جلد نمبر ۱۱ میں پڑا نمبر ۶۶۳ سے ۱۰۱۸ تک ہے۔ جن قارئین کو اس میں دلچسپی ہو، وہ اس کا مطالعہ اپنے طور پر کر سکتے ہیں، میں زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کیونکہ یہ مضمون بہت بڑا مضمون ہے اور صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی تشریح بہت ہی بہت ہوئی ہیں۔ اس کو سمجھنا بھی آسان نہیں ہے۔ اس کے بارے میں ژونگ کہتا ہے۔

تبدیلیوں کی کتاب کے معانی کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اس کتاب کو کسی دیباچے کی بھی ضرورت نہیں ہے مگر شاید یہ کتاب درست نہ ہو۔ اس کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو مبہم اور غیر واضح ہیں۔ مغرب کے بہت سے عالم اس مجموعے کو محض جاپانی تعویذ کہہ کر رد کر سکتے ہیں، وہ اس ابہام کا حامل ہے کہ انھیں سمجھ ہی میں نہیں آتا اور ان کے لئے اس کی کوئی افادیت نہیں ہے، لیکن کارتربر آئی چنگ کا وہ ترجمہ ہے جو انگریزی زبان میں اب تک فراہم ہوا ہے، مگر اس نے بھی مغربی ذہن تک رسائی حاصل کرنے میں خاص مدد نہیں کی۔ اگرچہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ اصل متن کے معانی دو سروں تک پہنچا دیے جائیں۔ وہ اس لئے بھی ایسا کر سکتا تھا کیونکہ وہ فلسفہ پر مبنی تھا اور اس نے آئی چنگ کے سلسلے میں کچھ اسباق قابل احترام فیلسوف (Sage) لائی۔ ہشون (Lao Nai Hsian) نے چڑھے تھے اور پھر اس نے کئی برس تک عملی طور پر اس فیہ دانی کی مشق کی تھی۔ چنانچہ اس کو اس کے متن پر بہت گرفت تھی اور آئی چنگ جو ورژن (Version) اس نے دیا ہے، اسے اسی تاثر میں دیکھنا چاہئے کہ کوئی چینی فلسفے کا فلسفی علم رکھنے والا اس قدر گہرائی میں نہیں جاسکتا تھا۔

میں ولیم کا ذاتی طور پر بے حد ممنون ہوں کہ اس نے آئی چنگ کے پیچھے مسائل پر روشنی ڈالی اور پھر عملی اطلاق کی بصیرت بھی عطا کی، تیس برس سے بھی زیادہ عرصے سے مجھے فیہ دانی کی تکنیک میں دلچسپی تھی، کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک غیر عمومی مگر شاندار طریقہ تھا، لا شعور کو دریافت کرنے کا، میں پہلے ہی سے آئی چنگ کے بارے میں کافی کچھ جانتا تھا، پھر میری ملاقات بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ولیم کے ساتھ ہوئی تھی۔ جو کچھ میں جانتا تھا ولیم نے اس کی تصدیق کر دی اور اس کے بعد

مجھے بہت کچھ مزہ بھی کھارایا۔

میں چینی زبان نہیں جانتا اور نہ ہی کبھی چین جاسکا ہوں۔ میں اپنے قاری کو اس کے باوجود یہ بتا سکتا ہوں کہ چین کے پہاڑوں جتنے بڑے خیالات تک رسائی حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی فکر ہماری فکر سے بالکل ہی مختلف ہے۔ ایسی کتاب کو سمجھنے کے لئے کہ وہ کیا کہتی ہے، ہمیں اپنے بعض مغربی تصنیفات سے رہائی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ عجیب و غریب لوگ جن کو ہم چینی کہتے ہیں کبھی سائنس کی نشوونما نہ کر سکے، ہماری سائنس کا انحصار طبیعت (Causality) کے اصول پر ہے اور اس طبیعت کو سب سے بنیادی صداقت تسلیم کیا جاتا ہے۔ جو کچھ کانٹ (Kant) کی کتاب تنقید عقلی عقل (Critique Of Pure Reason) نہیں کر پائی، یہ ہے کہ وہ جدید طبیعت کے تقاضے پورے کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ طبیعت کی اولیتیں (Axioms) اپنی بنیاد کمزور ہی ہیں۔ اب ہمیں یہ معلوم ہے کہ جس شے کو ہم اہم قوانین قدرت کا نام دیتے تھے، محض شماراتی حقائق ہیں۔ لہذا ان کے اندر عقل کی مداخلت بہت ہے۔ ہم نے کبھی اس بات پر پوری طرح غور نہیں کیا کہ ہمیں معائنہ گاہوں یا تجربہ گاہوں کی ضرورت شاید اس لئے ہے کہ ہم ان محدود ماحول میں اس امر کا مظاہرہ کر سکیں کہ قوانین قدرت ہمیشہ ہی تصدیق شدہ حقائق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر ہم چیزوں کو قدرت پر چھوڑ دیں، تو پھر تصویر بہت مختلف ہو جاتی ہے۔ ہر عمل پر جزوی طور پر یا عمل طور پر اتفاقات کی مداخلت شروع ہو جاتی ہے اور یہ سبھی کچھ اس قدر وافر تعداد میں ہوتا ہے کہ قدرتی حالات میں، وہ واقعات جو عمل طور پر کسی خاص قانون کے ساتھ مطابقت رکھتے والے ہوتے ہیں، ان میں بھی عقل کی کار فرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔

لازچاں تک میں جان پایا ہوں، چین کا ذہن، خصوصاً آئی چنگ کے اندر، پوری طرح واقعات کے اتفاقی پہلوؤں سے معمور ہے۔ جس شے کو ہم انطباق کہتے ہیں، وہ اس عجیب و غریب ذہن کا سب سے بڑا دلچسپی کا علاقہ ہے۔ ایسا ہے کہ ہم جس طبیعت کی پوجا کرتے ہیں، وہ اس پر غور بھی نہیں کرتی۔ آپ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ ہمیں اتفاق کی انتہائی اہمیت کے لئے کچھ کہنا چاہئے۔ انسان نے بے شمار کوشش کی ہے کہ وہ

اس بات کے خلاف لڑے اور ان نظریات اور پریکٹسوں سے نہایت حاصل کرے۔ جو اتفاق کے ساتھ حلقہ ہیں؛ اتفاق یا پائس کے عملی نتائج کے سامنے اسباب و علل کا نظریاتی نظام اکثر اوقات کمزور اور ضعیف نظر آتا ہے۔ یہی کتنا زیادہ مناسب ہو گا کہ شفاف شیشے کی چمک اصل میں اس کا شش پہلو ہونا ہے۔ بات واقعی درست ہے، اگر ہم واقعی منشور (Prism) کے مثالی کرشل (Crystal) کو دیکھ رہے ہو۔ مگر قدرت میں وہ ایک جیسے کرشل دریافت نہیں کئے جاسکتے، حالانکہ سب شش پہلو (Hexagonal) ہوتے ہیں۔ چینی فیلسوف کے لئے اصل حیثیت، مثالی حیثیت سے کہیں زیادہ قابل توجہ ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہ ٹھکڑے ہوئے عناصر جو تجزیاتی حیثیت کو تشکیل دیتے ہیں، اس امر سے زیادہ باہمی ہوتے ہیں کہ وہ واقعات کی خلق و طرح کو تلاش کرے، کیونکہ اس طرح وہ ایک سے الگ الگ ہو کر انفرادی سطح پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

۱۱) لہذا جس طریقے سے آئی چمک میں حقیقت کو بیان کیا گیا ہے وہ ہمارے طریق کار کے مطابق نہیں ہے۔ قدیم چینی نقطہ نظر کو وہ لمحہ جس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے، زیادہ اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ وہ اسے اتفاق سمجھتے پر زور دیتے ہیں، بجائے اس کے کہ اسے ایک پہلے ہوئے سلسلے کی کڑی سمجھا جائے۔

آئی چمک کے سلسلے میں ڈونگ کی تشریح خاصی طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی مگر اس کی تفصیل میں جانے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

آئی چمک کی غیب دانی سے استفادہ ایک سادہ سی رسم کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے اور اسے پھیلا کر خاصا عجیبہ بھی بنایا جاسکتا ہے، مگر یہ ہر فرد کی اپنی صوابدید ہے۔ کچھ لوگ چینی سکے اچھالتے ہیں۔ کچھ لوگ پینس کی پینی (Pennies) استعمال کرتے ہیں۔ زرد بیلبل ذرا زیادہ عجیبہ طریقہ ہے اور اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب خوشبودار دھواں نفا میں پھیلا دیا گیا ہو اور اس دوران پوری توجہ سے ذہن کو ان سوالات پر مرکوز رکھا گیا ہو، جو اٹھائے جاتے ہیں۔ ایک تیلی کو الگ رکھا جاتا ہے اور باقی ۳۹ کو پھینکا جاتا ہے۔ شبنم کی زبان اٹل مغرب کے لئے ناقابل فہم ہے، اور ہم مشرق کے لوگ جو بڑی طرح مغرب کے اثر میں آچکے ہیں۔ ہمارا معاملہ بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اس کے لئے مبرکی ضرورت ہوتی ہے، وہ بھی ہم میں نہیں ہے اور



پھر اسی نہیں عمل کے ساتھ ایک احترام اور عقیدت بھی متعلق ہونی چاہئے۔ پھر یہ بھی کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔

آئی چنگ کے نشوونما کی بھی ایک تاریخ ہے، شروع شروع میں یں اور یانگ کی لائنوں کو ہل اور نہیں کے ساتھ مفہوم میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یانگ کا مطلب تھا ہل، اور یں کا مطلب تھا نہیں مگر بعد میں اتنی ساوا سی بات غیر مناسب محسوس کی جانے لگی، اور سطرس چہ کی بجائے آٹھ ہو گئیں اور جوڑے کچھ یوں بنائے گئے۔

عظیم تر یانگ  
کم تر یانگ  
عظیم ترین  
کمترین

آئی چنگ کے اثرات محض چین تک محدود نہیں رہے۔ وہ ممالک جو چینی تہذیب کے زیر اثر تھے، ان میں جاپان، کوریا اور ویت نام ایسے ممالک ہیں، جہاں اس کے گہرے اثرات آج بھی موجود ہیں۔ جاپان میں زمانہ حال تک فوجی مصلحت غیب دانی کی مرہون منت ہوا کرتی تھی اور یہ کتاب جاپان کے اعلیٰ فوجی افسران کے مطالعے کا حصہ تھی۔ بہت سے جاپانیوں کا خیال ہے کہ ان کو ابتدائی سندھری فتوحات اس کی بدولت حاصل ہوئی تھیں۔ عام جاپانی بھی روزمرہ کے کاموں میں اس سے نال لیتے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں ہانگ کانگ کے اخبار نے لکھا تھا کہ ایک جوڑے نے آئی چنگ کا کامیاب استعمال کیا اور اپنے کھوئے ہوئے بچے کو ڈھونڈ لیا۔ ۱۹۵۱ء بچہ ہانگ کانگ کے قریب ہی ایک پہاڑی پر موجود تھا۔

اگرچہ ہم سب نے ہی سب سے پہلے اس کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا تھا مگر اس کا بہتر ترجمہ ڈونگ کے دوست رچرڈ ولیم نے کیا۔ یہ ترجمہ جرمن زبان میں ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا، انگریزی ترجمہ اس کے بعد شائع ہوا۔ ولیم ایک پادری کے طور پر چین کے اندر داخل ہوا تھا مگر اس کے عیسائی پس منظر کے باوجود اس کا کمرا تعلق چینی فکر کے ساتھ پیدا ہوا، پھر اس نے ایک بار یہ بھی کہا تھا کہ یہ بھی کچھ اس دل کے لئے حکیمانہ کا باعث تھا کہ اس نے چین کے ایک باشندے کو بہتر (Baptize) نہیں دیا۔ آئی چنگ سے اس کا تعارف ایک بوڑھے



جس کسی نے بھی آئی چنگ بجلو کی تھی، اسے اس بات کا پورا احساس تھا کہ وہ سدس جو خاص وقت میں بنائی گئی ہو، وہ اپنی خاصیت میں وقت کے ساتھ ایسی مطابقت پیدا کر لیتی ہے کہ اس میں اور وقت میں فرق نہیں رہ جاتا۔ اس کے لئے سدس اس لمحے کو بیان کرتی ہے، جس میں وہ بنائی گئی ہو۔ یہ بات کلاک پر دیکھے جانے والے وقت سے کیس زیادہ بہتر ہے اور اس کیلنڈر سے بھی، جس میں دنوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ سدس اس ایک لمحہ کا اظہار ہوتی ہے، جب اسے ملاحظہ کیا تھا۔

اس مفروضے میں ایک عجیب و غریب اصول مضمر ہے جس نے ہم وقتیت (Synchronoscty) کا نام دیا ہے، یہ ایک ایسا نظریہ جس میں طبیعت کے بالکل متوازی نقطہ نظر تشکیل دیا گیا ہے۔ چونکہ طبیعت محض ایک شماریاتی سچائی ہے اور وہ حتمی نہیں ہے، تو یہ ایک طرح کا چالو مفروضہ ہے یعنی یہ کہ واقعات ایک دوسرے میں سے وارد ہوتے ہیں، جبکہ ہم وقتیت زمان و مکاں میں الفطرت کو قابلِ غور سمجھتی ہے، یہ گویا اتفاق کے سحائی سے کچھ زیادہ ہے یعنی یہ ایک دوسرے پر انحصار کرنے والے معروضی واقعات کا باہمی تعلق ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کا رشتہ موضوعی (شمیاتی) بھی ہے جو مشاہدہ کرنے والے سے ہے۔

جان بلوفیلڈ (John Blofeld) نے آئی چنگ کا تعارف لکھتے ہوئے، اس سلسلے میں ڈونک سے اختلاف کیا ہے اور دلیل یہ ہے کہ جب بھی مستقبل کے بارے میں کوئی سوال اٹھایا جائے گا تو واقعاتی طور پر اس کا درست جواب آئے گا خواہ یہ سوال کسی وقت بھی اٹھایا جائے گا مگر خود بلوفیلڈ یہ نہیں بتا سکا کہ آئی چنگ کیسے کام کرتی ہے، مگر ڈونک کی طرح اسے بھی یہ محسوس ہوتا ہے، جب اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، تو یوں لگتا ہے کہ جیسے کسی زندہ شخص کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ وہ ایسی کئی مثالیں دیتا ہے، جس میں سوال کرنے والے کو درست جواب ہاتھ آیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب چین اور ہندوستان میں لڑائی ہوئی اور یہ لڑائی تبت کی سرحد پر ہو رہی تھی، تو بلوفیلڈ نے جو سدس دریافت کی تھی، اس کے متن کی توجیہ کچھ اس طرح سے ہوئی تھی کہ وہ اس وقت کے واقعات کے بالکل برعکس نظر آتی تھی۔ جواب یہ تھا کہ چین کی فوجیں رک جائیں گی اور وہ کوہ ہمالیہ کے سلسلے سے آگے نہیں بڑھیں

کی اور پھر اس کے بعد جو کچھ ہو گا وہ اس توجہ کے مطابق تھا مگر اس کے ساتھ ہی بولوٹا یہ بھی کہتا ہے کہ اگر بدیہی سے سوال اٹھائیں جواب گمراہ کن لگتا ہے۔

و لعلہم ڈونگ اور بولوٹا کی وجہ سے اب آئی جنگ کو مغرب میں بھی احرام کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ جن غیب دانوں نے اسے استعمال کیا ہے، ان میں مشہور شخصیت الاسٹر کراؤلے (Alester Crowley) بھی شامل ہے۔ اس نے اس کے بارے میں یہ کہا تھا :

یہ سب سے مکمل خط تصویر (Hieroglyph) ہے جو آج تک تفصیل دیا جا چکا ہے اور اس کے جوابات ایسے ہیں جو ہر طرح کے سوالوں پر حلوی ہیں۔۔۔۔۔ یہ نظام اس قدر آسان ہے کہ پانچ منٹ میں جواب حاصل کیا جاسکتا ہے اور یہ جواب غاصر تفصیلی بھی ہوتا ہے اور درست بھی، سوال کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، سوال بہت مبہم بھی ہو سکتا ہے۔

آئی جنگ کی اہمیت کا کچھ اندازہ تو آپ کو ہو گا اس کی تفصیل تو بہت ہے اور وہ تفصیل خاصی دلچسپ بھی ہے۔ اس سلسلے میں اگر آپ کچھ اور پڑھنا چاہیں تو کتابیات میں اس کے حوالے موجود ہیں۔ یہ اپنے طور پر اتنا بڑا علم ہے کہ اس پر ہزاروں برس صرف ہو چکے ہیں اور کوئی بھی سیکھنے والا ساری عمر لگا کر ہی اسے سیکھ سکتا ہے۔

جہاں تک ڈونگ کے تعلق ہے، اس کو اس کتاب میں دلچسپی اپنے نظریات کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ ڈونگ کا تعلق اس نسل سے ہے، جس نے دنیا کے بارے میں تصورات کو بالکل تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اس کی کچھ تفصیل میں اگلے مضمون کے آخر میں بیان کروں گا۔ فی الحال صرف یہ عرض کرنا ہے کہ طبعیت کے نظام کو درہم برہم کرنے کے بعد سارے کا سارے زور امکان یا احتمال پر رہ جاتا ہے اور جدید طبیعیات نے اس سلسلے میں بہت چونا دینے والا کام کیا ہے۔ ڈونگ کا نظریہ ہم وقتیت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ نظریاتی تفصیل میں جانے سے پہلے آئیے اس پر ایک نظر ڈال لیں۔ یہ خیال رہے کہ فرائیڈ کی طرح ڈونگ محض مغربی اثرات تک محدود نہیں تھا۔ اس کے لئے علم کے کئی دروازے پھر سے کھل گئے تھے، وہ بھی، جو جدید سائنس نے اپنی ٹھک نظری کے باعث انسان پر بند کر دیئے تھے۔

## حواشی

۱۔ اس نام سے ڈونک نے اپنے سات و ملا شائع کروائے تھے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ طور ڈونک پر اس کے اثرات کتنے گہرے تھے۔

۲۔ ۸۷ بچوں کی تاش کی مٹھی بنیادی طور پر قسمت کا محل جاننے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اگرچہ اسے جدید تاش کا آغاز کنندہ بھی سمجھا جاتا ہے، اس کے ساتھ کچھ تکمیل اب بھی کیے جاتے ہیں اس کا آغاز چودھویں صدی میں اٹلی میں ہوا۔ اگرچہ اس کی علامات کا تعلق کہیں زیادہ قدیم روایت کے ساتھ ہے۔ اس کی اصل مٹھی کو اب گرینڈ آرکانا (Greater Arcana) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ۲۲ چوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ کہا جاتا کہ ان کا تعلق عبرانی (Hebrew) زبان کے حروف گنگی سے ہے، یہ لٹاکھنگی ہے قدرتی عناصر کی برائیاں اور خوبیاں کی اور ایک احمق (Fool) کی۔ جسے اب ہو کر کہا جاتا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں اس کو ۵۶ ایشیائی چوں کے ساتھ ملا دیا گیا۔ وہ بھی اس زمانے میں الگ استعمال ہوتے تھے۔ ان کو کٹر آرکانا (Arcana Lesser) کہا جاتا تھا، یہ ۵۶ چے چار رنگوں (Suits) میں تھے۔ ان کو پالے (Cups) گواریں (Swords) مٹی (Money) اور ڈنڈوں (Clubs Or Rods) پر لٹاکھنگی تھی، پادریوں کی، اشراف (Knave) اور نواب (Knight) کی باری آتی تھی۔

## ہم وقتیت

### SYNCHRONOCITY

ہم وقتیت ڈونگ کی زبان میں ایک ایسا اصول ہے، جو علت کا قائل نہیں۔ ”یہ اصطلاح بھی اسی نے بنائی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم وقتیت کی اصطلاح بہت ایسے واقعات کے درمیان رشتہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ جو بظاہر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آتے ہوں، مگر ایسے کئی شواہد موجود نہ ہوں کہ ان کو اسباب و معلول کے رشتے میں پر دیا جاسکے۔ مثال کے طور پر اگر دو لوگ یہ دریافت کریں کہ انہیں ایک جگہ میں ملاقات کے ایک سلسلے سے واسطہ پڑا۔ یا پھر بہت سی جگہوں میں۔ ایک ایسے گھر کے سامنے جس کا دروازہ سبز رنگ کا تھا کوئی ایسا نمونہ طریقہ ہے، جس میں باہر کے سبز دروازے کو ایک جینی تعلق ثابت کیا جاسکے اور اس ملاقات کی نوعیت کے سلسلے میں کچھ کہا جاسکتا ہو کچھ کہا جاسکتا ہے، بس اس قدر ہے کہ یہ ایک ایسا تعلق ہے جس کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ سبز دروازے ملاقات کا سبب ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ یہ معاملہ ہم وقتیت کا معاملہ ہے اس لفظ کے لغوی معنی ہیں جو ایسے واقعات جو ایک ہی وقت میں ہوتے ہوں۔ مثال کے طور پر اس کے قریب ہی ایک فلمی اصطلاح (Synchronization) یہ اصطلاح اس وقت استعمال ہوتی ہے، جب مقررہ اور آواز کو ایک خاص تعلق میں جوڑ دیا جائے اگر ایسا ہو کہ ہونٹ کسی اور طرح مل رہے ہوں اور بات کوئی اور ہو رہی ہو، جیسا کہ کئی بار آپ نے دیکھا ہو کچھ خصوصاً ان لفظوں میں جن کی زبان بدل دی جاتی ہے۔ یا پھر کمرشل مشینیں (Strips) جنہیں پوری طرح سکرڈنا نیز نہیں کرتیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ یہ تصور

کریں کہ ملاقاتوں کا ایک سلسلہ ہے جو کسی اور پلے عمل کی وجہ سے پیش ایک سبز دروازے کے سامنے ہوتا ہے۔ آپ اسے منہ بھیڑ کہہ لیں۔ جس عمل کی وجہ سے یہ ہو رہا ہے جو ایک کائناتی عمل بھی ہو سکتا ہے۔ خیر کچھ بھی ہو وہ دھارے فم سے بلاتر ہے۔ اگر اس عمل کو خلاصت کی زبان میں بیان کیا جائے تو یہ ایک عظیم کونیاتی ہاتھ ہو گا جو دستانہ پٹنے ہوئے ہو گا اور یہ دستانہ دنیا بھر کے مادی عناصر سے بنا ہو گا اور اس کے اندر انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی ہوں گی۔ انگوٹھے کا عمل کلی میں منہ بھیڑ کا سبب بننا ہو گا جبکہ پھوٹی انگلی اس سارے عمل کو اپنی کارروائی کے ساتھ ہم آہنگ کرتی ہو گی اور یوں سبز دروازوں کا واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہو گا۔

ڈونگ نے ہم وقتیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار پہلی بار ۱۹۵۲ء میں کیا تھا اور اس نے اس کی بنیاد علم نجوم (Astrology) سے حاصل شدہ مواد پر رکھی تھی۔ اس نے ۱۸۰ شماری شدہ جوڑوں کے زائچوں کو استعمال کیا تھا جو کوئی ایک برس پہلے علم نجوم کے بعض مفاسد کے لئے جمع کئے گئے تھے۔ ڈونگ کو بخوبی یہ اندازہ تھا کہ اس نے علم نجوم کی بنیاد پر جو ثبوت حاصل کیا ہے اور جو طریقہ استعمال کیا ہے وہ زیادہ کامیاب نہیں ہے، مگر اتنا تو ہے کہ اس سے ایک بات تصور کی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ علم نجوم کا انحصار اسباب کے ایک سلسلے سے ہونے کا احتمال ہے۔ مگر زائچوں کے مطالعے سے اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہر اپنی علم نجوم اور ان لوگوں کی زندگیوں میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔ اس کے خلاف مواد جمع بھی ہے شاذ ہے۔ چنانچہ ڈونگ نے لکھا :

پچیس کی کچھ دیا لو، پہلی میں ۱۰۰۰ اکھ چھ ٹیلس ڈال دو، دوسری میں دس ہزار اور تیسری میں ۵۰ اور ہر ایک میں ایک ایک سفید چھوٹی ڈال دو۔ پھر ان ماپسوں کو بند کر دو۔ ہر ایک میں ایک ایک سورج کر دو۔ سورج اتنا ہو کہ اس میں سے صرف ایک چھوٹی ایک ایک وقت میں باہر نکل سکے، جو چھوٹی سب سے پہلے بار آئے گی گوہ سفید چھوٹی ہوگی۔

اس کمال کی دلیل کے بعد ڈونگ ہم سے وقتیت کو متعارف کرواتا ہے، اس کے نشانات اس نے سحر اور سریت دونوں میں پائے تھے۔ تعلق دو ایسے متوازی واقعات میں ہوتا ہے، جو ایک جیسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ہم وقتیت انسان کے باطن تک بھی عمل پیرا

ہوتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ارتقہ (Transcedental) معانی اپنا اعلیٰ ایک ہی وقت میں انسانی نفس اور حیوانی دنیا کے واقعات میں کریں۔

ڈوگ اپنے ہم وقتیت کے تصور کا کریٹ آئن سٹائن (Einstein) سے حاصل ہونے والے ذوق و شوق کو دیتا ہے۔ آئن سٹائن اور ڈوگ کی کئی ملاقاتیں آپس میں اس وقت ہوئیں جب آئن سٹائن ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۹ء میں پھر ۱۹۱۳ء-۱۹۱۴ء میں زوریخ (Zurich) میں پروفیسر تھا اس زمانے میں آئن سٹائن ابھی اپنا عمومی اضافیت (Relativity) کا نظریہ تشکیل دے رہا تھا۔ چنانچہ ڈوگ کے لئے یہ دلچسپی کا باعث تھا کہ وہ بھی زمان اور مکان کے درمیان کوئی امکانی رشتہ تلاش کرے۔

پھر ۱۹۲۰ء کے درمیان میں جب ڈوگ اجتماعی لاشعوری کی دریافت کے عمل میں تھا تو اس نے بہت سی سیاسی ہم وقتیتیں دریافت کیں جن کی وہ تشریح نہ کر سکا۔ اس نے کہا یہ تو انطباقات (Coincidences) ہیں، جو اس قدر با معنی طور پر ایک دوسرے سے متعلق تھے کہ ان کا اتفاقی طور پر وقوع پذیر ہونا کچھ اس درجہ غیر امکانی لگتا تھا کہ اسے ایک فلکیاتی (Astronomical) اصطلاح ہی میں بیان کیا جاسکتا تھا پھر اس نے ایک ایسا واقعہ بیان کیا جو ایک مریض کی بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا اس کی ماں اور بیٹی کی وفات پر اس کمرے کی کڑکی کے باہر جہاں لاش رکھی ہوئی تھی پر عرصے جمع ہو گئے تھے۔ ڈوگ کو یہ لگا کہ پر عرصے روح کے بندہ پر ہیں اور پھر اسے خیال آیا کہ بہت سے اساطیر میں بھی پر عرصے خداؤں کے قاصد ہی ہوتے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں پہلی بار ڈوگ نے ہم وقتیت کی اصطلاح رجرو و سلم کی یاد میں ہونے والے جلسے میں استعمال کی، رجرو و سلم وہی ہیں، جنہوں نے پہلی بار آئی چنگ کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا تھا (ڈوگ ان علوم سے بہت متاثر ہوا تھا جن میں آئی چنگ، علم نجوم اور علم اعداد Numerology اور اس طرح کے دوسرے علوم شامل ہیں) کئی برس کے بعد ڈوگ نے ہم وقتیت کو تلو کے ساتھ مسلمی قرار دیا تھا۔

اس نظریے کو مزید آگے بڑھانے کے لئے ڈوگ کی مددوی آنا کے ماہر طبیعیات ولف گینگ پاؤلی (Wolf Gang Pauli) کی تھی، وہ نوبل انعام یافتہ ہے اور آئن سٹائن کا ساتھی ہے اور اس نے غیر متقابل طبیعت کو ثابت کیا تھا۔ پاؤلی نے ۱۹۲۸ء میں نفسی تحلیل کے لئے



ڈونگ سے رابطہ کیا تھا پھر ڈونگ اور پاؤلی دونوں نے مل کر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا Interpretation And Nature Of Psyche (1949) اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم وقتیت پر ڈونگ کا مضمون شامل تھا۔ ڈونگ کہتا تھا کہ ہم وقتیت ان واقعات میں پائی جاتی ہے، جو معانی کی سطح پر تو رشتہ رکھتی ہوں، مگر علت کی سطح پر نہیں (جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا انطباق ذہن و مکان کا نہ ہو)۔ پھر ایسے بھی واقعات ہیں، جن کا انطباق ذہن و مکان کی سطح پر ہو اور ان میں باطنی نفسیاتی تعلق بھی موجود ہو، اس پر مستزاد یہ کہ ہم وقتیت کی وجہ سے مادی دنیا نفسی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم وقتیت کے واقعات آرکی ٹائپ کی بنیاد رکھتے ہیں۔

ڈونگ نے ہم وقتیت کی اصطلاح کا اطلاق بہت نفسیاتی اور پیرا نفسیاتی (Para Psychological) مظاہر پر کیا۔ مثلاً کے طور پر جے بی رائن (J.B. Rhine) کے ای۔ ایس۔ پی (E.S.P) (Extra Sensory Perception) کارڈز کی عدد سے ڈیوک یونیورسٹی میں اعزازہ لگانے کے تجربات کئے جاتے تھے۔ جسے موجودہ زمانے میں عمومی طور پر حلقہ تصور نہیں کیا جاتا۔ ڈونگ نے اپنے طور پر ڈانچوں کے ساتھ جو تجربات کئے، اس کے بارے میں ہے، اس نے کہا کہ پیدائشی سائن (Sign) اور رفتی حیات کے انتخاب میں جو تعلق ہے، اس کی تشریح ہم وقتیت کے نظریے سے ہو سکتی ہے۔ اس بات پر ڈونگ شدید تنقید کا نشانہ بنائے تھے کہ علم نجوم پر انحصار کرنا ایک غیر سائنسی رویہ سمجھا جاتا ہے۔

اب رفتہ رفتہ ہم وقتیت، نفسیات اور پیرا نفسیات کی تحقیق میں، شعور کے بارے میں سائنس دانوں میں زیادہ سے زیادہ بروئے کار ظاہر ہونے لگی ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مختلف شعبوں میں تحقیق کرنے والے بار بار اور ذہنیاتی طور پر ایک جیسے نتائج پر پہنچتے ہیں، حالانکہ انہیں ایک دوسرے کے کام کے بارے میں کوئی علم نہیں ہوتا۔ انیسویں صدی کے وسط میں جب ڈارون (Wallace) اور ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer) ایک دوسرے کے کام سے واقف نہ ہونے کے باوجود ارتقاء کے نظریے پر کام کر رہے تھے اور سپنسر تو سائنس دان یا حیاتیات دان بھی نہیں تھا اور رسل تو اسے فلسفی کے طور پر بھی قلمبند تھا خیال نہیں کرتا۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ ان سب کے مابین ہم وقتیت ہی قدر مشترک ہوا فریٹ جوف کپرا (Fritjof Capra) نے اپنی کتاب (1985) The Tao Of Physics میں

کو اہم (Quantum) طبیعیات اور مشرقی تصوفانہ فکر میں جو متوازنیت دریافت کی ہے، کہیں اس کے پیچھے بھی تو یہی اصول کار فرما نہیں ہے، پھر ڈونگ کے خیالات کی تصدیق جوزف کمپ بل (Joseph Campbell) نے اپنے اساطیری مطالعے سے بھی کی ہے۔

پھر ایف ڈیوڈ پیٹ (F. David Peat) نے اپنی کتاب Synchronicity  
The Bridge Between Matter (۱۹۸۷ء) میں ایٹرک کینڈل (Eric Kandel) کی  
اصطلاحی حقیقت کا بھی ذکر کیا ہے۔ کینڈل نے سمندری علموں یا گھونگھے (Slug) کے مطالعے  
کے بعد یہ نظریہ بتایا ہے کہ انسانی دماغ اپنی ساخت میں دن کے ہر حصے میں کھل جانے والا  
(Unfolding) ہے۔ کینڈل کا خیال یہ ہے کہ یہ عمل اس لئے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ اس  
فعال اطلاع کا ایک پس منظر موجود ہے اور یہ موجودگی خود دماغ کی ساخت میں بھی ہے اور  
جیرونی ماحول میں بھی ہے۔ اس کا نتیجہ اس کے خیال میں جلدیاتی طور پر ترجمانہ دماغ ہے، اس  
کے علاوہ یہ بھی ہے کہ دماغ اس عمل میں صرف وصول ہی نہیں کرنا یا نکل دہ یک وقت ایسے  
عمل میں بھی ہوتا ہے کہ وہ جیرونی ماحول کو تبدیل کر سکے اور یوں ایک نئی حقیقت پیدا ہو جائے۔  
عمل جیرونی کا یہ سلسلہ اس وقت مکمل ہوتا ہے، جب نئی حقیقت دلہیں دماغ پر اثر انداز ہوتی  
ہے اور یوں ایک مسلسل بننے اور اطلاع دینے کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ اس نظریے کے  
شکار مضمرات ہیں۔ کیونکہ دماغ کے حقیقت کو تقلیل دینے میں نہ صرف طبیعی عمل ہی شامل  
ہوتا ہے، بلکہ اس میں انسانی رشتے، معاشرے کی نوعیت اور ہر شخص کا تصور و نا بھی شامل ہو جاتا  
ہے۔

پیٹ کا مشاہدہ یہ ہے کہ ہم وحشییت ایسے ذہن کو قدرتی بات لگتی ہے، جو مستقل طور  
پر تبدیلی کے سلسلے میں حساس ہوتا ہے۔ جیسے ہم ایک ہی وقت میں عمل اور رد عمل کرتے ہیں  
تخلیقیت (Creativity) ہم ذاتی تالیف (Synthesis) میں نمود پاتی ہے۔ چنانچہ ہم وحشییت  
تجرباتی اور زیادہ انکشافی (Heuristics) حقیقت کے باہین اور چٹا پیدا کرتی ہے۔ مظاہر کے  
موضوعی معانی موضوعی تشریح کے ساتھ استخراج پیدا کر لیتے ہیں۔

ہم وحشییت اس افلاطونی ثنویت (Dualism) پر بھی نئی روشنی ڈالتی ہے، جس کے  
باعث جسم اور روح الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس ثنویت کی وجہ سے مغرب کے معاشرے میں کئی  
محصن مسائل پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ مائیت میں یا الیوپتھک (Allopathic) طب میں، یہ وہ

مضامین ہیں جو جسم پر ذہن کے اثرات کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے باہول خراب ہوتا ہے۔ ہم وقتیت کو بہتر طور پر سمجھنا ایک مسلمتی (Holistic) رویہ ہے جو مشرقی فکری خصوصیات کا حامل ہے۔

ہم وقتیت میں جدید دلچسپی مناسب حد تک ہے، اس مسئلے میں کسی شخص کا ذرا سا بھی حساس ہونا اور حقیقتوں اور امکانات میں ہمہ گیر، ہم آہنگی دیکھنا اور چیزوں میں حلقی کارہجان نظر آجانا جہاں پہلے سے کچھ محسوس ہی نہ کیا جاتا تھا ایک اہم بات ہے، کھلے دل و دماغ کے ساتھ دنیا کا مطالعہ کرنے سے فلسفے کو ایک نئی بنیاد میسر آتی ہے۔ اگر یہ نہ بھی سمجھا جائے کہ یہ بنیاد مذہبی یا دینی ہے۔ اس حوالے سے نئے سیاسی، ثقافتی اور عالمگیری اتحاد کے لئے اشتراکی بنیادیں تلاش کی جاسکتی ہیں۔

ژونگ ایک ایسا نفسیات دان ہے جس نے اپنے عہد کے سبھی سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور جواب دیتے وقت خود کو محض مغرب کے رواجی نقطہ نظر تک محدود نہیں رکھا۔ اس نے علم کی تلاش میں دنیا بھر کے علوم کو سمجھا ہے، ان مضامین کو بھی جنہیں مغرب برسے برس نام دے کر رد کر چکا تھا۔ عقلی علوم انہیں علوم میں شامل ہیں۔ حالیہ دور میں ان کا احیاء ہوا ہے، مگر ان کا احیاء ہونے میں ژونگ کی کوششوں کو بے حد دخل ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، خود ژونگ کے خاندان میں ان علوم کی کارفرمائی کئی نسلوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ مگر بے جھجک ہو کر اور جرأت کے ساتھ ان مضامین کو اپنانا اور انہیں مغرب کی سنجیدہ فکر کا حصہ بنانا نہ صرف ایک مشکل بلکہ بیسویں صدی کے آغاز میں ایک ناممکن کام تھا۔ اگرچہ فرانیٹ بھی نیلی ڈیوچی کے بارے میں کچھ خیالات رکھتا تھا مگر اس نے ان خیالات کا اظہار اپنے لکچر میں ڈرتے ڈرتے کیا تھا اور اپنے قریبی ساتھیوں کو جو خط لکھے تھے، ان کو بھی شائع نہ کیا گیا تھا وہ فرانیٹ کی موت کے کوئی چالیس برس کے بعد شائع ہوئے تھے اور ان میں بھی کوئی ایسی بات نہیں تھی، جس کے ہونے کی وجہ سے دنیا بھر میں کوئی بہت بڑا طوفان مچتا ہو سکتا ہو۔ کئی اور نفسیات دان اس سلسلے میں کہیں زیادہ جرأت مندانہ باتیں کر چکے تھے۔ ان میں مثال کے طور پر ولیم سیکزڈوگل (William McDougall) اور ولیم جیمز (William James) وغیرہ شامل ہیں۔

جو لوگ تاریخ کے حوالے سے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہیں، وہ یہ کہہ سکتے ہیں

بیسویں صدی میں وہ لہر آیا تھا جب انسان عقلی علوم کو پھر سے دریافت کرتا۔ خود نفسیات کے علم کا پس منظر سے نکل کر پیش منظر میں آجائے اس بات کا کافی ثبوت تھا کہ انسان کے پاس اپنے باطن سے رابطہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ ڈونگ نے اپنی کتاب *Modern Man In Search Of A Soul* میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ جدید طرز حیات کی وجہ سے نفس کے اندر بعض ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں کہ نفسی توانائی کے بہت سے راستے بند ہو چکے ہیں۔ جن راستوں پر توانائی آسانی سے سفر کر لیتی تھی، اب ان کے بہرہ ہوجانے کے باعث اسے اپنے لئے نیا راستہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ یہ راستہ نیورس کا راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال دل کی ان شریانوں جیسی ہے جو ہر جہہ بند ہو جاتی ہیں اور انجانا پیدا ہو جاتا ہے، ان افعال کو معمول پر لانے کے لئے نئے نئے باطنی پاس بنانے پڑتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ جدید انسان جسمانی اور روحانی دونوں سطحوں پر اپنے لئے رخ اریں کھڑی کرتا چلا جا رہا ہے۔ فرائیڈ کا تو یہ مسئلہ نہیں تھا وہ مرض کی تشخیص تو کر سکتا تھا مگر اس کے لئے جو نسخہ وہ تجویز کرتا تھا اس سے مرض کی علامتیں کچھ دیر کے لئے غائب ہو جاتیں تھیں، مگر مکمل صحت پائی اس لئے ممکن نہیں تھی کہ مریض کے معاشرتی اور روحانی رویوں میں بہت زیادہ تبدیلی رونما نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس بات کا کریڈٹ بہر حال فرائیڈ کو دینا پڑے گا کہ اس نے مرض کی تشخیص کو محض جسمانی وجوہات تک محدود نہیں رکھا۔ اسے یہ ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ انسانی نفس یا انسانی ذہن انسان کی زندگی میں کتنا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر فرائیڈ اس سطح پر یہ بھی کچھ نہ کہہ سکا ہو، تو ڈونگ کی نفسیات کو بھی عقلی علوم کے دمرے میں ڈال کر نظر انداز کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ ڈونگ نے آغاز مغرب کے روایتی انداز میں کیا تھا۔ وہ طب کا ماہر ہو جانے کے بعد نفسیات کی طرف آیا تھا۔ پھر اس نے فرائیڈ کی نفسیات کو اپنایا تھا اور فرائیڈ اس کے کلام سے اس قدر متاثر تھا کہ اس نے اسے عقلی نفسی کی بین الاقوامی انجمن کا پہلا صدر اسے بنا دیا تھا۔

مگر ڈونگ کی منزل یہ نہیں تھی، شروع ہی سے وہ نفس کے اندر زیادہ گہرائی میں اترنے کا خواہش مند تھا پھر اس کا خاندانی اور مذہبی پس منظر ایسا تھا کہ اس کی توجہ عقلی علوم کی طرف ہو جانا لازمی تھا پھر مذہبی سطح پر حالات بھی ایسے ہو چکے تھے کہ نفس کے نامعلوم کے اندر جھانکنا ضروری ہو گیا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود ڈونگ بنیادی طور پر سائنس کا ایک

طالب علم تھ مگر اس زمانے میں خود سائنس کے اندر بعض تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں اور یہ تبدیلیاں ایسی تھیں جنہوں نے پوری سائنس کو اور خصوصاً طبیعیات کو بالکل ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں بیسویں صدی کو طبیعیات کی صدی کہا جاتا ہے۔ اس صدی کے آغاز ہی میں آئن سٹائن نے خصوصی نظریہ اضافیت (Special Relativity) متعارف کروا دیا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں اس کے چار معرکتہ آئندہ مضامین ایک ہی رسالے میں شائع ہوئے تھے، اس اشاعت نے سارے مظہری کو بدل کر رکھ دیا تھا پھر اتفاق ایسا ہوا آئن سٹائن کو پڑھانے کے لئے زوریچ آتا پڑا یہ زمانہ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۳ء تک محیط ہے، مجھے یہ تو ٹھیک سے اندازہ نہیں کہ اس زمانے میں آئن سٹائن کو کس قدر اہمیت حاصل تھی مگر اتنا اندازہ ضرور کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت بھی وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا وہ اس زمانے میں اضافیت کے عمومی نظریے (General Relativity) پر کام کر رہا تھا یہ نظریہ ۱۹۱۵ء میں متعارف کروایا گیا آئن سٹائن کو ۱۹۲۱ء میں نوبل انعام کا حقدار قرار دیا گیا تھا مگر اس کی پیش گوئیوں کی تصدیق ۱۹۱۷ء میں ہوئی تھی اور وہ ساری دنیا میں مشہور ہو گیا تھا۔

لہذا ڈوگک اور آئن سٹائن کی ملاقاتوں کے زمانے میں آئن سٹائن مجھ پر روزگار نہیں تھا لہذا یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ان کے درمیان ملاقات برابری کی سطح پر ہوئی ہوگی، خود ڈوگک اس زمانے میں اپنی پہچان کسی حد تک بنا چکا تھا۔ ڈوگک اس زمانے میں فرانیز کے ساتھ متعلق تھا۔ ڈوگک کا یہ تعلق عملی طور پر ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک چلا تھا۔ یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہے کہ ڈوگک کس حد تک آئن سٹائن سے متاثر ہوا ہوگا ڈوگک کے بارے میں کھینے والے، جب اس کے نظریے ہم وقتیت پر بات کرتے ہوئے، یہ کہتے ہیں کہ جس طرح آئن سٹائن نے زمان کو مکان کی تیسری جہت بنا دیا تھا وہی ہی کوئی کام ڈوگک بھی کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے ہم وقتیت کا نظریہ بنایا، جس میں دو طرح کے ایسے واقعات کو آپس میں جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے، جن کے مابین بظاہر کوئی ملتی رشتہ نہیں تھا۔ یہ ایک دلچسپ مفروضہ ہے مگر اس کی بنیاد تلاش کرنے کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ البتہ اس قدر تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک متوازنیت موجود ہے، مگر اس متوازنیت کا ہر ایک عہد کا اپنا مزاج بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ڈوگک نے شعوری یا شعوری سطح پر آئن سٹائن کا اہلج بھی کیا ہو۔

مجھے معلوم نہیں کہ خود آئن سٹائن کا ڈونگ کی نفسیات کے بارے میں کیا خیال تھا؟ مگر اس قدر اندازہ ضرور کیا جاسکتا ہے کہ آئن سٹائن کو ڈونگ میں ایسی کوئی دلچسپی مشکل ہی سے ہوگی۔ ایک ماہر طبیات کے پاس اپنے مضمون سے باہر نکلنے کا وقت ہی کب ہوتا ہے، ڈاکٹر عبدالسلام کی طرح ایسے سائنس دان کم ہی ہوتے ہیں، جو اپنے لوگوں کا دکھ محسوس کریں اور تیسری دنیا کے ممالک اور خصوصاً پاکستان کو ایک ترقی یافتہ ملک بنانے کے لئے پوری کوشش کریں، ان کی کتاب حرمان اور حقیقت، ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جو نیک وقت سائنس اور اقتصادیات سے متعلق ہے۔ ایسی درمندی آئن سٹائن اور فرائیڈ یودی ہونے کی نشیبت سے صرف اسرائیل کے لئے محسوس کر سکتے تھے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ڈونگ کی ساری نفسیات ایک جیسائی پس منظر لئے ہوئے نظر آتی ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ہم پر اپنے ماحول اور دینی اعتقادات کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ آئن سٹائن سے ڈونگ کے جو بھی تعلقات ہوں، جب پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک آف نیشنز (League Of Nations) وجود میں آئی، تو آئن سٹائن سے کہا گیا کہ وہ کسی بے حد ضروری بین الاقوامی مسئلے پر کسی کو مقالہ لکھنے کی دعوت دے، چنانچہ ۱۹۳۲ء میں آئن سٹائن کا سوال تھا ”کیا انسانیت کو جنگ کی صعوبتوں سے بچایا جاسکتا ہے۔“ اور یہ سوال فرائیڈ سے کیا گیا تھا۔ فرائیڈ نے اس کا جواب ایک خط کی شکل میں دیا تھا۔ آئن سٹائن نے یہ سوال ڈونگ سے کیوں نہیں کیا تھا؟ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ سب سے بڑی وجہ شاید یہ تھی کہ ۱۹۳۲ء میں فرائیڈ یقیناً ڈونگ سے زیادہ اہمیت رکھنے والا نفسیات دان تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ یودی تھا۔ ہر حال اس سوال کا کوئی حتمی جواب ممکن نہیں ہے، اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ آئن سٹائن اور ڈونگ کے سلسلے میں جو نسبت تلاش کی جا رہی ہے اور وہ موجود شواہد کی روشنی میں دور از کار لگتی ہے۔

میں یہاں تک کہہ پایا تھا کہ اچانک لکھنے سے میرا جی اٹھتا ہو گیا، ویسے بھی میں مسلسل نہیں لکھتا۔ چھوٹے چھوٹے دھقوں میں لکھتا ہوں اور بعض اوقات یہ وقفے طویل بھی ہو جاتے ہیں اور جو کتب چند دنوں میں لکھی جاتی چاہئے۔ وہ کئی ہفتوں بلکہ مہینوں میں تکمیل پاتی ہے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد میں نے پھر لکھنا چاہا تو طبیعت مانگ نہ ہوئی، میرا جی چاہا

کہ میں کپ ایس تھورن KIP.S Thorne کی کتاب Black Holes And Time Warps پڑھوں۔ میں نے کتاب کو دہریں سے کھولا مہجلیں میں نے اسے کئی ہفتے پہلے چھوڑا ہوا تھا۔ جو کچھ میرے سامنے آیا وہ آئن سٹائن کا وہ زمانہ تھا جو زیورچ میں گزرا تھا اور اس پر جو رائے زنی کی گئی تھی، وہ ہماری اس بحث سے بے حد متعلق ہے، جو ہم اس وقت کر رہے ہیں۔ کھل جاسکتا ہے کہ یہ بھی ہم وقتیت ہی کی ایک مثال ہے تھورن کہتا ہے (میں اس بات کو کسی قدر اختصار سے بیان کرتا ہوں)۔

اب جبکہ میں آئن سٹائن کے شائع شدہ سائنسی مضامین پر ایک نگاہ ڈال رہا ہوں اور میرے سامنے روس سے شائع ہونے والا انگریزی ایڈیشن ہے، میں یہی پڑھنے پر مجبور ہوں کہ میں جرمن زبان سے بخلد ہوں۔ میں نے یہ دیکھا ہے ۱۹۱۲ء میں آئن سٹائن کے فکری کردار میں ایک تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ ۱۹۱۲ء سے پہلے اس کے مضامین احتمالی شاندار ہوتے تھے، ان میں گمراہی نہ تھی، تاہم ریاضی عام سطح کی تھی۔ استدلال ایسے تھا، جیسے میں اور میرے دوست ۱۹۹۰ء میں بھی استعمال کرتے ہیں، کسی نے کوشش ہی نہیں کی کہ ان استدلال کو بہتر بنایا جائے، ۱۹۱۲ء اور اس کے بعد کی تقریروں میں بے حد فرق ہے۔ ۱۹۱۲ء کے بعد ریاضی زیادہ پیچیدہ ہو گئی ہے۔ اگرچہ اس استخراج میں اب طبیعیات کے قوانین کی بصیرت بڑھ گئی ہے۔ ریاضی اور طبیعیات کا یہ استخراج جو تھوڑپ (Gravity) کے سلسلے میں ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۵ء تک استعمال کیا گیا۔ پلاٹر آئن سٹائن کو اپنے تجاویز قوانین تشکیل دینے تک لے آیا۔

لیکن آئن سٹائن نے ریاضی کے ان آلات کو غیر ہنرمندانہ طریقے سے استعمال کیا۔ اس کے بارے میں ہلبرٹ (Hilbert) کی رائے یہ ہے کہ گوٹن گن (Göttingen) کی کمیوں میں موجود ہر پچہ چار ابعادی (Four Dimensional) جیومیٹری کو آئن سٹائن سے بہتر سمجھتا ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس نے عمومی اضافیت کے تجاویز قوانین بنائی لئے ایسے مساوات کسی اور ریاضی دان کے جیسے میں نہ آئی۔ یہ اس لئے ہوا کہ صرف ریاضی چٹائی کافی نہیں تھا۔ اس کے لئے آئن سٹائن کی یکمائی روزگار طبیعیاتی بصیرت کی بھی ضرورت تھی۔

اذاقہ یہ ہے کہ لہرت نے غلو سے کام لیا ہے۔ آئن سٹائن ایک اچھا ریاضی دان تھا اگرچہ وہ ریاضی کی کوئی سرور آوردہ شخصیت نہیں تھا۔ جیسا کہ وہ طبیعیاتی سمیرت کے سلسلے میں جیٹا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ۱۹۱۴ء کے استدلال اب اس طریقے سے پیش نہیں کئے جاتے، جس طرح آئن سٹائن ان کو پیش کرتا تھا۔ لوگوں نے بہتر رستے نکال لئے ہیں اور اس کوشش میں کہ طبیعیات کے قوانین کو بہتر طریقے سے سمجھا جائے۔ ۱۹۱۵ء سے بھی کچھ زیادہ سے زیادہ ریاضیاتی ہوتا چلا جا رہا ہے اور آئن سٹائن کی غالب شخصیت اس مقام سے نیچے ہی نیچے آتی چلی جا رہی ہے، جہاں وہ اس وقت محسوس تھا۔ اب یہ مشعل دوسروں نے سنبھال لی ہے۔

جس زمانے کے بارے میں یہ بات کی جا رہی ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے جو آئن سٹائن نے زیادہ تر زیورچ میں گزارا تھا۔ اسی زمانے میں ڈوگک سے اس کی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ اسی زمانے میں ڈوگک بھی بدل رہا تھا اجتماعی لاشعور کی دریافت کا زمانہ بھی یہی ہے۔ کیا کوئی ہم وحقیقت آئن سٹائن اور ڈوگک کے مابین بھی تلاش کی جاسکتی؟ ایک ایسا سوال ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی اس کا جواب دے، مجھے تو ان کے مابین ایک معنوی متوازنیت نظر آتی ہے۔ حقیقت کی ایک لہری اس وقت دونوں کے اندر حمزہ سے اٹھ رہی تھی۔ اس کے بعد کا زمانہ جیسا کہ قوموں نے کسا ہے۔ آئن سٹائن کے زوال کا زمانہ تھا۔ مگر یہ بات ڈوگک کے بارے میں نہیں کی جاسکتی۔ ڈوگک نے اس زمانے کے بعد ہی اپنے بڑے بڑے تصورات اور نظریات بنائے تھے۔ ایک سوال بہر حال اہم ہے کہ ڈوگک پر طبیعیات کے ہمعصر دور نے کیا اثرات مرتب کئے تھے۔ آئن سٹائن اور ڈوگک کے بارے میں کچھ بات ہو چکی ہے۔ کچھ حوالہ فرٹ جوف کپرا کا بھی آیا ہے۔ ولف گیٹگ پاولی (۱۹۵۸-۱۹۰۰ء) کے بارے میں بھی بات ہوئی ہے، وہ ایک امریکی ماہر طبیعیات تھا مگر اس کی پیدائش آسٹریا میں ہوئی تھی۔ ۱۹۲۵ء میں اس نے ایک نظریہ تشکیل دیا تھا۔ جسے پاولی کے اخراجی اصول (Pauli Exclusion Principle) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس دریافت پر اس کو ۱۹۳۵ء میں نوبل انعام بھی ملا تھا۔ ۱۹۳۱ء میں اس نے یہ مفروضہ بنایا تھا کہ بیٹا (Beta) کی زوال پذیری (Decay) کے عمل میں اس کی کچھ توانائی بے کیت (Massless) پارٹیکلز لے لیتے ہیں۔ ان پارٹیکلز کو فرمی (Fermi) نے نیوٹری



نوس (Neutrinos) کا نام دیا تھا۔ اس کا دوسرا اہم نظریہ پولی کا اخراجی اصول کہلاتا ہے۔ اس اصول کے تحت کوئی سے بھی دو فرمی آئن (Fermions) ایک حالت میں نہیں رہ سکتے۔ اس اصول کا اطلاق عام طور پر ایٹمی الیکٹرونز (Electrons) پر ہوتا ہے۔ جو ایک جیسے کوانٹم عدد کے سٹ (Set) نہیں بنا سکتے۔

اس اصول کی مماثلت ڈوئنگ کے نظریہ ہم وقتیت سے بتائی گئی ہے۔ پولی اور ڈوئنگ کے خیالات میں اس قدر مماثلت تھی کہ دونوں نے مل کر ایک کتب ”فلس کی توجیہ اور نوعیت“ کے عنوان سے لکھی تھی۔ اس ساری بحث میں جو بات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل نظر آتی ہے وہ ہے حلیت کے عمومی اور قبول شدہ نظریہ کا نوٹ پھوٹ جانا ہے اگرچہ ڈیوڈ ہیوم (David Hume) (1711-1776ء) نے اسباب و معلول کے نظریے پر ضرب کاری لگائی تھی، اس نے کہا تھا کہ علت اور معلول ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ علت (Cause) معلول (Effect) کی وجہ ہے، اس کے پس منظر میں ہم انسانی کا محدود ہونا بھی ہو سکتا ہے۔

یہ ایک ایسی بات تھی جس نے سب کو چوکا دیا، پھر جو بھی روایتی فلسفی آیا اس نے ہیوم کے اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی، مگر کسی سے ایسا جواب بن نہ سکا جس سے مسئلہ بحث کے لئے حل ہو سکے۔

خود آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت کے اندر ایسے مضمرات تھے، جو ایسا ہی کوئی نتیجہ پیدا کر سکتے تھے، مگر آئن سٹائن اس معاملے میں بے حد روایت پسند تھا۔ اگرچہ اس کو نوئل انعام کو انتم طبیعات کے حوالے سے ملا تھا مگر وہ کوانٹم سے حاصل ہونے والے کچھ نتائج سے اتفاق کرنے کے لئے تیار نہ تھا اور اس معاملے میں وہ بچوں کی طرح ضد کرتا تھا۔ یہ رویہ صرف اسی تک محدود نہیں، مغرب کے اکثر دانشور اس طرح کے اندھے دھبے (Blind Spots) پالتے رہتے ہیں۔ حلیت کو قائم رکھنے کے لئے آئن سٹائن نے پورا زور لگا دیا تھا مگر میں برس کی تک وہ دو میں اسے کچھ حاصل نہ ہوا بلکہ اس کی عمر عزیز کے کئی برس اور وہ بھی آخری برس، اس تعصب کی نذر ہو گئے۔

کارل ورنر ہائیزن برگ (Karl, Werner Helsenberg) (1901-1958ء) ایک جرمن سائنس دان تھا۔ اس نے شوڈرائنگر (Schrodinger) کے ساتھ مل کر کوانٹم فیلکس

کی تعمیر اضطراری تھی۔ ہائیزن برگ کی اہمیت کے اسباب تو بہت سے ہیں، مگر اس وقت ہم صرف اس کے اصولِ لا متین (Uncertainty Principle) پر بات کریں، جس نے نہ صرف طبیعیات بلکہ فلسفے پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔ اس کو ۱۹۲۷ء میں اس دریافت پر نوبل انعام دیا گیا تھا مگر ہائیزن برگ ان بڑے بڑے چند سائنس دانوں میں سے ایک تھا جو دوسری جنگ عظیم کے دوران نازیوں کے ساتھ رہے تھے، بلکہ وہ اس ادارے کا سربراہ تھا جسے ایلم ہم بتاتا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔ یہ کام اس وقت میکس پلانک انسٹی ٹیوٹ (Max Plank Institute) برلن میں ہو رہا تھا۔

جہاں تک ہائیزن برگ کے اصولِ لا متین کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے :

”اگر ایک ہی وقت میں پارٹیکل (Particle) کے مقام (Position) اور مقدارِ حرکت (Momentum) کی پیمائش کیا ہو، تو پھر خواہ پیمائش کیسی ہی صحیح کیوں نہ کی جائے حاصل شدہ نتیجے میں مقدار (Value) کے بارے میں ہمیشہ ایک بے یقینی رہے گی۔ اس بے یقینی سے نکلنے والا حصول دینا ہی ہوگا جیسے پلانک کا غیر متبدل (Constant)۔ ایسی ہی بے یقینی ایک ہی وقت میں موجود قوانین اور زمان کی پیمائش کے حلقے میں بھی ہوگی۔ یہ بے یقینی اس لئے پیدا ہوتی ہے کیونکہ دیکھنے کا نظام اس کے اندر اس طرح مداخلت کرتا ہے کہ اس کا اندازہ پہلے سے نہیں کیا جاسکتا۔ بے یقینی یا لا متین کی اہمیت ایٹمی یا ذریعہ ایٹمی (Sub Atomic) سطح پر ہوتی ہے اس سطح پر طبیعت کا قانون شہسخت کا قیام ہو جاتا ہے۔“

ڈونگ کے ہم وقتیت کے نظریے پر غور کرتے ہوئے، مجھے بار بار یہ خیال آیا تھا کہ اس نے ہائیزن برگ کے اصولِ لا متین سے کچھ نہ کچھ استفادہ ضرور کیا ہوگا، کیونکہ اس کے زمانے میں طبیعت کو توڑنے کے لئے یہی سب سے بڑی بنیاد تھی اور طبیعت پر ایسا کاری حلقہ تھا کہ تمام کلاسیکی سائنس دان اس سے ہلکا اٹھے تھے۔ ان سائنس دانوں میں خود آئن سٹائن بھی شامل تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر لا متین کا یہ اصول درست ثابت ہو جاتا ہے، تو سائنس کی کوئی بنیاد ہی نہ رہے گی اور دی بھی تو اس قدر مضبوط نہیں ہوگی، کہ سائنس دان کو ہمیشہ ہی

درست تسلیم کر لیا جائے۔ یہ گویا اقتدار چھین جانے کی گھنٹی تھی۔ اس کے بعد سائنس احتمال ہو گئی ہے، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ کسی واقع کے ہونے کا غالب احتمال ہے یا نہیں ہے۔ اس نظریے کو اگرچہ ہائیزن برگ نے اپنی اور زیر اپنی سطح تک محدود رکھا تھا مگر جب اس کا اطلاق جہاں مکبر (Macrosom) پر کیا گیا تو حیران کن نتائج برآمد ہوئے اور اب تو یہ اصول بھی چیزوں پر وارد کیا جانے لگا ہے۔

جہاں تک ڈوئگ کا تعلق ہے میں نے اس کے اجتماعی کام (Collected Works) کے انڈکس میں کہیں بھی ہائیزن برگ کا نام نہیں دیکھا اور نہ ہی اصول لائقین کا کہیں ذکر نکلا ہے۔ حالانکہ یہ اصول ہم وقتیت کو ثابت کرنے کے لئے سب سے بڑی دلیل ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، اس کی وجہ سے پارٹیکل کے مقام اور معیار حرکت کا مطالعہ ایک وقت میں ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے باعث پارٹیکل کے طور پر کردار ادا کرنے یا موج (Wave) کے طور پر نظر آنے کی کو ایک وقت میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، توانائی اور زمان کے متعلق تو اشارہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ ڈوئگ نے شاید اس سے یہ مطلب لیا ہو کہ چونکہ ان کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا اس لئے ان کے اندر ہم وقتیت کا ہونا حتمی بات ہے حالانکہ یہی ثابت بات تھی جب ان دو عوامل کو جو اس بری طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، کہ ان کو الگ ہی نہیں کیا جاسکتا تو وجہ خواہ مشاہدہ کرنے والے کی بے جا مداخلت ہی کیوں نہ ہو، تو پھر اس سے بہتر ہم وقتیت کیا ہو سکتی ہے! اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو دنیا بھر میں کچھ اور موجود ہو یا نہ ہو ہم وقتیت ضرور موجود ہے۔ میرے لئے یہ بات انتہائی حیرت انگیز تھی کہ ڈوئگ اپنے استدلال میں اسے بڑے عنصر کو فراموش کر گیا۔ ہم سب کے بلائنڈ سپاٹ ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ڈوئگ کا بلائنڈ سپاٹ (Blind Spot) ہو، اور پھر ہم پر یہ پابندی تو نہیں ہے کہ ہم ڈوئگ کے خیالات کو درست ثابت کرنے کے لئے کوئی نئی دلیل تلاش نہ کر سکیں۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ہائیزن برگ کے اس اصول کی وجہ سے جدید سائنس اور قدیم سٹی سزم (Musticism) قریب آئے ہیں اور ڈوئگ نے بھی ہم وقتیت کے ذریعے یہی کارنامہ سرانجام دینا چاہا تھا مگر اس کے معانی صرف غس تک محدود نہیں رکھے جاسکتے تھے اس کا دائرہ کار کم از کم اتنا بڑا تو ہونا چاہئے تھا جتنا کہ خود عقلی علوم کا دائرہ کار ہے۔

آپ اس پہلو پر بھی غور کریں کہ ہم وقتیت کے لئے طیت کاغالب ہو چکا ہوگا نے شرط بنا دیا تھا اور یہی کام بائین برگ نے بھی سرانجام دیا تھا پارٹیکل کے مقام اور معیار حرکت میں کسی طرح کا علقی رشتہ دریافت کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی پارٹیکل اور موج (Wave) ایک دوسرے کے لئے طیت و معلول کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ذاتی طور پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم وقتیت اور اصول لامتناہی ایک ہی شے کے دو رخ ہیں اور ان میں ویسا ہی تعلق ہے جو بین اور بانگ میں پایا جاتا ہے۔

## بار حواں باب

### اُڑن طشتری سے اُڑن کھٹولے تک

یہ تو ممکن نہیں کہ اڑن طشتری کا ذکر آئے اور ڈونگ کا ذکر نہ آئے، حالانکہ یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ اڑن طشتری سے پیدا ہونے والے تمام عوامل کا مطالعہ ڈونگ نے التزام کے ساتھ کیا تھا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ ڈونگ نے اس بظاہر بیرونی منظر کا رخ انسانی باطن کی طرف موڑ دیا تھا، چونکہ میڈیا کے نقطہ نظر سے اڑن طشتری پہلے نظر آتی تھی اور باطن کی طرف اس کا رخ بعد میں موڑا گیا تھا یا یہ بعد میں دریافت کیا گیا تھا کہ انسانی باطن کا کچھ تعلق کچھ واسطہ اس چھٹولے کی طرح گزر جانے والے آسمانی منظر سے بھی ہے۔ میں نے اس مضمون کا عنوان 'اُڑن طشتری سے اڑن کھٹولے تک' ہی لئے رکھا تھا۔ حالانکہ انسان کی تصوراتی سکریں پر اڑی کھٹولا صدیوں پہلے نمودار ہوا تھا۔ شاید اس کو ڈونگ کی زبان میں تختہ مثل یا آری کا چٹپ بھی کہا جاسکتا ہو۔

میں کو شش کرفں کا کہ اس موضوع پر معروضی بحث کی جاسکے، مگر ایسا کرنا سو فیصد ممکن نہیں ہے۔ انسان ہر چیز کو جھٹلا سکتا ہے، مگر وہ اپنے تجربے کی لٹی نہیں کر سکتا۔ بعض روایتی سائنس دان جب اڑن طشتریوں کے وجود سے انکار کرتے ہیں، تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ انسانی تجربے سے انکار ہے۔ نفسیات کے طالب علم کی حیثیت سے میں کسی توہم میں گھرے ہوئے مریض کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تو اہمات ہیں، 'واسے ہیں' تم ان کو بھول جاؤ اور اپنی ٹارل زندگی کا آغاز کرو، مرض اور اس کی صحت یابی کے درمیان ایک چیلنج ہوتا ہے، جو معالج کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ پھر معالج اور مریض نفس کے اندر ایک نا آشنا سفر روانہ ہوتے ہیں اور کچھ معلوم نہیں ہو تا کہ آگے کیا واقعہ پیش آئے گا ممکن ہے آگے کوئی ایسا جمل یا ٹرپ

(Trap) ہو جس کے اندر علاج اور مریض دونوں ہی گرفتار ہو جائیں۔

دوسری طرف یہ کہنا بھی ممکن نہیں ہے کہ اٹن فطرتی موجود ہی نہیں ہے اور وہ دیکھی ہی نہیں جاسکتی اور اس کا گزر ہمارے کنکشن کی طرف ہو ہی نہیں سکتا۔ یا یہ کہ ہمارے علاوہ کوئی ذہین مخلوق کہیں موجود ہی نہیں ہے۔ کارل ساگان (Karl Sagan) پال ڈیویز (Paul Davies) اور آئزک ایس مووف (Isaac Asimov) کی طرح ہمیں یہ تو کہنا ہی پڑتا ہے کہ ہمارے علاوہ ذہین زندگی کے ہونے کے امکانات موجود ہیں۔ بلکہ سرفریڈ ہائیکل (Fred Hoyle) کی طرح ہم پوری کائنات کو بھی ذہانت سے معمور سمجھ سکتے ہیں، اور کائنات میں بغول فریڈ ہائیکل یہ پیغام بھیجا گیا ہے کہ اگر کوئی ذہانت کہیں موجود ہے تو وہ ہم سے رابطہ کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود فریڈ ہائیکل کا خیال ہے ایسا کوئی رابطہ ستر ہزار برس تک ہونے کا کافی اہمال کوئی امکان نہیں، مگر ستر ہزار برس کائنات کی تاریخ میں (انسانی زندگی کے حوالے سے) چند سیکنڈ سے زیادہ کا عرصہ نہیں ہے۔

میں اٹن فطرتی کے اس مضمون کو کولن ویلسن (Collin Wilson) کے حوالے سے بیان کروں گا، مجھے لگتا ہے کہ اس سلسلے میں اس کی تحریریں بہت زیادہ قابل توجہ ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ اس مضمون کی حد تک میں پہلے فراہم شدہ مواد کو بیان کروں اور آخر میں میں ڈونگ کے سلسلے میں چند باتیں گوف کزار کروں، یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ڈونگ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کا آغاز کیا تھا۔

اٹن فطرتیاں بلاشبہ اس دور کا عظیم اسرار تھیں، جو دوسری جنگ عظیم کے بعد آغاز ہوئے ان کی تشریح کرنے کے لئے جو نظریات تشکیل دیئے گئے تھے، ایک طرف تو وہ یہ کہتے تھے کہ یہ کسی اور سیارے یا جہت سے آنے والی کوئی اعلیٰ تر مخلوق ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی مافوق الفطرت واقعہ ہے جو وقوع پذیر ہو رہا ہے، کچھ لوگ اسے بحوت پرست سے متعلق کوئی شے خیال کرتے تھے، وہ لوگ جو واقعی واقعات ان میں سے سب سے زیادہ مقبول ہونے والا نظریہ ڈونگ کا تھا، جس نے یہ تجویز کیا تھا کہ یو ایف او (U.F.O) (Unidentified Flying Objects) یعنی وہ اڑنے والی اشیاء جو پہچانی نہ جاسکیں۔ انسان کے لاشعور کی عکاس تھیں، یہ گویا بوسے نرم اور ملٹی انداز میں یہ کہتا تھا کہ یہ اصل میں

موجود نہیں ہیں، یا یہ گویا کسی دوجہ اے کا گلابی رنگ کا باجی تھا مگر ڈونک کے مقلدین اس امر کو نظر انداز کر رہے تھے، یا جانتے ہی نہیں تھے کہ بعد میں ڈونک نے ان مظاہر کے بارے میں کیا کہا تھا اس نے اپنی موت سے بہت پہلے اپنی سچی (Milece) کو بتایا تھا کہ وہ اس بات پر ایمان لے آیا ہے کہ یو۔ ایف۔ او حقیقت میں موجود ہے۔

اس کمانڈر کا آغاز ۲۳ جون ۱۹۴۷ء سے ہوتا ہے جب جدید دنیا میں وہ پہلی بار دیکھے گئے تھے، ایک کامیابی محض جس کا نام کینتھ آرلڈ (Kenneth Arnold) تھا اپنا ذاتی جہاز مائونٹ رینئر (Mount Rainier) کے قریب واشنگٹن ریاست میں اڑا رہا تھا اور اس کے جہاز کے پیچھے پس منظر کے طور پر ایک پہاڑی تھی۔ اس نے دیکھا کہ نو چمکدار طشتریوں بہت تیزی سے اڑ رہی ہیں، اس کے اندازے کے مطابق ان کی رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ ہوگی، یہ رفتار اس رفتار سے بہت زیادہ تھی جس پر اس زمانے میں کوئی بھی جہاز اڑ سکتا تھا، آرلڈ کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ جہاز جو کہ ایک خاص ترتیب (Formation) میں اڑ رہی تھیں جیسے ہی جیسے کہ ہنس (Geese) اڑتے ہیں، بعد میں اس نے یہ کہا تھا کہ وہ ان طشتریوں کی طرح تھیں جن کو پانی کی سطح پر چھوڑا دیا گیا ہو۔ چنانچہ اڑنے والی ان چیزوں کا نام اٹلن طشتریاں پڑ گیا۔

آرلڈ کی کمانڈ امریکہ کے اخباروں میں دور دور تک شائع ہوئی۔ آرلڈ کی شہرت بہت اچھی تھی، لہذا اس کی اس کمانڈ کو خاصی سمجیدگی سے لیا گیا، وہ اس وقت ایک ایسے جہاز کے ٹپے کی تلاش میں پرواز کر رہا تھا جو چاہ ہو چکا تھا۔ اس دوران اس نے یہ منظر دیکھ لیا تھا، لہذا اسے اس قسم کی کمانڈ کنٹرول کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چار دن کے بعد دو جہاز اڑانے والوں اور دو ڈیڑھ افسروں نے ایک تیز روشنی کو ٹھکری میں سیکول ایئر فورس بیس (Maxwell Air Force Base) پر ایک ناقابل یقین تشا کرتے ہوئے دیکھا اسی روز یہ واقعہ الاباما (Alabama) اور نویدا (Nevada) میں بھی پیش آیا، ایک اور پائیلٹ (Pilot) نے ایسے معروض دیکھے، جن کو وہ پہچان نہ سکتا تھا (U.F.O) پریس میں یہ باتیں آتی شروع ہو گئیں، تو پریس نے بھی ان کو فوقیت دینی شروع کر دی اور دھڑا دھڑا اٹلن طشتریوں کی خبریں شائع ہونے لگیں اور سال ختم ہونے تک ان نظاروں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی، اور پھر کچھ ہی دنوں میں یہ تعداد ہزاروں ہو گئی۔

اگلے ہی برس یعنی ۱۸۳۸ء کی جنوری میں ایک یو ایف او، گوڈمین فورس میں کنٹوکی (Kentucky) کے اوپر اڑتا ہوا دیکھا گیا۔ تین ایف او مسٹاگو (Mustago) طیارے تربیت کی مشق سے ہٹا کر اس کی کھوج میں بھیجے گئے، ان میں سے ایک طیارہ جسے کپٹن تھومس منٹل (Captain Thomas Mantell) اڑا رہا تھا ملے ہی باقی دونوں طیاروں سے آگے نکل گیا۔ ریڈیو ٹاور سے رابطہ کرتے ہوئے اس نے کہا ”میں اپنے اوپر اور ذرا سا آگے کوئی شے دیکھ رہا ہوں۔ میں ابھی اور اوپر اٹھ رہا ہوں۔“ ٹاور سے پوچھا گیا۔ ”وہ کیا چیز ہے؟“ جواب ملا ”یہ دھلت کی بنی ہوئی کوئی شے ہے، مگر بہت ہی بڑی ہے“ پھر اس نے کہا ”وہ شے میرے اوپر آگئی ہے اور میں اس کے قریب ہوتا جا رہا ہوں، میری بلندی اس وقت میں ہزار فٹ ہے۔“ مگر یہ منٹل کے آخری الفاظ تھے، جو اس نے ادا کئے تھے۔ اسی دن کچھ دیر کے بعد اس کے جہاز کا لہر ایئر میں سے ۹۰ میل کے فاصلے پر بکھرا ہوا تھا۔

یہ پہل چا دینے والی کہانی تھی۔ ایک ہوا باز کو اڑن طشتری نے ہلاک کر دیا تھا۔ ایئر فورس نے یہ اعلان کیا تھا کہ جس شے کو منٹل نے اڑن طشتری سمجھا تھا۔ اصل میں زہرہ (Venus) سیارہ تھا۔ اس کہانی کو گویا دیا گیا تھا کہ کسی عجیب بات ہے جب آرٹلڈ نے پہلی بار یو ایف او دیکھے تو ایئر فورس نے یہ کہا تھا کہ یہ آرٹلڈ کا فریب نظر ہے۔

اس بات سے انکار کرنا ممکن نہیں تھا کہ اخباروں میں شائع ہونے والی خبروں کی وجہ سے ایک ہشیرا (Hysteria) کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے اڑن طشتریاں دیکھی ہیں، حالانکہ انہوں نے صرف موسمی غبارے دیکھے تھے، یا پھر کسی ہوائی جہاز کی پچھلی روشنی دیکھ لی تھی۔ مگر کیا ایسا ممکن ہے کہ ہزاروں لوگ، بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ لاکھوں لوگ، سب کے سب غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہوں۔ ۱۸۹۶ء تک گیلیپ پول (Gallop Poll) نے یہ انکشاف کیا تھا کہ اب تک پچاس لاکھ امریکی باشندے اڑن طشتریاں دیکھ چکے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے تھے، جنہوں نے انہیں بے حد قریب سے دیکھا تھا۔ ابھی آرٹلڈ کی رویت کو زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ایک جہاز ایس ایس لینڈوری کیسل (SS Landoverly Castle) پرتگال صوبہ سے کیپ ٹاؤن کی طرف سفر کر رہا تھا۔ ایک خاتون سزائے ایم کنگ (A.M.King) نے جو نیوی کی رہنے والی تھیں، عرشے پر ایک اور خاتون کے ہمراہ ایک ستارے کو جہاز کی طرف آتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر ایک سرائی



دروشنی (Search Light) چلائی گئی تھی، جس نے جہاز کے ساتھ پچاس گز تک دروشنی کو پھیلایا تھا انہوں نے دیکھا تھا کہ ایک سٹیل کی شے ہے، جس کی شکل سار کی طرح کی ہے اور اسے پچھلے کنارے کی طرف سے کٹ دیا گیا ہے اور وہ جہاز سے تقریباً چار گنا بڑی ہے اور اس سمت میں سفر کر رہی ہے۔ ہر جہاز چار ہا ہے، وہ جلد ہی بہت تیز رفتاری سے غائب ہو گئی اور اس طرف سے شے نکلے ہوئے دیکھے گئے، جس طرح کنارے کو برابر کر دیا گیا تھا۔

تاہم اس قسم کی بہت سی رپورٹوں کے باوجود کہ ہزاروں بار آسٹن پر اجنبی اشیاء دیکھی گئی ہیں، ایئر فورس اس بات پر اصرار کرتی رہی کہ پروجیکٹ ایف او کا آسٹن پر نظر آ جانا دروغ گوئی ہے، غلطی ہے یا محض بکواس ہے، ایک سرکاری تحقیق جسے پراجیکٹ سائن (Project Sign) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جنوری ۱۹۵۳ء میں شروع ہوئی تھی اور بعد میں اس کا نام پراجیکٹ بلو بک (Project Blue Book) رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے شعبوں میں ایک ماہر تعلیمات جے الین ہائی ٹیک (J. Allen Hynek) تھا اس نے آواز ٹھیک سے کیا تھا مگر جلد ہی اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ پروجیکٹ ایف او کا دیکھا جانا ایک حقیقت ہے، مگر اس کے باوجود ایئر فورس اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے کے وسط تک یہ اعتقاد کہ وہ حقائق کو چھپا رہی ہے اس قدر وسیع بنانے پر پھیل گیا کہ ایئر فورس کو یہ حکم دینا پڑا کہ ایک اور سائنسی پینل (Panel) تشکیل دیا جائے۔ ایڈورڈ یو کونڈون (Edward U. Condon) ایک مشہور ماہر طبیعیات تھا اس پینل کا سربراہ مقرر کر دیا گیا یہ سارا معاملہ کولوراڈو (Colorado) یونیورسٹی کی گمرانی میں ہو رہا تھا۔ مگر جب اس نے ۱۹۶۹ء میں اپنی رپورٹ شائع کی تو یہ بات بالکل واضح تھی کہ کولوراڈو یونیورسٹی کے سائنس دان اسی نتیجے پر پہنچے ہیں، جس پر ایئر فورس کے تحقیقی کارکنانچہ چکے تھے۔ یہ رپورٹ ۱۹۶۵ء مقفلت پر مشتمل تھی۔ اس پر اخباروں نے سرخی لگائی تھی۔ آئزن عشتیاں موجود نہیں۔ ایک سرکاری بیان۔

ایک بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ بہت سی روایتیں اس قدر زیادہ بعید از قیاس تھیں کہ ان پر جنیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تحقیق کا سارا میدان ان لوگوں سے بھر گیا تھا جو دیوانگی کے عالم میں پڑے ہوئے دعوے کر کے خوش ہوتے تھے، ایک کتاب جس کا نام ۲ ڈن طشتیاں اتر چکی ہیں، (Flying Saucers Have Landed) اور پولش نسل کے امریکی باشندے جارج آڈامسکی (George Admsky) نے یہ دعوے کیا کہ ۱۹۵۲ء میں وہ اور بہت

سے طشتریوں کے دیوانے، اپنی اپنی نگاہوں میں کیلیفورنیا کے ریگستان تک جا پہنچے اور ان کو راستہ بتانے والی شے آڈا مسکی کی پیش آگاہیاں (Hunches) تھیں۔ اس نے ایک بہت بڑی سٹار کی شکل کی کوئی شے آسمانوں میں دیکھی۔ آڈا مسکی اس وقت اپنے کمرے کے ساتھ اکیلا ہی محسوس رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کوئی آدھ میل کے فاصلے پر اڈن طشتری اتر گئی ہے۔ وہ بھاگ کر اس جگہ پر پہنچا اور اس نے دیکھا کہ اڈن طشتری موجود ہے۔ ایک چھوٹا سا آدمی جس کے سر پر ہلے شالوں پر لہرا رہے تھے۔ وہاں موجود تھہ دو نوں نے اشاروں کی زبان میں ایک دوسرے سے بات کی۔ انجینیئروں نے بتایا کہ وہ وینس یعنی زہرہ (Venus) سیارے کا رہنے والا ہے۔ پھر وہ اپنے خلائی جہاز میں بیٹھا اور اڑ گیا۔ اس کے دوستوں نے یہ سارا واقعہ ایک فاصلے سے دیکھا تھا بعد میں انہوں نے اس سلسلے میں اپنے دستخطوں کے ساتھ ایک بیان جاری کیا۔ اپنی دوسری کتاب مینیس شپ کے اندر (Inside Spaceship) میں اس نے یہ بتایا کہ کس طرح وہ ایک اڈن طشتری کے سر پر روانہ ہوا تھا۔ اس اڈن طشتری کا نام سٹارٹ شپ تھا۔ وہ اپنے زہرہ کے دوست کے ساتھ تھا جس کی ہمراہی میں ایک منہ کا آدمی اور ایک زحل کا باشندہ تھے۔ اس موقع پر وہ بیس میں گئے تھے، آڈا مسکی چاند پر گیا تھا جہاں اس نے لعلتا ہوا ہنرہ دیکھا تھا وہاں درخت بھی تھے اور وہاں اس کو کچھ چہانے بھی نظر آئے تھے۔ اس کو زہرہ کی تصویریں بھی دکھائی گئی تھیں اور اس کے لئے ٹیلیوژن سکرین استعمال کی گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہاں شہریں دریا ہیں اور جمیلیں ہیں۔ آڈا مسکی ۱۹۶۵ء میں مر گیا تھا اور اس کے چار برس کے بعد پہلا انسان چاند پر اترتا تھا اور اس کے تین برس کے بعد ایک خلائی تقشیش کے سلسلے میں میری نرطانی (Mariner-II) زہرہ کے پاس سے گزرا تھا اور یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہاں کی فضا گندہک کے تیزاب سے معمور ہے اور سطح اس قدر گرم ہے کہ وہاں زندگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے آڈا مسکی کو کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ خلا کے اندر یہ چھوٹی چھوٹی تقشیشیں اس سفر کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں، جو اس نے زہرہ کے رہنے والوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ لہذا اس نے اپنی زندگی کا آخری سال ان سامعین کو ساری دنیا میں خطاب کرتے ہوئے گزرا جو یہ ایف۔ایم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

آڈا مسکی کا ایک دوست ڈاکٹر جارج ہنٹ ولیم سن (Dr. George Hunt Williamson) آڈا مسکی کی پہلی ملاقات کا چشم دید گواہ تھا ولیم

سن اہم شخصیت کی حیثیت حاصل کر گیا، اپنی کتاب "مشتریاں بولتی ہیں" (Saucer Speak) میں وہ یہ بتاتا ہے کہ کس طرح اس نے پہلی بار خود کار تحریر (Automatic Writing) کے ذریعے اٹن مشین کے مقیموں سے رابطہ پیدا کیا، اور پھر بعد میں ایک ریڈیو آپریٹر (Operator) جسے وہ مسٹر آر کے نام سے پکارتا ہے، کس طرح بغیر کس وسیلے کے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی خلائی مخلوق کا تعلق منخ (Mars) سیارے سے تھا۔ جس کو وہ لوگ ماسار (Masar) کہتے تھے، اور وہ یہ بیان کرتے تھے کہ زمین اپنے آپ کو خود تباہ کر دینے کے عظیم خطرے سے دوچار ہے۔ خیر و شر کی قوتیں اب بری طرح برسرِ پیکار ہیں، تمہاری بھا کے لئے ضروری ہے کہ تم لوگ منظم ہو جاؤ۔ بیس کے اندر موجود ذہانت، پچھلے ۵۰۰۰ برس سے اس کا مشاہدہ کر رہی ہے، اور اب وہ اس بات پر آمادہ ہوئی ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں حیران حقائق کو ظاہر کر دے تاکہ زمین کو بچایا جاسکے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بتانے پر بھی آمادہ ہیں کہ نظام کائنات میں خدا اور خالق کا کردار کیا ہے؟ ایک اور کتاب میں جس کا نام Secret Places Of The Lion (اسد کے خفیہ مقامات) میں ولیم سن نے، ان میں سے بعض رازوں کا انکشاف کیا ہے۔ اس کا دعوے یہ ہے کہ اس نے پرو (Peru) کی عظیم پناہوں کے درمیان ایک گمشدہ شہر کے عظیم کتب خانے سے بہت کچھ پڑھا ہے، اس عظیم کتب خانے میں پرانے وقتوں کا ایک عظیم استاد اب بھی بچا ہوا ہے اور کام کرتا ہے (اس عظیم استاد کی عمر ہزاروں برس ہے، وہ اس زمانے سے زندہ ہے، جب اس زمین پر دیو و نیکل گھوما کرتے تھے۔) اس کتب خانے میں، (جس کے مخلوطوں کا ترجمہ قدیم زبان سے ہوا کیوں (Monks) نے کیا ہے۔) یہ بتاتے ہیں کہ ستاروں کی مخلوق کوئی ۱۸ ملین برس پہلے (انسان کے دنیا میں ظاہر ہونے سے بہت پہلے) اس زمین پر اتری تھی اور اس کے بعد سے اب تک وہ انسان کو نمونڈ برہونے میں مدد دے رہے ہیں۔ یہ استاد (Reords) مقبروں اور خفیہ کمروں میں رکھی گئی ہیں اور ان کا ایک خلائی جہاز اس وقت عظیم اہرام مصر (Great Pyramid) کے تہ خانوں میں موجود ہے۔ یہ تہ خانے کوئی ۲۳۰۰۰ سال پہلے بنائے گئے تھے (ان کی عمر محض ساڑھے چار ہزار سال نہیں ہے، جیسا کہ مصرات (Egytologists) سمجھتے ہیں۔ خلاؤں کے رہنے والے یہ لوگ عظیم رہنماؤں کے طور پر مسلسل جنم لیتے رہے ہیں۔ وہ پوری انسانیت کے بے بدل رہنما ہیں۔ چنانچہ لی ی (Yihl) جو تیسرے امن ہو پ (Amenhotep) کی بیوی تھی شیا کی ملکہ،

نفرتی لی (Nefertiti) کو جو ملکہ گوئی ریٹر (Guinevere) بنی (یعنی بادشاہ آر تھری کی بیوی) اور پھر جان آف آرک (Joan Of Arc) جبکہ مصر کا شہزادہ سیتی (Seti) مسیح (Isaah) کا پھر ارسطو بنا اور پھر کتب مقدس کا پڑھتا (John) اور پھر لیونارڈو ڈا وینچی (Leonardo Da Vinci)۔ اسد کے خفیہ مقامات اصل میں کرتا ارض کی تاریخ ہے اور اسے بطور ایک تاریخی تفریح، بلاشبہ ایک اعلیٰ مقام کا درجہ ملنا چاہئے۔ مگر اس بات کی معافی دلیم سن کو مل جانی چاہئے کہ اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جس طرح آڈا مسکی اپنا پہلو بچا کر صاف نکل گیا تھا ایسا ہی خوش قسمت وہ بھی ہو گا۔

اذن عشقروں کے قصے کہانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کولن دلسن نے ”ہلو گروں کی صبح“ (Morning Of The Magicians) کا ذکر بہت تعجب انگیز جڑائے میں کیا ہے۔ یہ کتاب لوئیس پوڈر (Louis Pauels) اور جیکس بریجر (Jacks Bergler) نے لکھی تھی اور فرانسیسی زبان میں ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی اور شائع ہوتے ہی اس نے تسلسلہ چاڑھا تھا۔ یہ کتاب دو ناموں سے انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہے، ”دو سرا نام Dawn Of Magic ہم نے اس کتاب کو ایک سنجیدہ کتاب کے طور پر پڑھا تھا اور اب ڈونگ پر کتاب لکھتے ہوئے میں نے غامض اصرار کے بعد محترم اشفاق احمد سے یہ کتاب حاصل کی تھی۔ اس کتاب کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے قرون وسطیٰ کے خالق کو غیر متعصب انداز میں بیان کیا تھا اور کچھ ایسے خالق کی نشاندہی کی تھی جس کو موجودہ مغربی دانشور جان بوجھ کر چھپا رہے ہیں۔ اب کولن دلسن کے حوالے سے یہ کتاب ایک غیر ذمے دارانہ تالیف بیان کی گئی ہے۔ میں اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر اتنی بات ہے ضرور کہ اس میں درج شدہ خالق غلط اور غیر سنجیدہ نہیں ہیں۔ بعض باتیں متنازع ہو سکتی ہیں اور ممکن ہے غلط بھی ہوں۔

ڈونگ کی کتاب میں یہ باب شامل کرتا بعض قدر نین کی نظر میں غلط بات ہو سکتی ہے، مگر اس باب کے حوالے سے میں وہ پس منظر بیان کرنا چاہتا ہوں جس میں عقلی علوم کو جدید عہد میں سمجھا اور پرکھا جاتا ہے۔ عقلی علوم کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سراسر دھوکا ہے، یا وہ محض سچائی ہے۔ درست نہ ہو گا یہ ایک ایسی زمین ہے جس پر پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑے گا۔ ایسا کوئی معیار فراہم نہیں کیا جاسکتا ہے جس کی مدد سے ہر بات کو پرکھا جاسکے۔ مگر ڈونگ

کے حوالے سے اہم بات یہ نہیں ہے کہ یہ حقائق درست ہیں یا غلط ہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ انسانی نفس ان سے کس طرح متاثر ہوتا ہے اور کس طرح ان کے ذریعے اپنا اظہار کرتا ہے۔ اس کہ ارض پر انسان نے لاکھوں برس گزارے ہیں اور ان برسوں میں وہ جن تجربات سے گزرے ان کا ایک عکس انتہائی لاشعور میں موجود ہے۔ جب ڈونگ نے انتہائی لاشعور کو دریافت کیا تو اس کا اگلا قدم عقلی علوم ہی ہو سکتے تھے۔ انسانی نفس کی حد تک جدید سائنس ایک بہت سی نئی چیز ہے، جس کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں اس کو ابھی ایک طویل مدت درکار ہو۔ مگر جو رشتے انسان اپنے ارد گرد بنا چکا تھا وہ ایک لمحے کے اندر ختم نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے میں نے پچھلے باب میں پہلے عقلی علوم کو بیان کیا پھر ان کے سلسلے میں ڈونگ کی توجہ پر غور کی۔

جدید سائنس کا رویہ ان کو انکف کے سلسلے میں ہمدردانہ نہیں ہے، انہوں نے جو معیار بنا لیا ہے، ہر شے کو اسی کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں بھی بہت جلدی کرتے ہیں، لہذا جو کچھ وہ رد کرتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد ہر اوقات قبول کرنا پڑ جاتا ہے اور جو کچھ قبول کرتے ہیں اس کے رد کئے جانے کے امکانات سے بہر حال انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مہلاد گروں کی صبح کا ترجمہ دنیا کی کئی زبانوں میں ہوا تھا اس کے حوالے سے بہت سے اسرار زیر بحث آئے تھے، ان میں کیمیا گری، علم نجوم، کالا جادو، قدیم زمانے کے انسانی شاہکار (Artefacts) اور اہرام مصر کو زیر بحث لایا گیا تھا۔ مگر اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تاریخی زمین پر بہت سا ایسا علم موجود ہے، جو دوسری دنیاؤں سے آنے والے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ مثال کے طور پر وہ کتے ہیں کہ پیرس نقشے (Piri Rel's Maps) جن کا تعلق ۱۶ ویں صدی کے ساتھ ہے، جس میں قطب جنوبی (Antarctica) کو دکھایا گیا ہے (اگرچہ اس کی دریافت تین سو برس بعد تک ہو سکی تھی) اسی نقشے میں ایک ہل بھی ہے جو ساہیو اور لاسکا کے درمیان بنا ہوا ہے۔ یہ ہل ہزاروں برس پہلے معدوم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ برنگ سٹریٹ (Berling Strait) نے لے لی تھی۔ اس کے بعد وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دو ہزار برس سے بھی پہلے اس زمین کا سردے (Survey) فضا سے کیا گیا تھا۔ ان باتوں کے علاوہ بھی یہ کتب قطبوں سے بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر اس میں چری ریس (Piri Rel's) کا ذکر ہے ایک ترک قزاق تھا (اس کی گردن ۱۵۳۵ء میں اڑا دی گئی تھی) اس کو انیسویں صدی کا امریکن ٹوی کا افسر ظاہر کیا گیا ہے، مگر ان سب باتوں کو باوجود یہ حقیقت

ہے کہ اس کتب نے تسلسلہ چا دیا تھا اور یوں گنا تھا جیسے اس نے ان یوفالوجسٹوں (Ufologists) کے لئے مواد فراہم کر دیا ہے، جن کو یقین ہے کہ ان طغیانیوں کی صدیوں سے ظاہر ہوتی چلی آ رہی ہیں، اور ان کا خیال ہے اس کا ذکر تو انجیل میں بھی موجود ہے۔ (جیسے پیٹر زنگل (Ezekiel) کا آتشیں رتھ (Fiery Chariot)۔

لیکن قدیم زمانے کے خلا نوردوں (Astronaut) کی کہانی ۱۹۶۷ء میں آخر کار اپنے کمال کو پہنچی اور اسے بے شمار سامعین میسر آ گئے۔ یہ سب کچھ ایک کتاب کی وجہ سے ہوا جسے آئندہ کی یادداشت، 'Memories Of The Future' کہا جاتا ہے، انگریزی میں اس کا ترجمہ 'Charlots Of The Gods' کے نام سے ہوا ہے۔ ایک انگریزی اخبار نے قسط وار شائع کیا اور اس کا عنوان "کیا خدا ایک خلا نورد تھا؟" رکھا، اس کتب کے مؤلف ایمرک وان ڈینیکن (Erich Von Deniken) نے بہت کچھ دوسرے دوسرے سے اکٹھا کیا۔ مگر یہ بتانے کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ مستعار ہے۔ اس میں جن لوگوں سے استفادہ کیا گیا تھا ان میں ولیم سن، بریجر اور پاؤڈر وینر شامل تھے مگر اس نے خود اپنی شہادت بتائی اور اسے انفرادی طرز امتیاز (Panache) ظاہر کیا۔ اس کا سارا استدلال بنیادی طور پر اس ادعا پر انحصار کرتا تھا کہ بہت سی قدیم یادگاریں (Monuments)۔ اہرام مصر، ایسٹرنائی لینڈ شے چوز (Easter Island Statues)۔ ایسٹرنائی لینڈ شے چوز کے اہرام اور کارٹک کے کلاس سنگ (Megazlithes Of Carnac) اور Stonehenge۔ خلا سے آنے والے لوگوں کی مدد سے بنائے گئے تھے۔ کیونکہ ان کو بنانے کے لئے جو ٹیکنالوجی استعمال ہوتی ہے، وہ ان لوگوں سے بہت بلا تھی، جن سے یہ منسوب کئے جاتے ہیں۔ یہ جھوٹ کا ایک بلند ہے۔ مثال کے طور پر وہ اہرام مصر کے وزن کو پانچ سے ضرب دیتا ہے اور پھر ایسی کہانیاں بیان کرتا ہے، جو ہمیشہ کے راز میں (Epic Of Gilgamesh) کے اندر، اس کے حوالے کے باوجود موجود نہیں ہیں۔ اس کے تمام بڑے دلائل ناقص ثابت ہو چکے ہیں۔ وہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ ایسٹرنائی لینڈ شے چوز کے مجسمے اتنے بڑے ہیں کہ مقامی لوگ ان کو نصب نہیں کر سکتے تھے۔ مگر ایک مم کے دوران تصور ہیڈال (Thor Heyerdahl) نے ایسٹرنائی لینڈ شے چوز کے جدید باشندوں کو اکٹھا کر کے وہ ایک ایسا ہی نیا مجسمہ بنائیں اور اس کو نصب کریں۔ یہ کام انہوں نے چند ہفتوں میں کر دکھایا۔ ڈینیکن نے اس بات پر بھی اصرار کیا تھا کہ اہرام مصر بھی خلا نوردوں کے بنائے

ہیں، کیونکہ مصریوں کے پاس اسی قسم کی کوئی شے نہیں تھی، لیکن جو تصاویر ابرام کے اندر موجود ہیں ان میں اس کے استعمال کو بھی دکھایا گیا ہے۔ جس شے کے بارے میں ڈینی کن کا دعویٰ تھا کہ وہ کسی ایسے انسان کی تصویر ہے جو پینس شپ میں اوپر کی طرف اٹھ رہا ہے، یہ تصویر گوئٹے ملا (Quate Mala) کے پینلک (Palenque) مقبرے کے ایک تھوڑے پر بنی ہوئی ہے، مگر اس کے محقق یہ کہتے ہیں یہ ملایا مذہب کی ایک عمومی مذہبی تصویر ہے۔ جو اس کی بنیادی علامتوں سے بھری ہوئی ہے۔ پھر وہ یہ بیان کرتا ہے کہ چرو (Peru) کی وادی میں بنے ہوئے پراسرار نازکا (Nazca) خطوط کسی ایسی تشکیل (Structure) کی مثال ہیں، جس کا مفہوم صرف اس وقت واضح ہوتا ہے، جب اسے بلندی سے دیکھا جائے اور پھر وہ کہتا ہے کہ یہ خلائی جہازوں کے احتمالی بڑے مستقر تھے، اس نے ایک تصویر بنائی اور ایک کو کھڑے بھی دکھایا تھا لیکن یہ خطوط کنکروں سے بھرے ہوئے ریگستان کی سطح پر پھیلے ہوئے ہیں اور اگر کوئی جہاز واقعی وہاں اترے تو اس کی قربت کی وجہ سے یہ ٹکراؤ جائیں گے۔ جس شے کو جہازوں کے ٹھہرنے کا مقام بتایا گیا تھا وہ کسی پرندے کی ٹانگ کے گھٹنے کی ہڈی کی تصویر تھی اور اتنی بڑی نہیں تھی کہ اس پر ایک سائیکل بھی کھڑی کی جاسکے۔ ڈینی کن نے اصرار کیا تھا کہ یہ کسی ایڈیٹر کی غلطی ہے، مگر اس کے باوجود یہ تصویر کتاب کے اگلے ایڈیشن کے اندر بھی موجود تھی۔

ریگستان کی سطح کے بارے میں ڈینی کن کا رویہ احتمالی دلیرانہ تھا۔ ایسی ہی ایک مثال Gold Of The Gods میں بھی نظر آتی ہے۔ جہاں ڈینی کن ہڈیوں کے ڈھانچے کی فوٹو گراف دکھاتا ہے، جو پتھر کے اندر کھودی گئی ہے اور یہ سوال اٹھاتا ہے کہ ایکسے کی ایبلہ سے پہلے قدیم بہت تراش آخراں ہڈیوں کے بارے میں کیسے جانتے تھے۔ وہ یہ بھول گیا کہ دنیا کا ہر قبرستان ان ہڈیوں سے بھرا ہوا ہے۔ پھر اسی کتب میں ڈینی کن نے دعویٰ کیا کہ وہ ایک زیر زمین شہر کے اندر گیا تھا جہاں اس نے کتابوں کی ایک خفیہ لائبریری دیکھی تھی، یہ کتابیں وحشت کے اور اہل کی مد سے بنی ہوئی تھیں۔ اس کا ساتھی ایک مم جو جو ان مورکز (Juan Moricz) تھا۔ جب مورکز نے اس کتاب کی صحت سے مکمل طور پر انکار کر دیا تو پھر ڈینی کن نے جلدی جلدی میں یہ استدلال آگے بڑھایا کہ اس نے زیر زمین لائبریری کا قصہ خود گھڑا تھا مگر اس کے ساتھ ہی اس بات پر اصرار کیا کہ جرمنی میں مقبول نان فکشن (Non Fiction) مصنفین کو یہ اجازت ہوتی ہے کہ وہ بعض خاص اثرات پیدا کرنے کے

لئے ایسی باتیں بھی بیان کر دیں جو سفید جھوٹ ہوں، بشرطیکہ وہ صرف واقعاتی ہو اور ان سے حقیقت بخروج نہ ہوتی ہو۔ مگر ان قبائلوں کے باوجود جو اسے بار بار اٹھانی پڑی تھیں۔ ڈینی کن مزید کتابیں لکھتا رہا اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ دعوے بھی کرتا رہا کہ اس کی ہر کتاب خلاؤں ووں کے نظریے کو کسی بھی طرح کے شبہ و شبہ سے بالاتر کرتی چلی جا رہی ہے۔

یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ جو فالو پیسوں کی کتابوں کے سلاطین نے عجیبہ تحقیق کرنے والوں کے لئے تسخیر اور تحقیق کا کون کون سا موقع پیدا نہیں کیا ہو گا۔ مگر اس کے باوجود کچھ اسٹپلی ضرور موجود ہیں۔ جے ایلن ہائی نک (J. Allen Hynek) جیسا کہ ہم پہلے بھی مشاہدہ کر چکے ہیں، وہ پراجیکٹ نیلی کتاب (Project Blue Book) کا حصہ ہے اور جن خواہد کا اس نے آخر کار مطالعہ کیا، اس سے اس پر یہ نکلا کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کتنے دیوانے سادہ لوح لوگ، اور سفید جھوٹ بولنے والے حقیقتوں کو مسخ کرنے کی کوشش کریں۔ حقائق ہر صورت یہ تو ثابت کر دیتے ہیں کہ اٹن مشینوں کا وجود ہے اور خلائی انسان بھی موجود ہیں۔ یہ ہائی نک ہی تھا جس نے "تیسری قسم کے قریبی سامنے" (Close Encounter Of The Third Kind) کی اصطلاح بنائی تھی، جس کا مطلب ایسا آسان سامنا تھا جو زمین پر اتری ہوئی اٹن مشین اور انسان جیسی مخلوق (Humanoids) کے ساتھ ہوا ہو، اس نے اپنے باب کا آغاز اسی سے کیا تھا اس کی کتابیں The U.F.O Experience اور A Scientific Enquiry ہیں اب ہم یو۔ایف۔او کے ایک ایسے پہلو کی طرف آتے ہیں جو سب سے زیادہ عجیب اور ناقابل یقین ہے۔ سچی بات تو یہ ہے، اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس باب ہی کو نظر انداز کر دیتا مگر کیا کیا جائے، اس سے سائنسی ارتباط بخروج ہونے کا خطرہ ہے۔ وہ اس سلسلے میں بہت سے واقعات بیان کرتا ہے اگرچہ وہ بہت مشتبہ لگتے ہیں مگر ان کی ایسی شواہد ہیں جو اس کو اس طرح دوہرا نہیں کیا جاسکتا۔ میں ایک ہی اس طرح کا واقعہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

۹ اگست ۱۹۵۵ء کو کن ٹوٹی کے ایک مقام کیلی۔ ہوپ کنس ویلے (Kelly Hopkins Ville) میں کھیتوں کے درمیان ایک اٹن مشین اتری ہوئی دیکھی۔ ایک گھنٹے کے بعد سٹن (Sutton) خاندان کے لوگ کتوں کے بھونکنے کے باعث، اپنے فارم ہاؤس میں کسی اجنبی کی موجودگی کے بارے میں آگاہ ہوئے اور انہوں نے ایک چھوٹا سا آوری



دیکھا جس میں سے روشنی نکل رہی تھی اور اس کی آنکھیں بہت بڑی تھیں اور اس کے بازو اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ سٹن خاندان کے دو لوگوں نے اس پر گولی چلائی، ایک گولی راتفل سے اور دوسری شلت کن سے چلائی گئی، اور ایسی آواز آئی گویا یہ گولیاں کسی ہائٹی یا ڈول (Bucket) سے نکل رہی ہوں، غلاورد پیچھے کی طرف مڑا اور جلدی جلدی قدم اٹھانے لگا، پھر کمڑی پر ایک اور چوہہ ظاہر ہوا ایک بار پھر راتفل چلائی گئی اور پھر وہ یہ دیکھنے کے لئے بھاگے کہ آیا اس کو گولی لگی بھی ہے یا نہیں، بھران میں سے ایک پھت کے ایک ایسے حصے کے نیچے آکر ٹھہر گیا جو بہت نیچا تھا، ایک بچہ قسم کا ہاتھ اوپر سے آیا اور اس نے ایک کے ہاتھ کو پھولیا، جو مخلوق پھت پر تھی پھر اس پر کچھ ہاز کئے گئے، جو اس کو سیدھے گئے، مگر اس کے بازو وہ مخلوق نیچے اترتی اور جلدی جلدی بھاگتے گئی اس کے بعد تین کھینے تک خاندان کے گیارہ رکن وہیں بند رہے کیونکہ دروازے کو باہر سے کٹدی لگا دی گئی تھی اور انہوں نے غلاوردوں کو کمڑیوں میں سے دیکھا۔ پھر آخر کار وہ کسی طرح بند دروازوں سے باہر نکلے، دو کاروں میں بیٹھے اور کاروں سمیت قریبی قحطی تھانے میں پہنچ گئے مگر پچیس غلاوردوں کا کوئی نشان تلاش نہ کر سکی، لیکن جو خنی وہ پٹے گئے غلابی مخلوق پھر سے ظاہر ہو گئی۔ اگلے دن پچیس کے آرٹسٹ نے ان سے کہا کہ وہ بتائیں کہ انہوں نے کیا دیکھا تھا جو تصویر بن کر سامنے آئی، وہ ایک چھوٹی سی مخلوق تھی، جس کا سر گول تھا اور آنکھیں اڑن طشتری سے مشابہ تھیں اور ان کے بازو ان ٹانگوں سے دگنے لمبے تھے۔

اس کہانی کی وجہ سے سٹن خاندان کے افراد کو بہت ڈرایا دھمکیا گیا مگر وہ سنجیدہ تحقیق کار جنہوں نے انہیں سوال کئے تھے، ان کو اس بات پر ذرا سا بھی شبہ نہیں تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ بالکل درست ہے۔

شاید غلابی انسان سے آمنے سامنے کا جو واقعہ سب سے زیادہ مشہور ہے، وہ بارنے (Barney) اور ہیلی ہل (Betty Hill) کا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۱ء میں وہ کینیڈا میں چھٹیاں گزار کر نیو ہیمپشائر (New Hampshire) کے رستے واپس آ رہے تھے، تو انہوں نے ایک اڑن طشتری کو زمین پر اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ کھینے کے بعد انہوں نے خود کو اس مقام سے ۳۵ میل دور پایا اور اس اثنا میں ان کے ذہن سے یہ بات اتر چکی تھی کہ انہوں نے رستے میں کیا دیکھا تھا۔ پھر انہوں نے لسیان (Amnesia) کے ماہر سے مشورہ کیا، جس نے ان کو پچھلتا

(Hypnotise) کر دیا۔ اس ڈاکٹر کا نام ڈاکٹر بنجمن سیمن (Dr. Benjamin Simon) تھا۔ پھر انہوں نے اپنے طور پر بتایا کہ ان کو اذن عظمیٰ پر لے جایا گیا تھا اور ان کو لے جانے والے بہت سے لوگوں نے ایک خاص قسم کی وردی پہن رکھی تھی اور دیکھنے میں یہ لوگ انسانوں کی طرح لگتے تھے (بارنہ کہتا ہے کہ ان کو دیکھ کر اسے آئرلینڈ کے سرخ بابوں اور سفید چہرے والے لوگ یاد آتے ہیں) پھر ان کو بہت سے طبی تجربوں سے گزارا گیا تھا جلد اور ہاتھوں سے کھینچ کر کچھ اندازہ بھی لگایا تھا۔ جی ہاں کہتی ہے کہ اس نے اپنی ٹانگ میں سوئی گھسی ہوئی محسوس کی تھی پھر ان کو چھانڈا گیا اور کہا گیا کہ تم سب کچھ بھول جاؤ اور جو واقعات ہوئے ہیں ان سب کو بیکسر فراموش کر دو۔ پھر اس نے ان پر تمام تجربات کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہے تھے بالکل درست تھا۔ کیونکہ ان کے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ چھانڈازم کی حالت میں بھوت پولیس اور یہ بات بھی اہم تھی کہ شعوری سطح پر تو وہ اس واقعے کو فراموش کر ہی چکے تھے۔ جو کچھ ان کو یاد دلایا گیا تھا وہ شعوری حالت میں وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔

مگر ایک ایسا واقعہ بھی ہے جس کو ہم حتمی رابطہ کہانی کہہ سکتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک ۲۳ سالہ برازیلی کسان کے ساتھ پیش آیا، جس کا نام انٹونیو ولاس بوس (Antonio Villas Boas) تھا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ولاس بوس، یہ دعوے کرتا ہے کہ وہ کھیت کے اندر مل چلا رہا تھا کہ بیضوی شکل کا ایک یو۔ایف۔او اس کے ٹریکٹر کے آگے آکر اتر گیا۔ اس نے بھاگ جانے کی کوشش کی، مگر ایک انسان نما مخلوق جس نے سلیٹی رنگ کا ایسا لباس پہنا ہوا تھا جو ان کے جسموں کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اور ان کے سروں پر ہلمٹ (Helmet) تھے۔ انہوں نے اسے زبردستی پکڑا اور اذن عظمیٰ کے اندر لے گئے۔ وہ جب باہر نکلتے تو یوں لگتا کہ جیسے وہ تیز اور ہارنیک آواز میں چلا رہے ہیں یا بھونک رہے ہیں، ولاس بوس کے تمام کپڑے اٹار دیئے گئے پھر اس کو نسلایا گیا اور اس کے خون کا نمونہ حاصل کیا گیا۔ اس کے بعد ایک نہایت خوبصورت ساڑھے چار فٹ قد کی عورت کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ اس نے جلد ہی ولاس بوس کو آکسلیا کہ وہ اس کے ساتھ جنسی اختلاط کرے۔ وہ کہتا ہے کہ اختلاط کے دوران بار بار غرائی تھی جس سے اس فعل میں خلل پڑتا تھا اور وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ گویا وہ کسی جانور کے ساتھ جنسی فعل کر رہا ہے۔

دلاس یوس کی کملنی ایسی ہے کہ فوری طور پر سفید جھوٹ قرار دینے کو جی چاہتا ہے مگر صرف ایک وجہ سے ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر اولاولونی فون نے (Dr. Olavo T. Fontes) نے جب اس کا معائنہ کیا تھا اور یہ معائنہ آہستہ آہستہ ہونے کے فوراً بعد کیا گیا تھا تو اس نے دریافت کیا تھا کہ دلاس یوس تابکاری (Radiation) کی خاصی مقدار میں سے گزر چکا ہے اور اس کی ٹھوڑی کے کنارے پر جہاں سے اس کا دعوے تھا کہ سربج چھوٹی گئی اور خون نکلا گیا ہے واضح نشانات موجود تھے جو اس کے بیان کی تصدیق کرتے تھے۔ دلاس یوس کی کملنی خاصی تفصیل کے ساتھ اور حاشا کرنے والی دستکریات کے ساتھ چارلس بون (Charles Bowen) کی کتاب انسان نما (Humanoid) میں موجود ہے۔

ہائی ٹک کی طرح ایک جرنلسٹ جون کیل (John Keel) اس وقت تک اڈن عشتروں کے بارے میں شکوک و شبہات ہی کا شکار رہا حتیٰ کہ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس معاملے پر پوری سنجیدگی سے غور کرے گا اور تصدیق کرے گا۔ بجائے اس کے کہ پہلے سے طے شدہ فیصلے کی بنیاد پر اسے رد کر دیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء میں اس نے ان اڈن عشتروں کی ایک ڈوکومنٹری (Documentary) تیار کی جو آسمان پر نظر آتی تھیں اور اس کے نتیجے میں وہ اس موقف پر پہنچا کہ اڈن عشتروں اتنی زیادہ تعداد میں دیکھی گئی ہیں کہ ان کو لفظی یا جھوٹ کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر ۱۹۵۳ء میں اس نے مصر میں پستایو-ایف-او دیکھا وہ دھات کی پلیٹ سی تھی جس کے گرد ایک پسہ تھا جو گھوم رہا تھا اور یہ منظر اس نے اسوان ڈیم پر دن کی روشنی میں دیکھا تھا مگر اس کے باوجود یہ فیصلہ اس نے ۱۹۶۶ء میں کیا تھا کہ وہ اس موضوع پر زیادہ سنجیدگی سے غور کرے گا اور جو کچھ اسے حاصل ہوگا اسے ایک پریس کٹنگ بیورو (Press Cutting Bureau) میں دیتا رہے گا۔ فوری طور پر جس شے نے اسے حاشا کیا وہ ان لوگوں کی تعداد تھی جنہوں نے آسمانی اشیاء کو دیکھا تھا۔ اکثر اوقات وہ دن بھر ۱۵۰ کنکٹو جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا (اس زمانے میں پریس کی کلپنگ (Clipping) چھ پنس میں پڑتی تھی لیکن بیس برس کے بعد اخراجات اس قدر زیادہ ہو چکے ہیں کہ یہ کسی عام اخبار نویس کے بس کا کام نہیں رہ گیا) اس کے ساتھ یہ بھی پوری طرح واضح ہو گیا کہ جو کچھ وہ جمع کر رہا تھا وہ اصل اشاعت کا ایک بہت ہی معمولی حصہ تھا اور ہزاروں رویتیں جو اخباروں میں شائع ہو رہی تھیں ریکارڈ کا حصہ نہیں بنتی تھیں۔ (ایسے مضامین کے سلسلے میں مشکل یہ ہے کہ وہ اصل

راستہ تبدیل کیا تھا۔ (ہمت سی یو۔ ایف۔ او رپورٹوں میں یہ ذکر آتا ہے کہ اس نے اڑتی ہوئی شے نے مقدادہ حرکت کے قانون (The Law Of Momentum) کی خلاف ورزی کی تھی اور انتہائی تیزی کے ساتھ وہ زاویہ قائمہ (Right Angle) پر مڑی تھی اور پھر وہ پھاڑوں میں غائب ہو گئی تھی۔

کیل کی دلچسپی اس بات میں بھی تھی کہ خلا نوردوں کے بارے میں رپورٹ اور ان لوگوں کے بارے میں بیان جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ انہیں یہ بائوق القطرت تجربہ ہوا ہے سوازدہ کیا جائے۔ وہ فرشتہ جس نے جوزف سمتھ (Joseph Smith) کو ہدایات دی تھیں۔ یہ صاحب سورا سونز (Mormons) فرقے کے سربراہ ہیں کہ وہ جائیں اور مد فون سونے کی تختیاں برآمد کریں۔ ایک مماثلت رکھتے ہیں ان قصوں سے جو کوا مسکی نے خلا نوردوں کو بیان کرنے کے لئے بنائے تھے، اور ایسے بہت سے دوسرے لوگ بھی ہیں۔ پہلی جگہ عظیم کے دوران فاطمہ (Fatima) پر کھل کے مقام پر تین بچے ایک چراگاہ میں کھیل رہے تھے کہ انہوں نے روشنی کا ایک ہل سا چمکتا ہوا دیکھا اور اس میں سے ایک عورت کی آواز آئی (ان تینوں میں سے دو نے یہ آواز سنی۔ اس شے کو بھی نے دیکھا تھا، اس سے یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ آواز ان کے ذہنوں کے اندر تھی، معروضی دنیا میں نہیں تھی۔ ایک جھوم نے اس جگہ جمع ہونا شروع کر دیا، وہ ہر مینے وہاں آتے تھے جہاں لہڈی روزی (Rosary) تین بچوں کے سامنے ظاہر ہوئی تھی۔ صرف بچے ہی اس کو دیکھ سکتے تھے یا اس کی آواز سن سکتے تھے۔ پھر اس خاتون نے کہا کہ میں دنیا کو قائل کرنے کے لئے ایک مجبور کروں گی۔ گھرے بادل جو ہر سمت چھائے ہوئے تھے کور میان میں سے پھٹ گئے اور ایک بہت بڑی چاندی کی ڈسک ظاہر ہوئی اور وہ جھوم کے سروں پر بیچنے کی طرف آئی۔ اس وقت وہاں ستر ہزار لوگوں کا مجمع موجود تھا۔ وہ تیزی سے گھومی، پھر اس نے ہلکورے کھائے اور اس کے بعد کیل کے یو۔ ایف۔ او کی طرح جھوم اس نے دیکھے تھے، اس نے اپنے تمام رنگ بین (Spectrum) کے مطابق تبدیل کئے۔ سب نے اسے دس منٹ تک دیکھا اور اس کے بعد وہ شے پھر سے گھرے بالوں کے اندر غائب ہو گئی۔ یہ واقعہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء کا ہے۔ اس اڑن طہشتی کو چراگاہ کے باہر بھی بہت سے لوگوں نے دیکھا۔ اس کی موجودگی کی وجہ سے حرارت اس قدر زیادہ تھی کہ جھوم کے کیلے کپڑے خشک ہو گئے۔ کیل نے دوسروں مجبوروں کے علاوہ اس مجبورے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (ایسا ہی ایک مجبور

جرمنی میں ہیڈ Heede کے مقام پر بھی ہوا تھا) اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ عجیب و غریب بات ہے کہ ان کے سب سے حد مماثلت ہو۔ ایف۔ او کے بارے میں موصول شدہ اطلاعات سے ہے۔

یو۔ ایف۔ او کے ان معاملات کے ساتھ ضرور کوئی بد قسمتی متعلق ہوگی۔ یعنی شاہدوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ سرکاری اہلکاروں نے انہیں ڈرا دھمکایا اور کہا ہے کہ اس معاملے میں مکمل خاموشی اختیار کی جائے۔ یہ اہلکار عموماً سیاہ لباس میں ہوتے تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی وہ فنی یونیفارم میں بھی دیکھے گئے ہیں۔ مگر حکومت کے کسی شخص نے تو ان کے بارے میں سنا بھی نہیں تھا، برج پورٹ (Bridge Port) کے البرٹ کے بینڈر (Albert K Bender) جن کا تعلق کوئیک ٹی کٹ (Connecticut) ریاست سے تھا، ۱۹۵۳ء میں اس نے اچانک اپنا بین الاقوامی فلائنگ سوسر پیرو بن کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ کالے رنگ اور چمکتی ہوئی آنکھوں والے تین آدمیوں نے اسے مجبور کیا ہے کہ وہ اپنی تحقیقات کا سلسلہ بند کر دے۔ یو۔ ایف۔ او کے ساتھ ذوق و شوق رکھنے والے کئی شائقین نے حکومت کو اس کا اسے دار قرار دیا۔ مگر اس برس کے بعد جب بینڈر نے اپنا احوال شائع کیا تھا یہ کھلا کہ کوئی ایجنسی حلقوں اس کام میں شامل تھی۔ یہ تینوں آدمی اس کے گھر ہی میں مادی صورت میں ظاہر ہوئے تھے اور پھر ویسے ہی غائب بھی ہو گئے تھے اور ایک بار وہ اس کو قلعہ جنوبی کے یو۔ ایف۔ او میں پر لے بھی گئے تھے، یہ ہیں جیکس ولی (Jacques Vallee) میں ہے۔ ایک اور سائنس دان جو یو۔ ایف۔ او کے معاملات میں دلچسپی لینے لگا تھا اس نے یہ نوٹ کیا تھا کہ اس کہانی اور قرون وسطیٰ کی پریوں اور جنوں کی کہانیوں میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔

جب کیل نے مغربی ورجینیا (West Virginia) میں یہ تفتیش شروع کی کہ کس طرح وہ بڑے بڑے پردوں والا جو تیز رفتار گاڑیوں کے مقابلے میں بھاگ سکتا ہے کون تھا؟ تو اس کا آہنا سامنا ایسے عناصر سے ہوا تھا جو اسے مزید تفتیش کرنے سے روک رہے تھے۔ ایک فوٹو گرافر نے ایک اکیلی گلی میں اس کی تصویر اندری تھی اور پھر وہ بھاگ گیا تھا۔ پھر اس کی ایک دوست گرے بارکر (Gray Barker) نے یہ بتایا تھا کہ اسے ان کی ملاقات کے بارے میں دو دن پہلے سے اطلاع دے دی گئی تھی، جبکہ یہ بات کیل سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ رابطہ کرنے والے اس کو فون کرتے تھے اور کہتے تھے کوئی تم سے ملنا چاہتا ہے اور وہ اس وقت ہمارے ساتھ ہے۔ اس سے بات کرنا پھر جو شخص فون پر بات کرتا تھا اس کی آواز عجیب و غریب تھی

(اور اسے بعض اوقات یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ کسی ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جو نراس (Trance) میں ہے۔ کیل کو یہ ہدایت دی گئی کہ ایسے جوں پر خط لکھے، جو بعد میں تفتیش کرنے پر سامعہ و پائے گئے، تاہم اسے اپنے خطوط کے جواب بلاناخبر مل جاتے تھے اور جواب پیش بلاک لیٹرز (Block Letters) میں ہوتا تھا، ایک بار ایسا ہوا وہ ایک ایسے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا جس کا انتحاب اس نے یونانی کر لیا تھا، پہلے سے اس کی کوئی پانگ نہ تھی، مگر جو نئی وہ ہوٹل میں پہنچا ڈسک پر اس کے نام کا ایک پیغام پڑا ہوا تھا، وہ ساتھ میں پیشین گوئیوں (Mothma n Prophecies) میں لکھا ہے :

"مجھے یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی مجھے کہتا چاہتا تھا کہ جو حرکت بھی تم کرتے ہو، ہم اس کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہیں، تمہاری ہر فن کال کے بارے میں ہمیں معلوم ہے اور میری لاک پر بھی ان کا مکمل کنٹرول ہے۔" اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب تھے۔

پھر ان ناآمنیوں نے بہت سی پیشین گوئیاں بھی کی تھیں، اس میں مارٹن لوتھر کنگ (Martin Luther King) کے قتل کی پیش گوئی بھی تھی اور دابرٹ کینڈی پر ایک منظم حملے کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ پاپ کوئٹز کو چنے کی کوشش کی جائے گی، مگر ان کی تدبیریں ناکام ہوئی تھیں۔ کیل نے اس سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ ہمارا کر، ارض ایسی قوتوں پر عناصر کے زیر مطالعہ ہے، جن کا مکانی زمینی سلسلہ (Space Time Continuum) ہم سے مختلف تھا۔

ایک برطانوی جی۔ ایف۔ او۔ کا ماہر برنسلی لے پور ٹرنچ (Brinsley Le Foer Tranch) جو اصل میں کلن کارٹی کا نواب (Earl Of Clancarty) اپنی تحقیق کے بعد کچھ اس قسم کے نتیجے پر پہنچا تھا۔ جو اس نے Operation Earth میں لکھا تھا اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے :

----- مجھے لگتا ہے کہ دو طرح کے ایک دوسرے سے بالکل متضاد وجود (Entitles) ایسے ہیں، جو ہم میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پہلے تو وہ ہیں، جو حقیقی آسمانی مخلوق ہیں اور وہ ازل سے ہمارے بارگرو موجود رہے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں، جو اس کہ ارض کے اس

پاس کہیں رہتے ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض کا خیال یہ بھی ہے کہ وہ زمین کے باطن میں بھی جاگزیں ہیں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ آسمانوں میں جنگ جاری ہے اور اس کے یہی دونوں فریق ہیں۔ یہ مت سمجھئے گا کہ یہ جنگ ان معنوں میں جاری ہے، جن معنوں میں انسانوں کے مابین لڑائی ہوتی ہے۔ یہ ایک ذہنی جدل ہے اور ہر فریق کی خواہش یہ ہے کہ انسانیت کے ذہنوں پر اپنا مکمل تسلط قائم کرے۔

جیکس وائی جو ان سنجیدہ ترین اور ذہین ترین نگہداروں میں سے ایک ہے، جنہوں نے اس موضوع کو اپنے لئے پسند کیا وہ بالآخر اسی نتیجے پر پہنچا، اس سے پہلے کسی گلی کتابیں، جن میں Challenge To Science: Anatomy Of A Phenomenon اور U.F.O Enigma شامل ہیں۔ اس نے ان میں مذکور، رپورٹوں کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق اور احتیاط سے کیا، یہ بہت جامع مطالعہ تھا جس میں ثبوتات کے جدول بھی شامل تھے۔ پھر اس نے کہا کہ Passport To Mangolia (۱۹۷۰ء) میں ہمیں یو۔ایف۔او کے باشندوں کی جو تصویر نظر آتی ہے۔ وہ تصویر منگولیا کے قرون وسطیٰ کے باشندوں سے ملتی جلتی ہے۔ یہ علاقہ بادلوں کی سرزمین سے بھی اونچا ہے، بہت سے ایسے دیسوں کے مقابلے میں، جن کی آبادی خاصی گھٹان ہے۔ ۱۹۷۷ء میں وہ ایک عجیب و غریب نتیجے پر جا پہنچا کہ یو۔ایف۔او کا سارا معاملہ اصل میں سائی گنگ معاملہ ہے، یہ خیالات اس نے اپنی کتاب The Invisible College میں ظاہر کئے۔ ”وگھائی نہ دینے والی درنگاہ“ اصل میں سائنس دانوں کا ایک گروہ ہے، جو یو۔ایف۔او کے مظاہر کا مطالعہ کر رہا ہے اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ عام سائنسی رویہ ان کے لئے خاصہ حیرانہ ہے، مگر وہ اس سے مرعوب نہیں ہوتا۔ والی خود تو کمپیوٹر کا ایک ماہر تھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یو۔ایف۔او ایک کنٹرول سسٹم ہے اور اس سے انسان پر خاص طرح کے اثرات مرتب کرنا مقصود ہے۔ پھر اس نے ۱۹۷۹ء میں Messenger Of Deception میں اس بات کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ایک برس تک میں نے یو۔ایف۔او کے مظاہر اور سائی گنگ مظاہر کے مابین مماثلت تلاش کی ہے۔ میں اب یہ نہیں سمجھتا کہ اژدہا عسکری خلائی جہاز یا مشین ہے۔ خواہ اس کا اخراج (Propulsion) کیسا ہی پراسرار کیوں نہ ہو۔ پھر وہ اپنے کمپیوٹر کی طرف پلٹا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کا سب سے واضح نتیجہ یہ لگتا ہے کہ منظر

کسی مشروطی (Conditioning) عمل کا کردار ادا کرتا ہے۔ مشروطی عمل اپنے مطلوبہ نتائج کو حاصل کرنے کے لئے بے معنویت اور الجھاؤ پیدا کرتا ہے اور کبھی اپنی میکانیت (Mechanism) کو ظاہر نہیں کرتا۔ پھر میں نے مماثلت کی یہی سائنس یو۔ ایف۔ او کی کتابوں میں دیکھنی شروع کر دی۔

بے معنویت اور الجھاؤ یقیناً یو۔ ایف۔ او کی کتابوں کے ایسے پہلو ہیں، جن سے پریشانی اور الجھن پیدا ہوتی ہے۔ والی نے نظر نہ آنے والی درگاہ کا پورا باب یوری گیلر (Uri Geller) واقع کے لئے مخصوص کیا ہے۔ گیلر ایک اسرائیلی نفس دان (Psychic) تھا اور وہ بغیر ہاتھ لگائے دھات کی چیزوں کو موڑ سکتا تھا۔ اور ایک سائنس دان ایڈری جاپوہارچ (Andrija Puharich) کی دریافت تھا۔ گیلر کی قوتوں نے دنیا بھر میں اپنے لئے بے پناہ دلچسپی پیدا کر لی اور ایسا ہونا گزیر تھا کہ اس کے بارے میں کسی جاننے والی کتاب ہاتھ فروخت نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ پوپہارچ کی کتاب Uri : A Journal Of The Mystery Of Uri Geller (۱۹۷۷ء) کچھ اس انداز کی کتاب تھی کہ اس نے پوپہارچ کی حیثیت بطور ایک سنجیدہ تحقیق کار کے تباہ کر دی، یہ کتاب ایسی باتوں سے بھری ہوئی تھی، جو حیران کن حد تک الجھی ہوئی تھیں۔ بعد از قیاس تھیں اور ایسی تھیں کہ ان کی کوئی تشریح پیش نہ کی جاسکتی تھی۔ اور میں گیلر کو ملنے سے کئی برس پہلے پوپہارچ ایک ہندو نفس دان کے ساتھ پڑھتا تھا جس کا نام ونود (Vinod) تھا۔ جب ونود ٹرانس میں چلا جاتا تھا اور وہ کسی انگریز کے لمبے میں بولنا شروع کر دیتا تھا۔ ٹرانس میں آئی یہ شخصیت اپنے آپ فوق انسان ذہانت کے نو کے گروہ کار کن ظاہر کرتی تھی۔ جو کئی ہزار برس سے انسانوں کا مطالب کرنا چلا آ رہا ہے، اور جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو ان کے ارتقاء میں مدد دے، تین سال کے بعد میکسیکو میں سفر کرتے ہوئے، پوپہارچ ایک امریکی ڈاکٹر سے ملا تھا۔ جس نے ہمیں ذہانت کے طویل پیچلمات اس تک پہنچائے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ ونود سے ملے ہوئے پیچلمات ہی کے سلسلے کو آگے بڑھاتے تھے۔ جب پوپہارچ ۱۹۷۷ء میں گیلر کو ملا تھا تو نو کا ہر ایک ہر پھر کتابی میں آ شامل ہوا تھا۔ جبکہ گیلر ٹرانس میں تھا تو ایک آواز اس کے سر کے اوپر ہوا میں گونجی کہ گیلر کو ہمیں ذہانت نے پروگرام کیا ہے (Programmed)۔۔۔۔۔



اس وقت سے جب اس کی عمر صرف تین سال کی تھی، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو اپنے آپ کو مکمل جہی کی طرف لے جانے سے روکا جائے۔ پوہارج بحریہ- ایف۔ او کی کئی روایتوں کو بیان کرتا ہے اور بے شمار ناقابل یقین واقعات کا ذکر کرتا ہے جس میں اشیاء ظاہر ہوتی ہیں اور چھپ جاتی ہیں اور نیپ کئے ہوئے پروگرام خود بخود اور پراسرار طریقے سے صاف ہو جاتے ہیں۔ کولن ولسن کہتا ہے کہ پوہارج نے اس کو ذاتی طور پر یہ یقین دلایا تھا کہ کچھ واقعات ان سے بھی کہیں زیادہ عجیب و غریب تھے، مگر وہ اس نے اس لئے بیان نہیں کئے کہ لوگ کسی طرح ان پر یقین لانے کو تیار ہی نہیں ہوں گے۔

جب پوہارج نے گیلر سے علیحدگی اختیار کر لی، اس کے باوجود نو کا گروہ مختلف دسیوں (Mediums) کے ذریعے اس پر اثر انداز ہوتا رہا۔ سٹوارٹ ہل اوایڈ (Stuart Holoyd) نے یہ کہانی

Prelude To A Landing On Planet Earth میں بیان کی ہے۔ یہ ان واقعات سے بھی کہیں زیادہ حیران کن ہے، جو پوہارج بیان کرتا رہا ہے۔ نو کے گروہ نے آخر کار پوہارج کو اپنے ساتھیوں سمیت مشرق وسطے میں اور دور دراز مقامات پر ایسی مسات پر بھیجا، جن کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا، ان کا بڑا مقصد یہ تھا کہ امن کے لئے دعا کی جائے اور بحریہ کی ذہانتوں نے یہ اطلاع دی کہ انہوں نے اس کو مکمل جہی سے بچالیا ہے۔

حقیقت یہ ہے 'معمولوں' (Mediums) کا ذکر کرنا اس اسرار کے لئے ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ جدید روحانیت پسندی (Spiritualism) انیسویں صدی کے وسط میں پیدا ہوئی اور اس نے اپنا اہمکار سولہ سترہ برس کی دو لڑکیوں کے ذریعے سے کرنا شروع کیا، جن کا نام فاکس (Fox) تھا پھر جلد ہی ہزاروں معمولوں نے پراسرار دستک کو پیدا کرنا شروع کر دیا (اس دستک میں ایک بار ہاں کے لئے اور دو بار نفی کے لئے مقرر کیا گیا تھا) پھر انہوں نے ڈھول اور دوسری موسیقی کے آلات ہوا میں اڑانا شروع کر دیئے اور یہ آلات خود بخود چلتے بھی گئے، اور ان سے روحانی آوازیں بھی نکلنے لگیں۔ بلکہ کچھ پر چھانپاں بھی ظاہر ہونے لگیں۔ خصوصاً اس وقت جب بے خودی (Trance) کی کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ کوئی شخص جس نے ان مظاہر کا مطالعہ کمرانی میں کیا، یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کے سب فراڈیے تھے۔ یہ بات بھی دھیان میں رہنی چاہئے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھ لا شعور کی وجہ سے ہوتا ہے اور بہت سے لوگ

اس عمل میں شریک ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں کہی جاسکتی، کئی بار ایسا ہوا کہ روجوں نے اپنی بات کو ٹکڑوں میں مکمل کیا اور ہر ٹکڑے کے لئے الگ الگ معمول کو استعمال کیا گیا۔ پھر جو پیغام مرتب ہوا میں لکھ جیسے کسی جگ ساپزل (Jigsaw Puzzle) کے ٹکڑے آپس میں جڑ گئے۔

مگر جو شے اس موضوع کے طلباء کے لئے بالکل واضح ہو گئی وہ یہ تھی کہ روجوں کو ان کی اپنی بتائی ہوئی قدر (Valuation) پر نہیں لینا چاہئے۔ کیونکہ اکثر اوقات وہ دروغ گوئی کا ارتکاب کرتی ہیں۔ ایمانول سویڈن بورگ (Emanuel Sweded Borg) انھارویں صدی کا ایک صاحب کشف (Visionary) جس کا ذکر ڈونگ کے حوالے سے پہلے بھی آچکا ہے۔ ڈونگ اس سے بے حد متاثر ہوا اور کہا جاتا ہے کہ ڈونگ کی روحانیت کی نشوونما میں اس کی تحریروں نے بہت بڑا کردار ادا کیا تھا، قہہ خیز دار کیا تھا کہ بنیادی طور پر روح کی دو اقسام ہیں۔ ایک کا تعلق عالم بالا سے ہے اور دوسری کا تعلق عالم زیریں سے۔۔۔۔۔ ایک سائی کیمسٹرسٹ (Psychiatrist) ویلسن وان ڈوسن (Willson Van Dusen) جس نے حقائق (Hallucination) کے ہزاروں مریضوں کا مطالعہ کیا تھا اور اس کا تعلق کیلے فوریا کے میٹروکینو شیٹ ہسپتال سے تھا اس کا کہنا ہے کہ مریض محسوس کرتا ہے کہ اس کا تعلق کسی اور دنیا سے یا پھر کسی اور مخلوق سے اور زیادہ تر کا خیال ہوتا ہے کہ مخلوق زندہ ہے اور اب بھی موجود ہے۔ سب کو اس بات پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہیں حقائق کا مریض سمجھ لیا گیا ہے پھر اس نے یہ بھی کہا کہ حقائق کو سویڈن بورگ کے دو ذموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی مددگار دوہین (مریضوں کے پانچویں حصے کا تعلق اس ذمرے سے ہوتا ہے) اور واضح طور پر غیر مددگار دوہین، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مریض کے لئے پریشائیں، صعوبتیں اور دکھ پیدا کریں۔

یہ بات طے ہے کہ یہ کسی بھی نارمل یا عموماً صاحب ہوش انسان کے لئے بہت بڑا قدم ہے کہ وہ اس بات کو قبول کرے کہ بغیر جسم کی روحیں موجود ہیں (Discarnates)۔ تاہم اس کے باوجود اگر کوئی صبر کے ساتھ اور کھلے دل کے ساتھ شہادتوں کا مطالعہ کرے، تو وہ بلاشبہ اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ کوئی بھی ایسا شخص جس نے کبھی خود کار تحریر (Automatic Writing) کے لئے کوشش کی ہے یا او ای جا بورڈ (Omlja Board)

اور ٹیبل ٹرننگ (Table Turning) کا مطالعہ کیا ہے۔ شاید اسی نتیجے پر پہنچا ہے کہ کچھ نہ کچھ ایسی ذہانتیں ضرور موجود ہیں، جو انسان کے وسیلے سے اپنا اظہار کرنا چاہتی ہیں، لیکن اگر اس بات کو ٹھیک ٹھیک متعین کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ کون ہیں تو پھر معاملہ بہت سمجیر ہو جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ بعض کو ہم سمجیدگی سے لے سکتے ہیں، باتوں کو نہیں۔ کچھ تو ایسی ہیں، جن کا کردار قرون وسطیٰ کے جن بھوتوں سے ملتا جلتا ہوا ہوتا ہے۔ جو بس بھوت ہوتے اور قہرے گھڑتے چلے جاتے ہیں اور وہ یہ سب کچھ کسی لمائی انگلیخت پر کرتے ہیں۔ کچھ ذہانتیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن کو پول نٹی ایسٹ (Poltergeist) کہا جاتا ہے۔ وہ اس قابل ہوتی ہے کہ اپنے ہونے کو یوں بھی ثابت کر سکتی ہیں کہ کسی شے کو کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اڑاتا ہوا دکھادیں یا پھر بڑے بڑے دھماکے کریں اور توڑ پھوڑ سے بھی باز نہ آئیں۔ پول نٹی ایسٹ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی تیزی سے اڑتی ہوئی شے کو اپنا رخ تبدیل کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور یہ بھی کچھ اچانک وقوع پذیر ہوتا ہے اور یہ وقوع پذیر کی نوعیت تو انہی حرکت کی صریح خلاف ہوتی ہے اور یہی خصوصاً عام طور پر اژن طشتریوں کی بھی بیان کی جاتی ہے۔

بیکس واپس اس بات کو خاص طور پر بیان کرنا پسند کرتا ہے کہ کئی بار یہ دیکھا گیا ہے کہ اژن طشتریوں یا اڑنے والے دوسرے معروض اس طرح اپنا کردار ادا کرتے ہیں کہ گویا وہ اس تصور (Notion) کو رد کر رہے ہیں کہ وہ کسی اعلیٰ تہذیب کے بنائے ہوئے مصنوعہ (Artifact) ہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں جو بجلی فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ کچھ زمین کے اندر پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کچھ غباروں کی طرح ایک دم بہت زیادہ پھول جاتے ہیں اور پھر اچانک غائب ہو جاتے ہیں۔ کچھ غلافوں کے ایسے ہوتے ہیں، جو دوسروں کے خیالات کو پڑھ لیتے ہیں اور مستقبل میں ہونے والے واقعات پہلے سے بیان کر دیتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو پوہارچ کے، نو کے گرد، کی طرح اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ وہ انسان کو کسی حیران کن واقع کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ جیسے یو۔ ایف۔ او کا زمین پر اتر جانا، لیکن ایسا مادی طور پر ہو نہیں پاتا۔

یہ بہت سی احتمالات بات ہوگی اگر ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ اژن طشتریوں یا اڑنے والے

دوسرے معروض قرون وسطی کے جن بھوت ہیں یا پھر انیسویں صدی کی ایسی ادولج جو ہم سے رابطے کی خواہش مند ہیں۔ والی کا ایمان یہ ہے کہ یہ مظاہر ہماری تربیت (Heuristic) کے لئے ہیں۔ یعنی یہ ہمیں کچھ سیکھنا چاہتے ہیں۔ جدید سائنس اور فلسفے نے ہمیں کائنات کے بارے میں مادی نظریات کی تعلیم دی ہے کہ ہر ذرہ شے ایک ایسا حادثہ ہے جس کے وقوع پذیر ہونے کے امکانات ایک ارب میں ایک تھے اور انسان کی حقیقت محض یہ ہے کہ وہ دماغ ہے اور ایک جسم ہے۔ ڈونگ نے اپنی کتاب "آؤن غشتریاں" انسان پر نظر آنے والی اشیاء کی ایک جدید (Thing Seen In The Skies:)

میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ممکن ہے اڑنے والے معروض جدید انسان کی وہ شدید خواہشات ہوں جو وہ مذہب کے معطل کے لئے رکھتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ والی ڈونگ کے اس نظریے کے مضمرات کو اصول طور پر قبول کرتا ہے۔ ڈونگ کی طرح اس کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ ایسے سانحات ہیں کہ جتنا نظر آتے ہیں اس سے بہت زیادہ ہیں۔ والی اپنی کتاب Messenger Of Deception میں یہ بتاتا ہے کہ اس کی دلچسپی ایک ایسے مذہبی فرقے کے ساتھ ہے "جو آرڈر آف فکلی ڈے ڈک (Order Of Melchizedec) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس کا ایمان یہ ہے کہ اس نے اپنے مذہبی نظریات غیر زمینی (Extra Terrestrial) ذہنوں سے حاصل کئے تھے۔ اس نے بائبل میں مذکورہ نئی فکلی ڈے ڈک کے بارے میں تمام اطلاعات جمع کئی شروع کر دی تھیں۔ فروری ۱۹۷۶ء میں اس نے ایک غلوں ٹیلیویزیون پر رادیو سے جب رسید مانگی تو اس نے جو رسید اس کو دی اس پر فکلی ڈے ڈک کے نام کے دستخط موجود تھے۔ پھر اس نے فکلی ڈے ڈک نام کو لاس اینجلس کی ٹیلیویژن ڈائریکٹری میں درج کروانا شروع کیا وہاں اس نام سے ایک ہی فون نمبر موجود تھا۔

اس سے والی دنیا کی حقیقت کے بارے میں ایک دلچسپ اندازہ لگاتا ہے۔ وہ یہ اشارہ کرتا ہے کہ ہم اپنے مکالماتی تسلسل کے اسیر ہیں، اور کسی بھی لائبریری میں ہمارے علم کی عظیم حروف چھٹی کے اعتبار سے ہے مگر جدید زمانے کے کمپیوٹر سائنس دانوں نے ایک اور نظام نکال لیا ہے، وہ اپنے وصول شدہ دیکھار کو ہر طرف پھیلا دیتے ہیں۔ اور اس کی بنیاد بعض کلیدی الفاظ کو بنا دیتے ہیں۔ پھر اس نے یہ نتیجہ نکالا اور فکلی ڈے ڈک سے اس نے یہ اندازہ

لگایا کہ ممکن ہے دنیا میں ایک ایسا مواد ہو جو بے ترتیبی (Random) کی بنیاد پر بنایا گیا ہو اور اسے لاجبیری کی طرح مرتب ہی نہ کیا گیا ہو۔ کہیں ٹرے کی کسی لاجبیری میں اگر کوئی طالب علم مائیکرو ویو (Microwave) یا سرور کے پارے میں استفسار کرے، تو اسے ایسے درجنوں مضامین مل جائیں گے، جن کے پارے میں اسے یہ گمان بھی نہ ہو گا کہ وہ وہیں موجود ہیں۔ والی نے جب کبھی زے ڈک کے پارے میں معطوم کیا تو کسی ٹرس دان کہیں ٹرے کیا۔ ”اچھا اس کے پارے میں کیا خیال ہے؟“

اپنی کتاب The Flying Saucer Vision (۱۹۶۱ء) میں انگریز مصنف جون مچل (John Michell) بھی آغاز ٹرونک ہی سے کرتا ہے۔ مچل ٹرونک کے اس تصور کو حلیم کر لیتا ہے کہ یو۔ایف۔او کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس خلاء سے ہے جو مذہب کے نہ ہونے سے پیدا ہوا ہے اور یہ خلاء خود جدید انسان کے اندر موجود ہے۔ ٹرونک نے اپنی کتاب جدید انسان روح کی تلاش میں (Modern Man In Search Of A Soul) میں اس نظریے کی بنیاد رکھ دی تھی، حالانکہ اس وقت اٹن طشتریوں کے پارے بہت مواد موجود نہیں تھا اور نہ ہی اس کتاب میں یو۔ایف۔او کا ذکر آتا ہے، مگر اس میں یہ ضرور کہا گیا ہے کہ جدید انسان کو کسی طرح کے مذہبی نظام کی بے حد ضرورت ہے تاکہ وہ مذہب کے نہ ہونے سے پیدا ہونے والے خلاء کو کسی نہ کسی طریقے سے پڑ کر سکے۔

مچل اپنی کتاب میں یو۔ایف۔او کا تعلق کسی نہ کسی طرح دیو آؤس سے متعلق کسانوں سے جوڑتا ہے۔ یہ دیو نا اٹن طشتریوں میں زمین پر اترتے ہیں اور اس کے متعلق بھی دان ڈینی کن سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ اگرچہ اس کا استدلال کہیں زیادہ بہتر اور متاثر کرنے والا ہے۔ مگر مچل نے یو فالوئی (Ufology) کے مضمون میں اپنی طرف سے کچھ ایسا اضافہ بھی کیا ہے، جو اسی کا حصہ ہے، اپنی تحقیق کے دوران اس نے ایلفرڈ واٹ کنز (Alfred Watkins) کی کتاب The Old Straight Track (۱۹۲۵ء) کا حوالہ دیا ہے جس میں واٹ کنز یہ کہتا ہے کہ متصل علاقے میں (Countryside) میں زمین کو سیدھی لکیروں سے تقسیم کیا گیا ہے، جو اصل میں تاریخ سے پہلے زمانے کے راستے تھے، یہ وہ راستے تھے جو مختلف مقامات کو مقدس عبادت گاہوں اور دوسرے اہم مقامات کو آپس میں ملاتے تھے۔ واٹ کنز ان کو لے

لائنز (Ley Lines) کا نام دیتا ہے۔ پگل اس پر یہ استدلال کرتا ہے کہ یہ وہی راستے ہیں جس کو اژدہوں کے راستے (Dragon Paths) یا Lung Mei کہتے ہیں۔ چینیوں کی سائنس نگہ شوائی (Feng Shui) اصل میں فیمینٹری اور ایک مذہبی نظام ہے، جو انسان اور قدرت کے مابین ہم آہنگی پیدا کرتی ہے یہ زمین کو ایک زندہ مخلوق خیال کرتا ہے۔ نگہ مانی زمین کی سطح پر قوت کے خطوط ہیں اور اس کو بہاد ہونے سے روکتے ہیں۔ پگل کو غلط فہمی ہوئی تھی، یہ سیدھے خطوط نہیں ہیں۔ ویت کنز کی طرح چینی باشندے بھی سیدھے خط کو نگہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کی اصل خوبی یہی ہے کہ وہ فیمینٹری میٹر می ہوں، لیکن پگل، وائٹ کنز کے ماورا ایک اور پوزیشن اختیار کرتا ہے، وہ ان کو زمین کی کسی قوت کا منظر سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ قدیم انسان ان خطوط کو مقدس مقامات سے متعلق تواریکی کا اصرار سمجھتا تھا، جہاں یہ خطوط ایک دوسرے کو کاٹتے تھے، وہ زیادہ اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ پگل کہتا ہے کہ اژن طعشتریاں ارضی مقامات سے نظر آتی ہیں، خاص طور پر ان جگہوں پر جہاں پر یہ خطوط ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔ جیسے وائٹ شائر میں وار فیلڈ کا مقام جہاں سے بہت زیادہ بار اژن طعشتریاں دیکھی گئی ہیں۔ ایک اور کتب Undiscovered Country مصنفہ سٹیفن جیکنز (Stephen Jenkins) جو ان معلومات کا جدید تحقیق کار ہے، کہتا ہے کہ جہاں ایسے خطوط ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں، وہیں باوقی الطعشتریاں واقعات رونما ہوتے ہیں۔ ان میں جن بحوث کا نظر آ جاتا یا پولیٹری ایسٹ کے واقعات کا ہونا بھی شامل ہے۔ اس میں غیر باوقی مخلوق کے جھنڈ بھی دیکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس معاملے میں بھی ہمیں ی۔ ایف۔ او اور باوقی الطعشتریاں کے مابین ایک تعلق نظر آتا ہے۔

اسی ضمن میں دو اور تحقیق کاروں کا ذکر کر دیتا مناسب ہوگا۔ ٹی سی لیٹھ برج (T.C. Lethe Bridge) اور ایف ڈی ایچ ہولی ڈے (F.W. Holliday)۔ لیٹھ برج کیمرج کا ریٹائر شدہ سربراہ جامد (Don) تھا، جو، طوسی چھتری سے پانی تلاش کرنے (Dowsing) اور پنڈولم (Pendulum) کے ذریعے زمین کے نیچے مختلف دھاتوں کو تلاش کرنے کے عمل میں دلچسپی لینے لگا تھا (اس کے بارے میں خاصی تفصیل کولن ولسن کی کتب Mystries میں موجود ہے)۔ ۱۹۷۱ء کے قریب جب وہ مر رہا تھا تو اس نے اژن طعشتریوں میں بھی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی اور اپنی ایک کتب میں جس کا نام Legend Of The Son Of God (۱۹۷۳ء)

ہے، اس نے کہا تھا کہ ممکن ہے اژدہا طشتریوں کا تعلق قدیم الہادہ پتھروں (Standing Stones) سے ہو، ممکن ہے یہ پتھر بنائے جانے میں ان اژدہا طشتریوں کو رستہ دکھانے کے لئے لگائے گئے ہوں۔ لیستہ برج کو زمینی خطوط (Ley Lines) کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا مگر حیرت انگیز بات ہے کہ اس نے جو نتائج نکالے تھے، ان کی بے حد مماثلت پگھل کے نکالے ہوئے تھیوں کے ساتھ تھی۔

ایف ڈی ایچ ہالی ڈے۔ قدرت پسند (Naturalist) تھا اور ایک زیرک صحافی بھی تھا اس نے لوچ نرس کے دیو ویکل (Lochness Monster) کے اسرار پر ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں یہ تحریر کیا تھا کہ وہ ایک بہت بڑا حلزون (Slug) یا کیڑا (Worm) ہو۔ یہ لفظ اس نے قدیم وسطی کے حوالے سے لکھا تھا جس کا مطلب اژدہا ہوتا ہے، مگر پھر کئی برس تک اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے یہ کہا تھا کہ موج نرس دیو ویکل اور دوسرے بڑے بڑے مونسٹر (Monster) ویسے ہی فریب دی ہوں، جیسی کہ پوٹالوئی کے ماہروں کے لئے اژدہا طشتری ہے۔ پھر وہ اس بات پر مکمل ایمان لے آیا تھا کہ اژدہا طشتریوں اور جمیل کے دیو ویکلوں کا تعلق ایسی چیز (Phantom Menagerie) سے ہے، اس نے اپنے اس نقطہ نظر کو The Dragon And The Disc میں واضح کیا تھا اور پھر اس کے مرنے کے بعد شائع ہونے والی کتاب The Goblin Universe میں، والی کی طرح وہ بھی یہ سمجھنے لگا تھا کہ یو۔ایف۔او کے سنے کا عمل نفسی سطح پر تلاش کیا جانا چاہئے۔ یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ بعد میں جمع شدہ کوائف اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنی جلد بازی میں یہ کہہ دیں کہ یہ خلائی جہاز کسی اور کشتیوں سے نہیں آئے۔ ایسے معطلات کے سلسلے میں ذہن کو کھلا رکھنا ہی دانش مندی کی دلیل ہے۔

اب تک جو مواد میں نے اس مضمون میں دیا ہے اس کا بنیادی حوالہ کولن دلسن ہے کولن دلسن نے اپنی کئی کتابوں میں یو۔ایف۔او کے مسئلے کو چھیڑا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے غیر متعصب ہو کر اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں دلسن کا نام بھی آتا ہے، ویسے بھی، جیسا کہ آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ مضمون اتنا بڑا اور اتنا الجھا ہوا ہے کہ اس پر لکھنے کے لئے تحقیق کار کو ایک مرگ لگتی ہے۔ فی الحال یہ میرا موضوع بھی نہیں ہے۔

ژونگ کے بارے میں لکھتے ہوئے اس کا ذکر کچھ اس انداز سے آتا رہا ہے کہ میری خواہش تھی کہ میں اپنے قارئین کو اس کا ایک مختصر سا خاکہ دکھا دوں، ابھی کچھ کما نہیں جاسکتا کہ یہ موضوع بالآخر کسی نوعیت کا ثابت ہوگا۔ مگر اس کے سلسلے میں ایک بات تو طے ہے کہ اژن طشتریاں بقول سائنس دانوں کے اگر وجود نہ بھی رکھتی ہوں، تو بھی انسان کے نفس کے اندر ان کی کار فرمائی موجود ہے۔ لہذا ان اژن طشتریوں کا سراغ صرف آسمانوں پر ہی نہیں، نفس کے اندر بھی لگایا جاسکتا ہے اور اس سلسلے میں بے حد اہم نام ژونگ کا ہے۔ ژونگ پر کوئی ایسی جامع کتاب لکھنا ممکن نہیں ہے، جو اس مسئلے پر روشنی نہ ڈالتی ہو، اس مضمون کے اندر بھی اگرچہ بعض اشارے کئے گئے ہیں، مگر بہتر ہوگا کہ ہم ژونگ کی نفسیات کا مطالعہ اس حوالے سے بھی کریں۔

ژونگ نفسیات دانوں کے اس کردہ کا سرخیل ہے جو اپنے کام کی بنیاد آرکی ٹائپ، بہت زیادہ اہمیت والی رمزیت (Symbolism) مرکزی تصور (Motif) یا ان اشکال پر رکھتے ہیں، جو سب کے لئے تقریباً ایک جیسے معانی کی حامل ہوتے ہیں۔ یہ سہل، ژونگ کے قول کے مطابق، ایسے ہوتے ہیں کہ وہ لاشعور کی گہرائیوں سے ایک ہی وقت میں برآمد ہوں اور کسی بھی انسانی تخلیق میں، طاقتور جذبات اور قوت عقیدہ کو جنگنے کے بعد، بروئے کار آجائیں۔ ان کی تخفیم حاصل کرنے کے لئے، یا یہ جاننے کے لئے کہ ان کی نوعیت اور مضمرات کیا ہیں۔ ژونگ نے انسانی اعمال کے اندر سے بے شمار حتمی حلاش کئے ہیں۔ مگر یہ انسانی اعمال کا وہ حصہ ہے جو غیر عقلی ہے اور جس کا تعلق مذہب اور اساطیر سے ہے، وہ قدیم ہے، پرانی رسومات اور نظام عقلی مثلاً کیسائیگری اور علم نجوم اس میں شامل ہیں، مگر اس کے باوجود یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ آرکی ٹائپ ابھی تک جدید انسان کے نفس کے اندر زندہ و تلبندہ ہیں، وہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ خوابوں میں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آرٹ میں فوک لور (Folk Lore) میں اور بیسویں صدی کی قبل اساطیر میں باورِ ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

مثال کے طور پر وہ کہتا ہے کہ ایک اسی سادہ دھاتی محتاج کی بنی نے خوابوں کا ایک سلسلہ دیکھا اس میں اپنی طرف حوجہ کرنے والی ایک خاص مثالیت موجود تھی۔ ژونگ کا خیال ہے کہ اس کا تعلق بہت ہی قدیم زمانے سے تھا۔ ان خوابوں میں اس نے سیٹگوں والے دیو ویکل سادہ دیکھے تھے، جن کا تعلق اس نے سولہویں صدی کے کیسائیگری کے اس ادب سے جوڑا تھا۔



جس میں اس طرح کے سانچوں کا ذکر آتا رہتا ہے۔ پھر اس خواب میں لڑکی نے خدا کو چار سمتوں سے آتے ہوئے دیکھا تھا۔ ممکن ہے یہ دنیا کے چاروں کونٹ ہوں، مگر لڑکی اس بات کو واضح نہ کر پائی تھی۔ اس کے بعد ڈونگ چار سمتی خدائی کا ذکر کرتا ہے۔ یہ تصویر تثلیث (Trinity) سے پہلے موجود تھا، مگر پھرے نویں صدی میں اس کو فراموش کر دیا گیا۔ پھر ڈونگ نے کہا کہ یہ نفسی سی لڑکی ہماری توجہ رحمت کی کئی لائبریریوں کی طرف مبذول کروا رہی ہے مگر یہ وہ آرکی چنپ ہیں جو اجتماعی لاشعور کے حوالے سے ساری انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہیں۔

ڈونگ کا عقیدہ ہے کہ انہی آرکی چنپ میں ایک تیشال قرص (Disc) کا بھی تھا۔ یہی جدید زمانے کا یو۔ایف۔او ہے۔ سب سے پہلے تو وہ اس سوال کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہے کہ جو کچھ ہمیں آسمانوں پر نظر آتا ہے وہ خود بھی ہے یا نہیں ہے کہ ایسے لوگ پچھٹا ہیں جن کا ایمان ہے کہ وہ یو۔ایف۔او دیکھ چکے ہیں کہ یہ ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ ہم مونس (Mons) کے فرشتوں میں ایمان رکھتے ہیں۔ بہت سے فوجیوں نے یہ بتایا تھا کہ انہوں نے یہ شبیس اس وقت دیکھی تھیں، جب شدید لڑائی ہو رہی تھی اور جس کے بعد برطانوی فوج کو ۱۹۱۳ء میں مونس میں پیچھے ہٹنا پڑا تھا اب اس بحث میں کیا پڑنا کہ وہ فرشتے اصلی تھے یا فوجیوں کے ذہن کے اندر موجود تھے، جو کچھ بھی تھا وہ ان فوجیوں کے لئے حقیقی ہی تھے۔ خواہ اس کی وجہ کوئی بہت ہی قوی جذباتی حالت ہو جو جنگ کے خوف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ ڈونگ یہاں ایک نہایت اہم بات کا انکشاف کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایسی زبردست جذباتی گرفت میں بہت سے لوگ اجتماعی مظہر بھی دیکھ سکتے ہیں اور ان دیکھے ہوئے یہ مظہر ان انعکاس (Projection) کے لئے ایک کلیدی لفظ ہیں، اگر وہ واقعی ہی ان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوں۔

مختصر بات یہ ہے کہ جدید انسان، لگتا ہے کہ کسی روح کی تلاش میں ہے، اور اس عنوان سے، اس کی ایک نہایت ہی اہم کتاب بھی ہے، جو جدید زندگی کا ایک انتہائی اہم رخ پیش کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان، جس تلاش میں پڑا ہوا ہے۔ جس دہلاؤ، خوف اور باجوسی کے عالم سے وہ گزر رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف رویتیں پیدا ہوتی ہیں، بلکہ اجتماعی انعکاس افواہیں، گردی خوف اور عجیب و غریب مظاہر میں یقین لے آتا بھی پیدا کرتا ہے۔ ڈونگ نے اس سارے عمل کو اپنی ایک کتاب کے ذریعے بیان کیا ہے، جس کا ذکر پہلے بھی آپکا

## Flying Saucers : A modern Myth Of Things Seen

In The Sky.

ڈونگ یہ سمجھتا ہے کہ اڑن طشٹریاں ایسے ہی انعکاسی مٹھ ہیں، بلاشبہ وہ انسان کے اچھی نفس کے اندر پیدا ہونے والے اور دور تک اثر انداز ہونے والے بچکان کی نقیب ہیں۔ یہ بات بھی دلچسپی سے غلط نہیں ہے کہ انسانی تمدن کے دوران ہونے والی بڑی بڑی تبدیلیاں یا بڑے بڑے معرکے اسی طرح رونما ہوئے ہیں۔ مذہب میں آرٹ میں اور ادب میں بہت فعل اور مؤثر آرکی ٹائپ حرکات دیکھے جاسکتے ہیں۔ ڈونگ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ اڑن طشٹریاں یا اڑن قرص، جدید زمانے میں سب سے زیادہ طاقتور آرکی ٹائپ کا اظہار ہیں، اس کو ڈونگ نے منڈل (Mandala) کا نام دیا ہے۔

منڈل ایک حکمت لفظ ہے۔ ہندو آرٹ اور دھرم، اس کے مختلف قسم کی علامتوں سے بھرا پڑا ہے۔ منڈل کی کار فرمائی ہر جگہ موجود ہے۔ بچوں کے آرٹ سے لے کر ایستادہ چہروں تک، عیسائیوں کی شادی کی انجمن طعی سے لے کر دانستے کے انفرنو (Inferno) تک۔ منڈل بنیادی طور پر ایک سادہ سادہ ہے۔ اگرچہ اس کی بے شمار شکلیں ہیں اور اس میں کئی طرح کے اضافے بھی ہو سکتے ہیں مثلاً اس کے اندر مرکزہ (Nucleus) ہو سکتا ہے۔ اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا اس کے اندر مزید دائرے ہو سکتے ہیں۔ اس کا مطلب وہ اجتماعیت یا کلیت بھی ہو سکتا ہے، جس کی ہمیں تلاش رہتی ہے۔

جدید دنیا کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایک بکھری بکھری دنیا میں رہتے ہیں۔ یہ دیکھی ہی تقسیم ہے جیسی تقسیم انتھاقی دماغی (Schizophrenic) کے مریضوں میں پائی جاتی ہے۔ ان سے کسی طرح کا مواصلاتی رشتہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے مختلف حصے بھی۔ ایک دوسرے سے بے نیاز ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی آپس میں ایک دوسرے کے حریف بھی۔ انسان کے تاریک پہلو، غیر عقلی اور غیر مذہب انگیز جتن جن کا تعلق فطرت انسانی سے ہوتا ہے اور جس کو ۱۸ویں اور ۱۹ویں صدی کی عقل اور اعتقادات اپنی طرف سے مٹا چکے ہیں اور مذہب ان سے آگے نکل چکی ہے، مگر وہ ذہن کے اس حصے پر بار بار حملہ آور ہوتی ہیں اور اسے بار بار فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

اندر سے ہم بھی تقسیم ہو چکے ہیں۔ ہمیں اپنی مادی اقدار اور اعلیٰ معیار زندگی قائم کرنے کی یہ بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ انہوں نے انسانی ذہن کے غیر عقلی حصے کو بری طرح قس قس کر دیا ہے۔ اس حصے میں جذبات، جبلتیں، عقیدہ، مذہبی رجحانات اور اس طرح کے کئی اور عوامل موجود ہیں۔ ڈونگ کے خیال میں جیسلٹی دنیا اب اس قابل نہیں رہ گئی کہ وہ اس سرخوشی سے قوت حاصل کر سکے۔ ہمارے اساطیر خاموش ہو چکے ہیں اور اب وہ کسی دستک کا جواب نہیں دے سکتے۔

اس سلسلے میں ڈونگ یہ کہتا ہے کہ وہ کوئی دور کی کوڑی نہیں لایا۔ جدید زمانے کے بارے میں اس کا یہ خیال کہ وہ بیمار ہے، کوئی دریافت نہیں ہے، یہ تو سامنے کی بات ہے۔ اصل چیز تو یہ ہے کہ جدید دنیا نے خود انسان پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ تعلیق کے نوٹ جانے سے کھنچاؤ یا تشویش ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسانی قس کے غیر عقلی علاقے بری طرح زوال پذیر ہو چکے ہیں۔ یہ علاقے تقسیم بھی ہوتے ہیں اور اجڑی کا شکار بھی ہوتے ہیں، لہذا ذہن کے یہ حصے پیچھے ہیں، ہمیں شیطانی طاقتوں، ہمیں دوسروں حصوں کے ساتھ ملا کر ایک کر دو، ہمیں پھر سے صحت مندی بخشنو اور ہمارے مابین توازن قائم کرو، اور یہی بیماری یکجہتی (Wholeness) ہے۔ اس لاشعوبی عقلی کی وجہ سے خراب حال اور روحانی طور پر نہیں ماندہ جدید انسان ہر طرف منفلت لگتا ہے اور اسے آسمانوں پر بھی اس کی کار فرمائیاں نظر آتی ہیں۔

یو۔ ایف۔ او کی بعض رویتیں اور منفلت خواب، ڈونگ کے خیال میں، جنسی علامتوں سے معمور ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ اس سلسلے میں قرائینڈ جسے رجحانات کا ہائل قائل نہیں ہے، جب ایک بار وہ اڑنے والے معروض کی سائنٹ کا تعین کر دیتا ہے تو پھر اس کے بارے میں زیادہ سمجھو نہیں کرتا۔ کیونکہ ڈونگ کے لئے اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ وہ یو۔ ایف۔ او بھی ایک طرح کا منفلت ہے، جو اس لئے ظاہر ہوا کہ فی زمانہ آرکی چنپ کا اظہار اس طریقے سے ہو سکتا ہے۔ اس تکنیکی عہد میں کلیت کی اس بستر کیا تشیل ہو سکتی ہے کہ اسے ایک پراسرار اڑنے والی مشین کی شکل میں دکھایا جائے یہ گویا ایک آسانی ہارڈ ویئر (Hard Ware) ہے۔

جو شے ڈونگ کو اس سلسلے میں زیادہ جلاب نظر محسوس ہوئی وہ یو۔ ایف۔ او کا

غیر قدرتی کردار اور ان کے اڑنے کا انداز تھا جو تمام جمع شدہ رپورٹوں میں تقریباً ایک جیسا تھا۔ بلاشبہ اس کو ان کے مضمرات کے سلسلے میں کوئی تکلیک نہیں تھی کہ یہ سفر کرنے والا منظر انسانی تخلیق نہیں تھے جو ان کو دیکھنے کا دعوے کرتے تھے اور کبھی مشاہدہ کرنے والے یا خواب دیکھنے والے خود کو خطرے میں محسوس کرتے تھے، کیونکہ یو۔ایف۔او سے ایک بات تو بہر حال ثابت ہوتی تھی کہ کوئی غیر زمینی طاقت ایسی ہے، جو ہم سے بہت زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ احتمالی طاقتور اور ایسی آسمانی مخلوق ہے، جس کا رویہ دوستانہ ہے، جو دیکھ رہے اور اس بات پر پریشان ہیں کہ انسان اپنے آپ کو چاہ کر رہا ہے اور اپنے ساتھ ساتھ زمین کو بھی۔

ٹوئنگ نے اس بات کو بھی نوٹ کیا کہ جب لوگوں نے یہ دعوے کیا تھا کہ ان کا قریبی سامنا ہوا ہے، یہ ان کو اٹھایا گیا ہے تو دہائیوں بھی مخلوق ان سے مرہبانی سے پیش آئی ہے، اس نے ان قسے کہانیوں کو زیادہ وقت نہیں دی مگر بے شک یہ نتیجہ نکلا کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ سالمیت (Wholeness) کی خواہش شدید تر ہو گئی ہے اور اس نے ایک محض صورت اختیار کر لی ہے، یہ گویا کسی بچانے والے کی خواہش ہے، کوئی ایسا بچانے والا جو انسانوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہو، جو ہمیں بچانے کے لئے آسمان سے اترے اور ہمیں وہ سکون اور شفا یابی عطا کرے، جو ہم خود فراہم نہیں کر سکتے۔

اپنے تجربے کے اس حصے میں ٹوئنگ نے اس نقطے کو واضح کیا ہے ”جو چیزیں آسمان میں نظر آتی ہیں وہ ساری انسانی تاریخ میں موجود رہی ہیں پھر کہیں جا کر انہوں نے بیسویں صدی میں خلائی جہازوں کی صورت اختیار کی ہے“ بلاشبہ غیر قدرتی حرکت کرنے والے اور اڑنے والے کرامت، گلوب (Globe) اور قرص (Discs) عجیب و غریب روتھوں میں واضح طور پر نظر آتے ہیں، اور ماضی میں بھی ان دنوں میں، جب انسان اپنے آپ کو خطروں میں گھرا ہوا محسوس کرتا تھا، ایسے ہی منظر دیکھا کرتا تھا۔

بار بار ٹوئنگ یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کوئی شے واقعی موجود تھی یا موجود نہیں تھی اور نہ ہی اسے کچھ فرق پڑتا ہے کہ کوئی شے موجود ہے یا نہیں ہے۔ اگر معروضی حقیقت کے طور پر یو۔ایف۔او موجود ہیں یا نہیں ہیں مگر وہ ان جذبات کا انکسار ضروری ہیں، جن کے بارے میں ہم پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم لاشعوری طور پر بہت سی رموزات پیدا کر لیتے ہیں اور ان کے پیچھے آرکیٹائپ کی طاقت ہوتی

ہے۔ اس کا انعکاس ہم اپنے گرد پھیلی ہوئی چیزوں اور افراد پر بھی ہوتا ہے۔ (جیسے زیچ رات، اسطر، لٹم شمار اور سیاسی رہنما۔)

اب بات کے اختتام تک پہنچتے ہوئے ڈونگ اس امکان سے انکار نہیں کرتا ہو سکتا ہے کہ یو۔ ایف۔ او کے لئے کوئی معروضی یا طبعی بنیاد موجود ہو۔ ہو سکتا ہے ہم بے سوچے سمجھے کسی خواب یا واسطے کو رد کر دیں۔ اور ان کی جگہ غلامی کوئی اور ایسی اشیاء پیدا ہو جائیں جو اور بھی زیادہ دور انکار ہوں اور وہ ان شیسوں کو تیار کر دیں جنہوں نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی دنیا کو بچالیں گے، لیکن یہ دھیان میں رہتا چاہئے کہ رادار (Radar) کی سکرین اور کیمرے نے جواب دیکھتے ہیں اور نہ ہی وہ انہوں کا انکار کرتے ہیں۔ جب ڈونگ نے یہ کما حقہ تو اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یو۔ ایف۔ او کی کچھ تصویریں کیمروں سے بھی اتاری جاتی ہیں۔ اس پر اس نے کہا تھا یا تو نفسی انعکاس کو رادار پر پھینک کر اسے بازگشت دیا گیا ہے یا پھر کسی حقیقی معروض نے اپنے آپ کو اساطیری انعکاس میں تبدیل کر لیا ہے۔

یہ کہتے ہوئے اس نے شاید طنزیہ لہجہ اختیار کیا ہو۔ اسے یقین تھا کہ نفسی انعکاس رادار کی سکرین پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ مگر اس نقطے کی اہمیت اس سے کم نہیں ہوئی۔ بے شمار ایسی خواہش ہیں، جو میڈیا کے اندر عظمت کی اس فضا کو قائم رکھنا چاہتی ہیں جو فضا اس وقت موجود ہے، وہ ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتی ہیں جس میں ڈونگ کو ذلیل کیا جائے۔ اسے دیا نہ اور نا کچھ ثابت کیا جائے۔ چنانچہ فرامیڈ نے بڑے نفرت انگیز لہجے میں کہا تھا۔ عقلی علوم کا کلاکچر (Black Mud Of Occulism)۔ ڈونگ کے نقادوں نے اسے غلط سمجھا تھا اور ڈونگ کی اس تفتیش کو غلط معانی پہنائے تھے مگر اس نے کیباگری اور علم نجوم کے بارے میں کی قسم مگر اس میں قصور ڈونگ کا نہیں تھا شاید ان کی ان غلط توجہات کے پیچھے کچھ محرکات موجود تھے یا وہ اتنا فہم ہی نہ رکھتے تھے کہ وہ اس کی بات کی قدر تک پہنچ سکیں یا یہ کہ اس نے اذن طعنتوں کے بارے میں اصل میں کیا کہا تھا۔

ڈونگ کا خیال ہے کہ اذن طعنتوں کے بارے میں جو بہت سا مواد موجود ہے اس کے سلسلے میں ہمیں کھلے دل و دماغ سے کام لینا چاہئے کیونکہ یہ مواد ہمیں انسان کے لاشعور کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں بہت مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یو۔ ایف۔ او خلافتی حوالے پر بہت زیادہ زور دیا اور اس کا تجربہ بھی کیا تھا۔

ڈونگ کو یہ بھی اندازہ تھا کہ یو۔ ایف۔ او کے بارے میں جو رپ رٹوں کا اہوار شائع ہو رہا ہے اور جو مطالعات کئے جا رہے ہیں، ان میں درست حقائق کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ انداز کرنا بہت مشکل ہے کہ کوئی حقیقی معروضہ تھا بھی یا نہیں، قہ عام طور پر دیکھنے والے اپنے دیکھے ہوئے کی نظرِ توجہ کے مرکب ہوتے تھے۔

اذن طشتریوں کے بارے میں اپنی کتاب کی اشاعت سے ایک برس بعد ڈونگ اکثر اس سلسلے میں اپنی بھیجی (Milece) سے رابطہ کیا کرتا تھا، جو سویٹزرلینڈ میں آکھوی قہی اور یو۔ ایف۔ او میں دلچسپی رکھتی قہی۔ فلائنگ سوسرز ریویو (Flying Saucers Review) کے گورڈن کرسٹن (Gordon Creighton) کا کہنا ہے کہ ڈونگ بہت حد تک اس پر زبہن سے بہت گیا تھا کہ یو۔ ایف۔ او محض ایک علامتی انعکاس ہے اور محض کئی آرکی ٹائپ کا طاقتور اظہار ہے، ہماری لاشعوری خواہش نے خواہ اسے کچھ بھی بتا دیا ہو اور اس کے اثرات ہمارے فکس پر کوئی سے بھی مرتب ہوتے ہوں۔ ڈونگ روز بروز اس نتیجے پر پہنچ رہا تھا کہ ان مظاہر کے پیچھے کوئی نہ کوئی حقیقی شے ضرور موجود ہے۔

ڈونگ کو اگرچہ پختہ کرنا جانا ہے، مگر وہ کسی معنی میں بھی اپنے آپ کو ایسا سمجھتا نہیں قہ وہ خود کو نفسیات دان اور سائنسی مشاہد ہی خیال کرتا تھا مگر اس بات کے باوجود تدریجی طور پر ایسے شواہد موجود ہیں کہ بعض لوگ اپنی بصیرت کی وجہ سے ان حقائق تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، جہاں ان کے ہمعصر دھوکا کھا گئے یا بھٹک گئے۔ اس لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے تمام مواد کا مطالعہ ہی کیا ہو۔ ممکن ہے ڈونگ کے سلسلے میں بھی تدریج اپنے آپ کو دہرانا پسند کرے۔

## فعال متخیلہ

### (ACTIVE IMAGINATION)

بظاہر یہ لگتا ہے کہ ڈونگ ایک نظریاتی نفسیات دان ہے مگر حقیقت میں، جن معانی میں نظریاتی طبیعات دان ہوتے ہیں، جن کو تخلیقی خیالات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے صرف پھل کھانڈ کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کبھی وہ بھی نہیں ہوتی، ادب کے اندر بھی بہت کم اصناف ایسی ہیں، جن کے لئے پتہ مار کر بٹھنا نہیں پڑتا اور نہ اگر کوئی مضمون کہانی، نظم یا انشائیہ لکھتا ہو تو کم از کم پھل کھانڈ کا اہتمام تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ مگر غزل اور رباعی ایسے اصناف سخن ہیں، جو چلتے پھرتے سوہی جاتی ہیں اور کبھی جاتی ہے۔ غزل لکھنے والے اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ انھیں غزل لکھنے والا نہ کہا جائے بلکہ وہ اپنے آپ غزل کہنا والا، کھانا پسند کرتے ہیں۔ اسی میں روایت اور جدیدیت کی بھی کوئی خاص تخصیص نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے جب اپنی وحدت خیالی (Quage Unification) کی تصویری بتائی تھی وہ ایک فطری ہوائی جہاز پر بحران کمال کے اوپر سفر کر رہے تھے اور اس کے لئے انھیں کھانڈ اور قلم کسی بھی شے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ ایٹم بم کے خیال کے موجد لیو لارڈ (Leo Szillard) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے جب ایٹم بم بنانے کے امکان کو حتمی طور پر اپنی گرفت میں لیا تھا تو اس وقت وہ لندن کے ایک چوراہے پر گاڑی چلا رہا تھا اور لال بج کی وجہ سے ٹریفک رکا ہوا تھا جب ہی گریں ہوئی تھی تو وہ اس مسئلے کو حل کر چکا تھا۔

ڈونگ نے تخلیقی عمل کے سلسلے میں بھی بہت کچھ لکھا ہے اور اس کے کئی مضامین میں اس کا واسطہ یا بلا واسطہ حوالے موجود ہیں۔ اس کا ادب اور نفسیات والا مضمون جو ”جدید انسان روح کی تلاش میں“ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس سلسلے میں بار بار کوٹ کہا جاتا ہے۔ مگر موجودہ باب میں، میں اس کی عملی صورت کے بارے میں ڈونگ کے حوالے سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آزاد غلام خیال (Free Association Of Thought) ڈونگ کی ایجاد نہیں ہے۔ شاید فرائیڈ بھی اس طریق کار کا موجود قرار نہیں دیا جاسکتا، مگر جس شے کو تحلیل

نفسی (Psycho Analysis) کیا جاتا ہے، وہ اصل میں آزاد تلازم خیال ہی کی بنیاد پر استوار ہے۔ مریض سے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا کوئی خواب سنائے، پھر اس خواب میں ظاہر ہونے والی علامات کے سلسلے میں اس سے پوچھا جاتا ہے کہ جو کچھ ان کے بارے میں اس کے ذہن میں آتا ہے بتاتا جائے۔ پھر اس کے بتائے ہوئے پر اگر ضرورت ہو تو مزید اسی انداز کی گفتگو کی جاتی ہے اور چند خواب یا سمت سے خوابوں کے سلسلے میں اس کے آزاد تلازم خیال کے مطالعے کے بعد اس کے ان مسائل تک پہنچا جاسکتا ہے، جن کی وجہ سے تحلیل نفسی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ ڈونگ نے اس سلسلے کو آسان بنانے اور عملی شکل دینے کے لئے مختلف لفظوں کے کارڈ بنائے اور مریضوں سے اس کے بارے میں رد عمل معلوم کیا، پھر اس رد عمل کے اعتبار کے سلسلے میں یہ بھی دیکھا کہ مریض کتنا وقت لیتا ہے، جہاں وقت زیادہ ہو جاتا اور مریض اپنا رد عمل دینے میں وقت محسوس کرتا تو یہ سمجھ لیا جاتا کہ اس کا تعلق مریض کے ان نفسیاتی مسائل سے ہے، جس میں وہ آج کل گھرا ہوا ہے۔ ڈونگ کا یہ طریق کار آج بھی فرسودہ نہیں ہوا اور اس کی مدد سے مطالعے میں کئی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ طریق کار خصوصاً اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت محسوس نہ کی جا رہی ہو۔

فعل متعلیہ (Active Imagination) یعنی ڈونگ کے خیالات میں سے سمت پر جوش اور دلچسپ خیال ہے مگر جو لوگ اس کے بارے میں جانتا چاہیں اور کسی حد تک تحقیق کرنے کے بھی خواہش مند ہوں اور وہ ڈونگ کے انجمنی کام (Collected Works) کا مطالعہ کریں اور اس کا عمومی انڈیکس (Index) دیکھیں، تو انہیں اس نام سے چند درجن حوالے ملیں گے اور ان میں سے زیادہ تر ایسے ہوں گے جن میں اس کا پس ذکر ہی ہوگا۔ (بستر ہو گا کہ اس سلسلے میں کولن دلسن سے رجوع کیا جائے) سب سے پہلا حوالہ اور شاید مکمل ترین حوالہ جس کا تعلق طریق کار سے ہے وہ ڈونگ کے مضمون ارض غافل (Transcendent Function) میں آتا ہے۔ یہ مضمون ۱۹۱۶ء میں لکھا گیا تھا اور یہاں ڈونگ نے اس کا ذکر نام کے طور پر بھی نہیں کیا، بلکہ یہ مضمون لکھ کر اس نے اپنی فاکس ہی میں رکھ پھوڑا، پھر کسی نے اسے کہا کہ وہ طلباء کے ایک رسالے کے لئے کوئی مضمون عطا



کرے۔ یہ ۱۹۵۷ء کی بات ہے۔ یہ ڈونگ کے اجتماعی کام کی انھوںیں جلد میں شامل ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک وارننگ بھی ہے، یہ طریق کار خطرات سے خالی نہیں ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اسے اس وقت استعمال کریں جب آپ کسی ماہر نگران کے نسخہ نگرانی ہوں۔

تاہم اگر یہ طریق کار دیسا ہی پاؤں ہے جیسا کہ ڈونگ دعویٰ کرتا ہے۔ تو پھر ڈونگ کے بتائے ہوئے اس خطرے کی زیادہ پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اگر واقعی فعال متحیلہ ہونے کا آجائی ہے، تو پھر ڈونگ نے ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے، یہ وہ مسئلہ ہے، جس نے ان بے شمار غیر مقامیوں (Out Siders) کو پریشان کر رکھا تھا جن کا تعلق انیسویں صدی کے ساتھ ہے اور اس سے انسان کے ارتقائی مستقبل کی بھی ایک کلیہ ہاتھ آچکی ہے۔ ۱۸۷۱ء کے ایک خط میں رامبو (Rimbaud) نے لکھا تھا شاعروں کی ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی رویت کوئی وژن (Vision) پیدا کریں۔

”میں کہتا ہوں کہ انسان کو وژن والا ہونا چاہئے۔۔۔۔ انسان کو اپنے آپ صاحب کھف سمجھنا چاہئے۔۔۔۔ ایک شاعر کو ڈیڑی بننے کے لئے ایک طویل مدت، شدید اور دانشورانہ حسابی بے ترتیبی کی ضرورت ہوتی ہے۔“ پھر اپنی ایک کتب A Season in Hell (دونرغ میں ایک موسم) میں وہ دو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس بے ترتیبی (Derangement) کو طاری کرنے میں کامیاب رہا۔ میں اپنے آپ کو اسلادہ سے فریب نظر (Hallucination) کا عادی بنا لیا۔ میں نے حقیقت میں ایک فیکٹری کی بجائے ایک مسجد دیکھی، جس میں فرشتے نوبت بجا رہے تھے، گاڑیاں آسمان کی سڑکوں پر چل رہی تھیں۔ جمیل کی تہ میں مجھے ایک ڈراما گ دوم نظر آیا تھا۔ میں نے قوی نیکل جاندار دیکھے تھے اور کئی اسرار مجھ پر کھلے تھے۔

مگر جب اس کا اعتماد اس فعل میں کیا جائے تو یہ صاف نظر آ جاتا ہے کہ بنیادی طور پر یہ دنیا کے عجیب اور نشاط انگیز احساسات دیکھنے کی ایک پرانی روحانی خواہش ہے۔ یہ ویسی ہی خواہش ہے جس کا اظہار ایڈگر پو (Edgar Allen Poe) کی کتب Tales Of Mystry And Imagination میں ہوتا ہے۔ یہ شے ہم دم روشنی والے اور دھند والے علاقے میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی ایک جھلک ہوف مین

(Hoffmann) اور جین پال (Jean Paul) کی عجیب و غریب ہستیاں (Grotesqueries) میں دکھائی دیتی ہے یا پھر پو (Poe) شیریڈن (Sheridan) اور لی فانو (Le Fanu) کی لڑنا دینے والی کہانیوں میں یا پھر ان کہانیوں میں جن میں دن کو بھی خواب دکھائے جاتے ہیں یا پھر اوپر سے ہیڑس لے (Aubrey Beardsley) کی فسوس سے بھری ہوئی تشریل میں (یہ ہیڑس لے ہی تھا جس نے پہلی کتاب Yellow Book کے قارئین کو کھلے میدان میں پیکانو کی تشریل سے آگ بھجوا کر دیا تھا۔ یا پھر سرریل لسٹوں (Surrealists) اور ڈڈائیسنسٹوں (Dadaists) کو چونکا دینے والے خیالوں میں۔ یہ تو یوں لگتا ہے جیسے کہ جیمس (Yeats) Four Rag And Bone Shop Of Heart سے آؤدہ مندانہ سوچ کی سیزمی لگا کر باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر ڈونگ نے واقعی انسان کو صاحب کشف بنانے کی کوشش کی چاہئے وہی تکنیک اپنایا کرتی ہے اور وہ فرشتوں کو نوہتیں بھالتے ہوئے دیکھ سکتا ہے اور اسے جھیل کی تہ میں واقعی دیا ان خالے نظر آتے ہیں، تو صرف اتنے ہی کام کی وجہ سے وہ اس صدی کی اہم ترین شخصیتوں میں شمار ہونے کا پورا پورا حقدار ہے۔

اپنی سوانح عمری میں ڈونگ نے پہلی بار اس بات کو واضح کیا کہ اس کو پہلی بار کب یہ احساس ہوا کہ عقیدہ کا یہ پسو بھی موجود ہے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب فرانیڈ سے الگ ہو جانے کی وجہ سے وہ ذاتی طور پر بالکل مفلوج ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے اپنے آپ کو ڈھیلچھوڑ دیا ان ذاتی مریضوں کی طرح جو اپنے اجلاط (Delusions) کو وقوع پذیر ہونے دیتے ہیں، یہ ڈونگ کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا دیکھا ہوا یہ خواب کہ یورپ خون میں نہا جائے گا اگلے ہی برس پورا ہو گیا اور اس کے ذہن میں یہ بات واضح ہو گئی کہ ضروری نہیں کہ دھماکہ (Illusion) ہمیشہ غلط ہی ہو (اوپرے فرانیڈ کی بات اپنی کتاب "وہا ہے کامستقل" (Future Of an Illusion) میں کہ چکا تھا) L. Enfer میں باربوس (Barbusse) کا ایرو جو کہ آؤٹ سائیڈر ہے سوچتا ہے "میں بہت گمراہی میں ہوں اور بہت کچھ دیکھتا ہوں" اور یہ وہ واقعہ تھا جو ڈونگ کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہا تھا۔

جب ذہن پر شدید دباؤ ہو تو اس کا قدرتی رد عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مزاحمت کی بجائے پناہ کو تلاش کرتا ہے۔ ڈونگ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی کبلیت (Nietzsche) فطرتاً سے

اور ہولڈرلین (Holderlin) سے ملتی جلتی ہے، اسے یہ غرض تھا کہ ان کی طرح کہیں وہ بھی دیوانہ نہ ہو جائے اور اسی وجہ سے وہ اس کیفیت کو مکمل کھیلنے نہ دیتے تھا بلکہ دسمبر ۱۸۰۳ء کو جب وہ اپنے میز پر بے پناہ قنوطیت اور ہیجان کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا تو اس نے اچانک فیصلہ کیا کہ وہ اس اجہلا کو مکمل کھیلنے کی اجازت دے دے اور پھر دیکھے کہ ہو آیا کیا ہے۔۔۔۔۔ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ مکمل طور پر چلو کن نہیں تھا، وہ حیران ہو گیا جب اس پر یہ نکلا کہ جو قوت اسے مکمل کھیلنے کا مشورہ دے رہی تھی وہ اس کے ذہن کے اندر ایک ایسی قوت تھی مگر یہ ایسی حالات پر مکمل قابو رکھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ تب وہ یہ جانتے پر مجبور ہوا تھا کہ یہ ایک اندھا راستہ ہے، اور ہڈسن (Hudson) کے الفاظ میں موضوعی (Subject) ذہن معروضی (Objective) ذہن سے خطاب کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ”دیکھو خدا کے لئے ہمارے درمیان یہ آہنی دیوار قائم رکھنے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ تم اپنے خلاف مزاحمت کر کے، خود اپنی ہی قوت کو ضائع کر رہے ہو“ اس کا موازنہ اس صورت حال سے ہو سکتا تھا جس میں بیوی اپنے شوہر سے مخاطب ہو، جو گاڑی چلاتے چلاتے بڑی طرح بے حال ہو چکا ہے۔ ”گاڑی کی کچھلی نشست پر آکر لیٹ جاؤ اور تھوڑی سی ٹیبل لے لو، اس دوران گاڑی میں چلتی ہوں“ ڈونگ سمجھتا تھا کہ اس نے گاڑی کا شیرنگ چھوڑ دیا تھا اور اس کے نتیجے میں اس نے جانتے میں ایک خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ گویا ایک لاش کے ساتھ ایک غار میں تھا اور اس کا ذہن بے شمار تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔

کولن ولسن نے اپنی کتاب An Access To Inner Worlds میں لکھا ہے کہ اسی طرح کی واردات میں سے براڈ اڈسٹز (Brad Absetz) بھی گزرا تھا جو امریکی تھا مگر فن لینڈ میں مقیم تھا، ان کے بچے کی موت کے بعد اس کی بیوی شدید اضمحل (Depression) کا شکار تھی۔ وہ گھنٹوں بستر پر پڑی رہتی تھی اور سیاہ خواب دیکھتی رہتی تھی اور اپنے آپ کو کوستی رہتی تھی۔ براڈ اڈسٹز اس کے پاس بیٹھا ہوا اس انتظار میں تھا کہ وہ کسی طرح اس کیفیت سے باہر آئے تاکہ وہ اس کی مدد کر سکے۔ وہ ہر طرح کی احتیاط برت رہا تھا اور منتظر تھا کہ اس کی طرف سے کوئی ذرا سا بھی مثبت اشارہ ملے، تو وہ اس کی مدد کو پہنچے مگر اس کے ساتھ ہی وہ خود کو طبعی طور پر پڑ سکون محسوس کر رہا تھا۔ ایک دن جب وہ لیٹا ہوا تھا اس نے ایک کیفیت سی محسوس

کی، اس نے محسوس کیا کہ وہ اچانک بہت ہلکا پھلکا ہو گیا ہے اور پھر اس کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے بیگ سے اڑ کر ہوا میں تھمے لگا ہے، اور یہ ڈونگ کے کھل کھیلنے کے مقابلے میں اس کا اپنا متبادل تھا۔ پھر میں ہوا کہ اس کے اندر کے دوسرے آدمی نے اپنا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ وہ کھانے کے میز کے قریب کھڑا تھا اور وہ دوپہر کا کھانا کھانے ہی والا تھا کہ اس کے بازو نے پھر کھانا شروع کر دیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کا بازو کچھ کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اس نے اجازت دے دی کہ وہ کھانے کے لئے جو کچھ لینا چاہتا ہے لے لے۔ چنانچہ اس نے وہ کچھ لیا جو عام طور پر وہ لیتا نہیں تھا۔ پھر یہ سلسلہ بتوں تک چلا اور چند ہی دنوں میں اس کا وزن کم ہو گیا اور اس نے پہلے سے کہیں بہتر محسوس کرنا شروع کر دیا۔ ایک دن اس کی چھوٹی سی بیٹی نے اسے کہا کہ وہ رنگین کھریا (Crayons) کے ساتھ اسے کوئی ڈرائنگ بنا دے۔ ایک بار پھر اس ہاتھ نے پھر کھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس نے اسے کھلی جھٹی دے دی۔ اس کے نتیجے میں بہت سی تصویریں اور خاکے بن کر تیار ہو گئے اور ان کے ذرائع حیران کن حد تک شعور کو پریشان کرنے والے (Psychedelic) تھے، ہر ایک دوسرے سے انتہائی مختلف تھا۔ پھر اس کا دوسرا سلف قابض ہو گیا اور اس نے شاعری لکھنی شروع کر دی اور وہ خود محض ایک تماشائی بن کر رہ گیا۔ پھر اس نے دھات کے جھٹے بنائے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے روزمرہ کے کام بھی انجام دیتا رہا۔ مثلاً وہ شد کی کھیاں پاتا رہا۔ اس نے ایک ساوہ مگر رسم بھانے کے انداز میں اپنی توانائی کو پھر سے اظہار لیا۔ چنانچہ براڈ کی ذہنی پارلیمنٹ میں لاشعور کے نمائندے کو اس کی گنج جگہ میسر آ گئی۔ جس کے نتیجے میں ایک ایسی زندگی برپا ہوئی کہ آئی، جو کہیں زیادہ ہم آہنگ اور بڑ سکون تھی اور ڈونگ کی زبان میں اس نے بہت حد تک فردیت (Individuation) کی سطح کو حاصل کر لیا تھا۔

براڈ لاشعور کو یہ دیواریں گرانے سے قطعاً دیوانے پن کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن وہ بے حد دباؤ میں ضرور تھا۔ اس کے موضوعی ذہن نے اپنے ہی طریقے ایجاد کئے تھے اور اس نے اسے اندھے راستوں سے باہر نکلنے کی راہ دکھائی تھی۔ (وہ طریقہ یہ تھا کہ وہ بس بڑ سکون رہے۔۔۔۔۔ مگر اس کی آنکھیں کھلی ہوں اور وہ اپنے ارد گرد سے پوری آگاہی رکھتا ہو۔۔۔۔۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ ذہنی طریقے طلح کی سب سے ساوہ اور بااثر صورت ہے۔)

1913ء میں ڈونگ اس سے کہیں زیادہ بڑی حالت میں تھا۔ لہذا جب اس نے کھل کھیلنے کی اجازت دی، تو موسیقی دماغ کی تشتمل بنانے والی قوت سیلاب کی طرح شعور کی طرف اٹھتی، اس نے اس کے نتیجے کو فعال عقیدہ (Active Imagination) کا نام دیا مگر ہمیں یہ بات جان لینی چاہئے کہ یہ عام معنوں میں عقیدہ نہیں ہے۔ جس میں تشتمل یا کیفیات کو بیدار کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ جو کچھ ڈونگ کو حاصل ہوا تھا وہ ایلو اور لاشعور کے باہرین ایک نیا توازن تھا۔ جس میں لاشعور کو برابر کا مضیق تسلیم کیا گیا تھا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ ڈونگ بار بار کیوں وٹن دیکھتا تھا اسے بار بار مصلوب حضرت عیسیٰ اپنے چنگ کے پاس نظر آتے تھے۔

ہم فوری طور پر اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ ڈونگ اور رامبو کے فعال عقیدہ میں کیا فرق ہے۔ رامبو کہتا ہے کہ تکلیف اور دیوانہ پن کے آگے سر تسلیم خم کرو، اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایلو کے ہاتھ میں رام آجائے گی، اس نے کوشش کی تھی کہ وہ حیات کی عقلی بے ترتیبی شراب اور دوائیوں کے ذریعے حاصل کرے، لیکن چونکہ اس کا ایلو مضبوط تھا لہذا اس نے نہ فرویت حاصل کی اور نہ ہی اس کی رسائی اندرونی دنیا تک ہو پائی (جب اس نے فیکٹری کی جگہ مسجد دیکھی تھی، تو اسے اس کی آرزو مندانہ سوچ پر محمول کیا جاسکتا تھا۔) یہ دیوار اصل میں اس وقت ٹوٹتی ہے، جب انسان بالکل ہی مایوسی کے عالم میں ہو، رہا پھر وہ شدید دہڑے محسوس کرتا ہو اور یہ ایک طرح اختیار ڈال دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ایک جوش اور ذوق و شوق بھی متعلق ہے راماکرشنا (Ramakrishna) کو اس کا حصول اس وقت ہوا تھا جب اس نے نکوار کے ساتھ خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی اور اچانک اس پر کل مانا (Divine Mother) نے غلبہ حاصل کر لیا تھا۔

اس تقریب کے بعد ہم اس بات کا اندازہ کرنا شروع کر سکتے ہیں کہ اگرچہ ڈونگ فعال عقیدہ کو فرویت کے حصول کی کلید سمجھتا ہے، مگر اس نے اس کے بارے میں گفتگو بہت کم کی ہے۔ اس کے بارے میں بہت کچھ کہنے کے لئے ہے بھی نہیں، اپنے مضمون Transcendent Function میں وہ لکھتا ہے :

”جذباتی گہان کی شدت کے اندر ہی اس کی قدر (Value) بھی ہے۔ وہ قوت جو اس

حالت کو دور کرنے کے لئے انسان کے پاس ہوئی چاہئے۔

پھر وہ اضافہ کرتا ہے۔

”اس گرتی ہوئی عقلی حالت کو دبانے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔“

دوسرے لفظوں میں جب مریض شدید ذہنی دباؤ میں ہوتا ہے، تو یہ حالت فعال عقیدہ کو بردے کار لانے کے لئے بہترین حالت ہے۔

اس سلسلے میں ڈونگ کی ہدایت یہ ہیں:

چنانچہ اس قواعظی پر چھو حاصل کرنے کے لئے کچھ غلط جگہ پر موجود ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جذباتی حالت کو اس کارروائی کے آغاز کی بنیاد بنایا جائے۔ خود کو اس کیفیت کے بارے میں اس قدر باشعور بنایا جائے جتنا باشعور بنانا ممکن ہے اور بطور کسی مزاحمت کے اس کے اندر ڈوبنے کی کوشش کی جائے اور کائنات پر اپنا تمام فکریات (Phantasies) لکھ لیا جائے اور وہ تلازمے بھی جو ان کے ساتھ ذہن میں آتے ہیں پھر فکریات کو ہر ممکن طریقے سے مکمل کیلئے کا موقعہ دیا جائے، لیکن اس طرح بھی نہیں کہ وہ اپنے اپنے معروض کے محور ہی سے نکل جائے۔۔۔۔۔ یہ عمل گویا ایک طرح کا تسلسلی رد عمل (Chain Reaction) ہوتا چاہئے۔ یہ آزاد تلازمہ (Free Association) جیسا کہ فرائیڈ اسے نام دیتا ہے اپنے معروض سے نکل کر دوسری چیزیں گھون میں پڑ جائے۔

وہ تعارف ہی کے دوران ان ایسے خطرات سے آگاہ کر دیتا ہے کہ اس نے ۱۹۵۸ء میں اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا تھا۔

”طریق کار کے سلسلے میں ایک کم درجے کا خطرہ یہ ہے کہ ممکن ہے یہ کسی نتیجے کی طرف رجحانی نہ کرے کیونکہ یہ آسانی سے فرائیڈ کے معروف آزاد تلازمے کا تصور ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر مریض اپنی ہی باتھو الجھنوں (Complexes) کے پکر میں پھنس جاتا ہے۔۔۔۔۔“

میں یہ دیکھ سکتے ہیں کہ براڈ لائٹر ہسپتال پڑا ہوا اپنے ہی آزاد تلازمہ خیال میں تھا وہ

بھی اس سلاب کو پار نہ کر سکتا جو بات سب سے زیادہ اہم ہے یہ ہے کہ مکمل سکون اور آرام کی حالت کے ساتھ ساتھ پوری خبرداری اور جاگنا بھی شامل ہو۔

خوابِ عبرت جسے کہتے ہیں بڑی چیز ہے وہ  
شرط یہ اس نیند میں آنکھوں کو کھلا رکھنا ہے

ڈونگ کے خیال میں یہ پورا عمل ایک طرح کی قوت افزائی ہے اور اثرات کی شفا فی ہے (یعنی شدید جذبات کی حالت) جس میں معلول (Effect) اور اس کا مواد شعور کی سطح کے قریب لے آیا جاتا ہے۔ بعض محلات بقول ڈونگ ممکن ہے، مریض واقعی کوئی آواز بھی سنے اور یہ آواز سمعی دھماکہ (Auditory Hallucination) ہو۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جو تقسیم شدہ دماغ کے نفسیات دانوں کی دلچسپی کا موضوع ہے، گویا ڈونگ دماغ کے دائیں نصف اور بائیں نصف کی بات کر رہا ہے۔

جن قارئین کو یہ توقع تھی کہ انہیں عقیدہ کو فعال کرنے کا کوئی عملی اور تجربہ دار نسخہ بتایا دیا جائے گا، اب تک کی گفتگو سے کچھ نہ کچھ باخبر ہوئے ہوں گے، آئیے کوشش کریں کہ اس معاملے کو مزید شفاف بنایا جاسکے۔

ڈونگ کی پہلی واردات کا انچوڑ یہ ہے کہ گویا ایک طرح کا جاگنا خواب ہے۔ کسی چھپے ہوئے جاوے کی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے۔ وہ رویہ جس کے تحت تمام بند توڑ دیئے گئے تھے، خاصہ خوفزدہ کرنے والا عمل ہے۔ جیسے انسان اپنے آپ کو کسی بلندی سے خودی گرا دے اور یہ توقع کرے کہ کوئی وہاں ایسا موجود ہوگا، جو اسے تمام لے گا اور نقصان نہ پہنچے دے گا (یہ وہ کھیل ہے، جو ہم میں سے اکثر بچپن میں کھیلا کرتے تھے) اگر ایک بار یہ اندازہ ہو جائے کہ کوئی ایسا موجود ہے جو ہمیں تمام لے گا تو پھر خوف غائب ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ تحفظ اور تعین کا ایک احساس لے لیتا ہے۔

لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ فعال عقیدہ کے لئے نقطہ آغاز یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ ہمارے پیچھے کوئی ایسا کھڑا ہے، جو ہمیں گرنے نہیں دے گا۔ ایک بہت ہی مزے کی کتاب میں، جس کا نام The Secret Science At Work ہے، میکس فریڈم لونگ (Max Freedom Long) اپنے طریقے کی تشریح کرتا ہے۔ یہ طریقہ اصل میں ہوائی کے ہوناس (Hunas Of Hawaii) کا ہے اور اس کے ذریعے وہ اپنے اندھے جاوے (Blind Ally) سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ (بے وہ پست سلف Low Self کا نام دیتا ہے)

لوئک کے گرد نے دوسرے سلف (Other Self) کو جارج (George) کے نام سے پکارنا شروع کیا اور اس نے یہ دریافت کیا کہ وہ ایک مکالمے میں مشغول ہو سکتا ہے اور وہ سوالوں کا جواب پنڈولم Pendulum کی مدد سے دے سکتا ہے۔

ایک بار جب دوسرے سلف کی حقیقی موجودگی تسلیم کر لی جاتی ہے، تو اس کے بعد کرنا یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنا اعتماد کرنے پر مجبور کیا جائے۔ ۱۹۳۵ء میں ایک خط کے ذریعے ڈوئگ نے اس تکنیک کو اس طرح بیان کیا تھا :

بنیادی بات یہ ہے کہ آپ کس ایج (Image) سے آغاز کریں۔ مثال کے طور پر یہ دیکھیں کہ آپ کا خواب زرد رنگ کے بالوں سے معمور ہے۔ پھر اس پر غور کرتے چلے جائیں اور احتیاط سے یہ مشاہدہ کریں کہ تصویر کس طرح اپنے آپ کو کھولتی ہے یا تبدیل ہوتی ہے۔ یہ کوشش نہ کریں کہ وہ کسی خاص شکل میں اپنے آپ کو تبدیل کر دے۔ صرف یہ مشاہدہ کریں کہ وہ اضطراری طور پر خود کو کس شے میں تبدیل کرتی ہے۔ ایسی کوئی بھی ذہنی تصویر جس پر آپ اس ذریعے سے غور کریں گے، بعد میں کسی اضطراری حالات کی وجہ سے تبدیل ہو جائے گی۔ یہ حالات تصویر کو کچھ کچھ بدلتا چلا جائے گا۔۔۔۔۔ خود کو اس شکل یا ایج تک محدود رکھنے کی کوشش کریں، جو آپ نے بنایا ہے اور انتظار کریں کہ وہ اپنے آپ کو خودی تبدیل کرے، جو تبدیلیاں رونما ہوں ان کو نوٹ کرتے چلے جائیں، اور پھر خود بھی تصویر کے اندر داخل ہو جائیں اور اگر یہ شکل منکھو کرنے والی ہو، تو وہ کچھ کہہ دیں جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں اور پھر انتظار کریں کہ وہ شکل آپ کو جواب میں کیا کہتی ہے۔

ڈوئگ اپنے اختتامی کام کی انٹرویو جلد میں ٹروی سٹاک لیچر (Travel Stock Lecture) ۱۹۳۵ء میں اپنے ایک مریض کی مثال پیش کرتا ہے کہ اس نے بالآخر کس طرح زکام کی حالت میں فعل عقیدہ تک رسائی حاصل کی۔ وہ ایک نوجوان آرٹسٹ تھا اور عملی طور پر اس کی سمجھ میں یہ آئی تھی کہ ڈوئگ کا فعل عقیدہ سے مفہوم کیا ہے۔ ”اس شخص کا ذہن اپنے طور پر مشغول کار رہتا تھا اور دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا آرٹسٹ ایلو ڈرائیو ریٹ سے آزمائشی نہیں تھا۔ مگر ہر بار جب یہ آرٹسٹ



ڈونگ کو ملنے آیا تھا تو اسے ایک چھوٹے سے شیشین پر انتظار کرنا پڑا تھا وہاں ایک پوستر لگا ہوا تھا جس پر برنیز الپس (Bernese Alps) کے مورین (Murren) کی تھیسیر کی گئی تھی۔ اس میں ایک آبشار تھی، ایک سرسبز چراگاہ تھی اور ایک پہاڑی تھی جس میں کانیں موجود تھیں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس پوستر پر اپنی فٹتیا کو آزمائے گا اس نے آغاز اس طرح کیا کہ گویا وہ چراگاہ کے اندر موجود ہے اور پھر وہ پہاڑی کے اوپر چڑھ رہا ہے۔ شاید وہ اس خاص دن کچھ زیادہ ہی اچھے موڈ میں تھا یا ممکن ہے اس کی فٹکارانہ عقیدہ بدلتے کار آگئی ہو اور اس کی راہ میں حائل ہونا چھوڑ دیا ہو یا پھر اس نے یہ دیکھا ہو کہ واہرہ دلچ یہ کہہ رہا ہے۔ "اچھا تو تم یہ چاہتے تھے۔ تم نے یہ کہا کیوں نہیں؟" ایک جاگتے خراب کا آغاز ہوا اس نے خود کو پہاڑی کے دوسری طرف گھڑی پر چلتے ہوئے پایا اور پھر وہ ایک بہتی ہوئی ندی کی بنائی ہوئی تنگ کھائی (Ravine) سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے گر جاگھر میں داخل ہوا پھر اس نے آلٹر (Alter) پر کنواری کا چہرہ دیکھا اور کوئی شے جس کے کان نوکیلے تھے قربان گاہ کے چھپے نظر آئی اور غائب ہو گئی۔ اس نے سوچا۔ "یہ سب کچھ اس ہے" اور تمام کی تمام فٹتیا غائب ہو گئی۔

پھر اس کے ذہن میں ایک اہم خیال آیا۔ شاید یہ فٹتیا نہیں تھی۔ شاید یہ بھی کچھ حقیقی طور پر موجود ہے۔ پھر اسی کو گلو کے عالم میں اس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس نے اس منظر کو اپنے ذہن کی سکرین پر موجود پایا۔ وہ ایک بار پھر گر جاگھر میں داخل ہوا اور ایک بار پھر وہی نوکیلے کانوں والی شے قربان گاہ میں ظاہر ہوئی اور پھر غائب ہو گئی۔ یہ سارا منظر اسے یہ یقین دلانے کے لئے کافی تھا کہ جو کچھ اس نے دیکھا وہ محض فٹتیا نہیں تھا بلکہ معروضی حقیقت کی کوئی بھٹک تھی جو اس کے سر کے اندر موجود تھی اور یوں اس نے اپنے باطنی دنیا تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ اس کے بارے میں ڈونگ کہتا ہے کہ یہ فعال عقیدہ کو بدلتے کار لانے کی ایک کامیاب کوشش تھی۔

یہاں میں اپنی ایک واردات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ واقعہ ۱۹ مارچ ۱۹۸۳ء سے شروع ہوتا ہے، جب مجھے ہارٹ اٹک ہوا تھا اور میری کلینیکل موت واقع ہوئی تھی پھر مجھے مصنوعی طریقے سے زندہ کیا گیا تھا اور میں ہفتوں زندگی اور موت کی کشمکش میں جکڑا رہا تھا۔ میری حالت اس قدر خراب تھی کہ میرے ڈاکٹر مبینوں تک میری صحت یابی کے سلسلے میں باہر سی کا فکار

رہے تھے مگر اس سارے عرصے میں میری ذہنی حالت بالکل ٹھیک تھی اور میں نہ تو اپنے آپ کو مریض محسوس کرتا تھا اور نہ ہی زندگی کے سلسلے میں باجس ہوا تھا۔ کوئی اذہالی مینے میں نے نیشنل کارڈیج و سکولر انشٹی ٹیوٹ کراچی میں گزارے تھے۔ میرے مولیٰ ڈاکٹر سید اسلم اگرچہ بہت ہی سوجھ بوجھ رکھنے والے ڈاکٹر تھے۔ مگر وہ بھی مجھے اس بات کی اجازت نہ دے سکتے تھے کہ میں زیادہ گفتگو کروں۔ اور میرے ذہن میں خیالات کا ایک پہاڑ تھا جو حقسنے میں نہیں آتا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر کئی مضامین بلکہ کتابوں کے مسودے بنائے تھے جو بعد میں جزوی طور پر لکھے گئے اور شائع ہوئے۔ میں پرائیویٹ وارڈ میں تھا جہاں کمرے جلدی جلدی تبدیل ہوتے رہے تھے۔ ایک کمرے میں جو اب بھی میرے ذہن میں قفل ہے، میں نے ایک کیلنڈر دیکھا جس میں مسجد نبوی کی تصویر تھی اور تصویر اس زاویے سے لی گئی تھی کہ اس میں مسجد کے ساتھ ملحق بازار کا کچھ حصہ نظر آتا تھا۔ میں گھنٹوں اس تصویر کو دیکھتا رہتا تھا کبھی پورے شعور کے ساتھ اور کبھی سوتے جاگتے کی کیفیت میں۔ ڈونگ کے بارے میں میں اس وقت بھی کافی کچھ جانتا تھا اور مجھے خیال عقید کے بارے میں بھی کچھ علم تھا مگر اس زمانے میں میری شدید دلچسپی آرٹھر کوسل میں تھی، مگر مجھے پڑھنے کی اجازت نہیں تھا۔ میں قلبی دے کا شکار تھا اور مجھ پر اس کے شدید دورے پڑے تھے اور میری سانس بری طرح اکڑ جاتی تھی۔ جو لوگ مجھے لٹے آتے تھے ان کے پھرے اس قدر اداس اور باجس سے بھرے ہوتے ہوتے تھے کہ میں اندر سے لرز جاتا تھا۔ کچھ دوست ایسے بھی تھے، جو اپنے آنسوؤں کو چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ میرے دفتری معاملات بھی الجھے ہوئے تھے اور ہسٹری مرگ پر بھی مجھے معلوم نہیں تھا کہ مجھے اگلے ماہ کی تحفہ ملے گی یا نہیں۔ سلیم احمد اور یوسف کامران کی موت بری طرح میرے سر پر سوار تھی، مگر اس کے باوجود مجھے یقین تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح زندہ رہ جاؤں گا مگر اس کی کوئی منطقی وجہ نہیں تھی۔

اس ذہنی حالت میں ایک دن میں تصویر کو دیکھ رہا تھا تو مجھے لگا کہ میں مسجد نبوی کے باہر اس گلی میں کھڑا ہوں، پھر میں نے چلنا شروع کر دیا میں دیر تک مدینے کی گلیوں میں چلتا رہا۔ وہاں مجھے لوگ تو نظر نہ آئے کبھی کبھی کوئی پرچھائیں یا کوئی سیلا نظر آ جاتا تھا مگر یہ احساس مجھے کبھی نہیں ہوا کہ میں اکیلا ہوں۔ یہ تصویر میں نے بار بار دیکھی تھی اگرچہ میں اس کمرے سے کسی اور کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا (جس میں وہ تصویر لگی ہوئی تھی)۔ پھر میں نے اپنے امرتھر

والے گھر اور فسادات سے پہلے والے امرتسر میں گھومنا شروع کر دیا تھا مگر یہ عجیب بات ہے کہ یہ تصویریں آوازوں کے بغیر تھیں۔ آوازوں والی تصویریں یا ایچ کا سلسلہ الگ ہے۔ اس کے بارے میں پھر بھی بات کروں گا۔ مسہر نبوی کی رویت میری آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر دیتی تھی اور میں یہ تصور زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکتا تھا۔

پھر جب میں تھوڑا بہت صحت یاب ہوا تھا تو ۱۹۹۱ء میں مجھے امریکہ جانے کا موقع ملا۔ وائس پر لندن سے ہوتے ہوئے میں جدہ آیا اور مکے میں دو عمرے ادا کئے، پھر جب میں بس کے ذریعے مکے سے مدینے کی طرف سفر کر رہا تھا تو عجیب بے خودی کے عالم میں تھا۔ میرے ذہن میں مدینے کی گلیں تھیں جو ہکی تھیں اور گھر جو پرانی وضع کے تھے، گھوم رہے تھے۔ البتہ مسہر کی تصویر ان کے مقابلے میں جدید تھی، مگر مجھے اس تصویر میں کوئی تضاد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے ہوائی جہاز کی بچلتے بس سے سفر کرنا مناسب سمجھا تھا۔ تاکہ میں راستے کے مناظر سے آشنائی حاصل کر سکوں۔ جب مجھے مسہر نبوی کے بیٹا پہلی بار نظر آئے تھے تو میں ہلکے ہلکے کر رونے لگا تھا بس میں بیٹھے ہوئے لوگ میری طرف متوجہ ہوئے تھے مگر کسی نے کچھ کہا نہیں تھا۔ شاید ایسے واقعات وہیں ہوتے رہتے تھے۔

جب میں نے مدینے کو دیکھا تو وہ میرے خوابوں کے مطابق نہیں تھا۔ چارے شر کو مسہر میں شامل کر لیا گیا تھا اور کوئی کوٹا کھدرا ایسا نہیں تھا جہاں سے یہ اندازہ ہو سکے کہ مدینہ شہر حضور کے زمانے میں یا اس کے صدیوں بعد تک کس طرح کا ہوا کرتا تھا۔ لاشِ حسین کے غلاموں کے ذہن میں یہ بات ہوتی کہ مدینہ کی قدامت کے کیا معانی ہو سکتے ہیں۔ سب سے پرانا علاقہ جو میں سعودی عرب میں دیکھ چلا تھا وہ جدے کے اندر تھا اور وہ بھی زیادہ پرانا نہیں تھا۔ لاشِ ہمِ روم کے شہر کی طرح کچھ مدینے کے قدیم آثار بھی قائم رکھ سکتے۔ بہر حال میرا فعال متقبل والا مدینہ میرے ذہن میں محفوظ ہے اور آنکھوں دیکھے مدینے کی تصویر دھندلائی جا رہی ہے۔

آئیے ایک بار پھر ہم کولن ولسن کی طرف لوٹتے ہیں۔ جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے اس کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک خاص موقع پر کوئی نقطہ یا مقام ایسا آتا ہے، جس میں سب کچھ تبدیل ہو جاتا ہے اور یہی وہ موقع ہوتا ہے جب انسان اپنا ک محسوس کرتا ہے کہ

یہ حصّہ ذاتی یا فطری نہیں ہے بلکہ ہوں گتا ہے جیسے یہ کوئی معروضی حقیقت ہے، مگر ہے انسان کے دماغ کے اندر۔ خواب میں ہم کم ہی حقیقت کا سامنا کرتے ہیں، اگرچہ کچھ لوگ مکمل طور پر حقیقی دکھائی دیتے ہیں۔

بنیادی طریق کچھ ہوں ہونا چاہئے۔ بے حس و حرکت لیٹ جائیں جیسا کہ بڑا لاشوں نے کیا تھا اور اپنے آپ کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیں، مگر اس کے باوجود اپنی حسیات کو بیدار رکھیں۔ خود کو کوئی بات سننے کے لئے تیار رکھیں یعنی ہر تن گوش ہو جائیں اور انتظار کریں کہ خارج گویا ہو، یعنی یہ فرض کریں کہ کوئی موجود ہے اور وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اور پھر اسے کہیں اسے جو کہنا کہ دے۔ اگر وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے، صرف ابجی ہی ہے تو اس پر غور کریں۔ جس طرح آپ کسی آرٹ گیلری میں کسی مصوری کے شاہکار پر غور کرتے ہیں اور پھر اسے کہیں کہ اسے جو کچھ کہنا یا کرنا ہے کرنا چاہئے۔

جرلین جینز (Jullan Jaynes) اپنی کتاب

#### Origin Of Conclousness In The

Breakdown Of Bicameral Mind. میں تبدیلی کے اس نقطے کی ایک دلچسپ وضاحت پیش کرتا ہے جینز کا خیال ہے ہمارے چار ہزار برس پرانے المذاہد اور خود شعوری کی صلاحیت سے محروم تھے اور وہ ہماری طرح کے نہیں تھے۔ وہ اپنے آپ سے سوال کر کے آئندہ کی راہ صمیم نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ان کے ذہن کا رخ باہر کی طرف تھا۔ ان کے لئے تمام فیصلے کچھ آوازیں کیا کرتی تھیں جو ان کے ذہن کے اندر ہوتی تھیں اور وہ غلطی سے ان آوازوں کو دیوتاؤں کی یا خدا کی آواز سمجھتے تھے یہ گویا دماغ کا دوسرا حصہ تھا دوسرا سلف تھا۔ بعد میں جنگوں اور بحرانوں (Crises) نے انسان کو مجبور کیا کہ وہ خود آجہبی انتخاب کریں تاکہ اسے سہی واسطے کی ضرورت ہی پلتی نہ رہے۔

ہم اس بنیاد پر اس نظریے پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ جدید انسان اب منقسم (Bicameral) ہے (یعنی دو ذہن رکھتا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ قدیم انسان یک دماغ (Unicameral) تھا اور وہ فطرت کے ساتھ بے سکون اور جبلّی طریقے سے ہم آہنگ تھا۔ جیسے مثال کے طور پر گائے ہوتی ہے، مگر اس اعتراض سے نظریے کی بنیاد پر کوئی ضرب نہیں پڑتی یہ نظریہ اس سائنسی خیال سے ابھرتا ہے کہ ہم اپنے دماغ کے اندر ایک دوسرا سلف بھی رکھتے

ہیں اور ہزاروں لوگ اس دوسرے سلف کی موجودگی کا احساس سعی یا بھری واہموں کے ذریعے سے کرتے ہیں اور اس چیز کو ڈوبنگ انکس (Projection) کا نام دیتا ہے۔

ایک خاتون نفسیات دان جس کا تعلق ڈوبنگ کے کتب خیال سے ہے، اپنی کتب خاتون نفسیات دان (Encounter With The Soul: Active Imagination) (Barbara Hannah) اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ قدیم انسان کا خدا سے سامنا (مثلاً Old Testament) میں فعل عقیدہ کی مثالیں ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ منقسم دماغ کی کار فرمائی ہے۔ وہ سعی طریق کار کی دو ابتدائی قائل کر دینے والی مثالیں پیش کرتی ہے۔ ان مثالوں میں سے ایک کا تعلق ۲۲۰۰ قبل مسیح اور دوسری کا ۳۰۰ عیسوی سے ہے اور یوں ایک جدید دستاویز ایک مریضہ اینا مار جولہ (Anna Mar Julia) کے وساطت سے وجود میں آئی ہے کہ وہ کس طرح فعل عقیدہ کو بروئے کار لانے سے شغلاب ہوئی۔ اس مثال سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ فعل عقیدہ سے کیا فرادہ لیتا تھا۔

اینا مار جولہ ایک وکیل کی بیٹی تھی اور ڈوبنگ کا خیال تھا کہ اس کے نروس (Neurosis) کا مائدہ جنسی ہو سکتا تھا۔ اسہ نے اپنے باپ کو جلق لگاتے ہوئے (Masturbating) دیکھا تھا اور وہ اس وقت بہت چھوٹی سی تھی۔ بعد میں اس کے باپ نے بیٹی میں خصوصی دلچسپی لینے کا اعتراف کیا تھا۔ وہ شرمیلی تھی، گھبرائی گھبرائی رہتی تھی اور بری طرح احساسی کسری (Feeling Of Inferiority) کا شکار تھی اور اس کے لئے ماں کی موت بری طرح منتشر کر دینے والا تجربہ تھا۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کی سازندہ تھی اور کنسرٹ میں پیانو بجانے والی بنتا چاہتی تھی۔ وہ اکیس برس کی عمر میں امتحان کی تیاری میں مشغول تھی کہ وہ بری طرح تھکاوٹ کا شکار ہوئی اور وہ روحانی طور پر بھی بہت زوال پذیر محسوس کر رہی تھی۔ ایک آواز نے اسے کہا کہ وہ اپنے ارادوں (Ambition) کی قربانی دے اور ٹاکائی کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو جائے (یہ ایک بہترین نصیحت تھی جو اس کا موضوعی دماغ اس کو دے سکتا تھا) اس کا اس بات پر آمادہ ہو جانا کہ وہ ٹھنکے ٹھسٹ کو قبول کر لے گی مذہبی طور پر بے حد نشاط انگیز ثابت ہوا۔ اس مقام پر آواز نے اسے بتایا کہ وہ خود تو مشہور نہیں ہو سکتی مگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ کسی جینس (Genius) کی ماں بن جائے۔ اسے یہ تلاش کرنی چاہئے کہ اس کے ارد گرد ایسا کون ہے جو اس جینس کا باپ بننے کے قابل ہو اور وہ خود

اس کے سامنے بغیر کسی مادی خواہش کے پیش کرے اگر یوں وہ حمل فہرے میں کامیاب ہو جائے یعنی اس فعل میں لذت کا شائبہ نیک نہ ہو، تو اس کے بعد جو لڑکا پیدا ہو گا وہ جنٹیس ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی صحیح آدمی کو تلاش نہ کر سکی اور جب وہ چالیس سالے عشرے میں داخل ہوئی تو اس کے اندر یہ احساس بہت شدت سے پیدا ہوا کہ اس کی گاڑی نکل چکی ہے اور اس وجہ سے وہ شدید نفسیاتی مسائل کا شکار ہو گئی۔ جب وہ ڈونگ کی مریض بنی تو اس وقت اس کی عمر اکیس برس تھی۔

ماہر تحلیل نفسی۔۔۔۔ ڈونگ کی بیوی نے یہ تجویز کیا کہ پہلی روست اپنی مس (Anismus) کا دھوکا تھی۔ لہذا مریض کو کوشش کرنی چاہئے کہ فعال عقیدے کے ذریعے بہت نفسی آرکی ٹائپ تک رسائی حاصل کرے یہ آرکی ٹائپ عظیم ماں (Great Mother) کا ہے۔ یہ بات واضح تھی کہ مریض کے اندر یہ رجحان پہلے ہی سے موجود تھا کہ وہ دو ٹون دیکھ سکتی تھی اور اس کے نفسیاتی دباؤ کی وجہ سے اس کے اندر دو نفسی توانائی موجود تھی جو فعال عقیدے کے لئے ضروری ہوتی ہے لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا عظیم ماں کے ساتھ مکالمات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس میں مریض نے عظیم ماں کو ایک الگ شخصیت کے طور پر دکھا جیسے کہ ڈونگ کو نفل ہون (Philemon) کا تجربہ ہوا تھا۔ اس کا ذاتی نتیجہ یہ نکلا کہ بارہا بتانے اپنی بزرگی کی عمر خاموشی اور سکون کے ساتھ گزاری۔

ڈونگ کے مکتب فکر کا ایک اور ماہر تحلیل نفسیات جسے مارون سپیگل مین (J. Marvin Splegleman) نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ۲۳ برس کی عمر میں فعال عقیدے کی تکنیک سیکھے گا اس کے پاس ایک عمار کی فنٹاسیا تھی جہاں اس کا سامنا ایک ماں، بیٹی اور بوڑھے دانا آدمی سے ہوا تھا۔ ایک دن ایک سورا (Knight) ظاہر ہوا اور ماں اور بیٹی کر لے کر چلے گئے۔ سورا نے کہا یہ تھا کہ وہ کچھ تھکے بیان کرنا چاہتا ہے اور اس اقلیم میں اس کے ساتھ دوسرے بھی کئی لوگ ہیں، اور وہ بھی اپنے تھکے کنا چاہتے ہیں۔ سپیگل مین نے پھر کئی برس ایسے گزارے ہیں جن میں وہ سوراؤں کی کہانیاں لکھتا رہا، ایک فن ایک جنسی اشتقاق میں ڈوبی ہوئی عورت (A Nymphomanlac) ایک بوڑھا چائنا مین (Chinaman) اور بہت سے دوسرے، یہ کہانیاں چار جلدوں میں شائع ہوئیں۔ یہ صاف بات تھی کہ سپیگل مین نے وہی تکنیک استعمال کی جو براؤن اسٹر نے کی تھی۔ دوسرے سلف کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے

شرعیے پن کو خیرباد کہہ دے اور کھل کر اپنا اظہار کرے اور دونوں کے درمیان ایک دوسرے سے پوری طرح مماثلت تھی۔

ہینگل مین اپنے اس سلسلے کی چوتھی جلد میں (جس کا نام The Knight تھا) ایک ایسی بات لکھتا ہے جو مرکزی اہمیت کی حامل ہے کہ فضاں عقیدہ کی کامیاب مشق (Practice) باقاعدہ طور پر واقعات کی ہم وقتیت (Synchronistic Events) کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جس میں انسان کا تعلق دنیا کے ساتھ حقیقی طور پر اور متصوفانہ طریقے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ہوتا کیا ہے۔ ہینگل مین بیان کرتا ہے کہ اندر کا عمل دنیا کے ساتھ انسان کے تعلق کو بالکل تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ بارش برساتے والے کی اہم کہانی سنانا ہے۔ یہ کہانی سب سے پہلے رچرڈ ویلم (Richard Wilhelm) نے ڈونگک کو سنائی تھی۔ ویلم مین کے کسی دور دراز گھڑوں میں تھا جو ٹنگ سلاخی کا شکار تھا۔ ایک دور کے گھڑوں سے ایک بارش برساتے والا سمجھا گیا تھا۔ اس نے گھڑوں کے باہر کے حصے میں قیام پذیر ہونے کے لئے جگہ مانگی تھی اور پھر وہ تین دن کے لئے غائب ہو گیا تھا۔ پھر چھ ماہوں میں برساتا تھا اس کے بعد برف پڑی تھی۔ سال کے اس حصے میں پہلے بھی ایسا ہوتا دیکھا ہی نہیں گیا تھا۔

ویلم نے یوڑسے کو پوچھا تھا کہ تم نے یہ کارنامہ کیسے سراہا ہوا۔ تو یوڑسے نے جواب دیا میں نے کوئی کارنامہ انہیں نہیں دیا۔ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ میں ایسے علاقے سے آیا ہوں جہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ وہاں بارش اس وقت ہوتی ہے جب ہونی چاہئے اور اس وقت ہوتی ہے جب اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ جو لوگ ہیں وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہیں ایک نظام کے اندر ہیں مگر اس گھڑوں کے بھی لوگ تاکو (Tao) سے باہر ہیں۔ اپنے آپ میں نہیں ہیں۔ جب میں یہاں پہنچا تو اس بات نے فوراً مجھ پر اثر انداز ہوا شروع کر دی، چنانچہ میں نے کہا کہ میری رہائش گھڑوں کے کنارے پر ہوگی تاکہ میں اکیلا رہ سکوں اور جب میں پھر سے تاکو میں آ گیا تو بارش ہو گئی۔

اس وضاحت سے ڈونگک کے نظریے ہم وقتیت پر نئی روشنی پڑتی ہے اور اس سے جادو کے بھی نئے معانی حصص ہوتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ جنہوں کے موقف کے مطابق ذہن نظریات کے ساتھ انتہائی قریبی تعلق میں ہے، لہذا ہم وقتیت قدرتی عمل میں فضاں مداخلت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کی ہم آہنگی کی پیداوار ہے۔ (لہذا جب ہم نفسیاتی طور پر صحت مند ہوں تو ہم

دقتیت کو ہر بار وقوع پذیر ہونا لازمی ہے۔ ہمارے خوف اور تشویش قدرتی ہم آہنگی کے رستے میں حائل ہوتی ہیں اور جب یہ ہوتا ہے تو حالات گجڑ جاتے ہیں۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلا ہے کہ اس صورت حال کی موجودگی میں فعل متغیلہ کے معانی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ قوت متغیلہ ہماری حیثیت کی دانشورانہ زوال پذیری نہیں ہے۔ جو ایضاً کی کار فرمائی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک پائنی ہم آہنگی ہے جو پوشیدہ رستوں کو حلیم کرنے سے وجود میں آتی ہے اور یہ ایک ایسا عمل ہے جو دو سطحوں میں باہمی مفاہمت کا سبب بنتا ہے۔

مگر یہاں بھی ایک وارننگ کی ضرورت ہے۔ ایک کمال کا امریکی طبیب ہارڈ ملر (Howard Miller) یہ کہتا ہے کہ انسانوں کے اندر کئی طرح کی فعل متغیلہ پہلے سے موجود ہے۔ میں اپنی آنکھیں بند کر کے گرمیوں کے دنوں میں ساحل سمندر یا پہاڑوں پر پڑی ہوئی برف کو دیکھ سکتا ہوں اور اپنے پاؤں کے نیچے ریٹم جیسی رست یا پھولوں جیسی ہوائی کو محسوس کر سکتا ہوں اور پھر ایک سیکنڈ کے اندر چلتی ہوئی ہوا کی چپ یا بجتے ہوئے سمندر کے مدجزہ کی آواز سن سکتا ہوں۔ اپنے چہرے کو چھوئی ہوئی عضوی اور نرم آلود ہوا کو محسوس کر سکتا ہوں اور سردیوں کے دنوں میں جب ہر طرف برف پڑی ہوئی ہے یا عضوی ہوا چل رہی ہوئی ہے سورج کی گرمی محسوس کر سکتا ہوں۔ آپ نے وہ کئی قوسنی ہوگی جب ایک غصرتی ہوئی رات میں بہت دور جلتے ہوئے ایک چراغ نے اس شخص کو زندہ رکھا تھا جس کے جسم پر پہنڑے کا ایک دھاکا بھی نہیں تھا مگر لڑکا خیال یہ ہے کہ اس سارے عمل کا کنٹرول خود ایضاً کے ہاتھ میں ہے۔ میں فیصلہ کرتا ہوں کہ منظر کو تبدیل ہونا ہے اور میری متغیلہ سارے کا سارا منظر تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے۔

عملی طور پر طر یہ کہہ رہا ہے داہنہ دماغ آرکسٹرا ہے اور بایاں دماغ سازندہ ہے مثال کے طور پر اگر میں اپنے آپ کو ڈیمیل پھوڑ دوں اور شاعری پڑھوں یا موسیقی سنوں، تو میں اپنے آپ پر بہت سی کیفیات طاری کر سکتا ہوں اور بالآخر ایسی حالت میں پہنچ سکتا ہوں کہ میں اپنے موڑ کو ایک لمبے کے اندر تبدیل کر سکوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں طر کی Paradise Lost پڑھتے پڑھتے فوری طور پر حقیقی واقعات کی طرف لوٹوں اور ایک ایسے پیلے کا تصور کروں، جہاں لوگ دھوئیں چارے ہوں اور اس کے بعد پھر سے مسجد سے آتی ہوئی اذان سنوں اور مسجد کے صحن میں لگے ہوئے درخت پر بیٹھی ہوئی چڑیوں کی آوازیں سنوں۔ یہ ممکن ہے کہ دایاں اور



بلیاں دماغ اس کیفیت میں آ جائیں کہ ایک آرکسٹرا بن جائے اور دوسرا اس کا کنڈکٹر (Conductor) ہو جائے اور یہ آرکسٹرا بھی ایسا ہو، جو زندگی کی پارکیکلی بیان کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہو مگر یہ بھی کچھ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب میں یہ سمجھوں کہ میں ہی اس آرکسٹرا کا کنڈکٹر ہوں۔ مجھے آرکسٹرا کے درمیان کھڑا ہونا پڑے گا اور اپنی چھڑی (Baton) کو جھنڈ دینی ہوگی اور ساتھ ہی کہنا ہوگا کہ خواتین و حضرات، آج ہم آپ کو بھیر کی ایک دھن سنا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ خطرہ یہ ہے کہ فعل متقلد کہیں اپنی چھڑی آرکسٹرا کے حوالے نہ کر دے اور اگر ایسا ہو جائے تو یہ ایک بے معنویت کی صورت حال ہوگی۔ فعل متقلد انگو کے ساتھ مفاہمت کی ایک حالت ہے جس میں انگو کو ہر حال رہنا چنا پڑتا ہے۔

مغرب کا انسان ایک ایسا کنڈکٹر ہے جسے معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ ایک پورے آرکسٹرا کا رہنما ہے بس اسے ایک دھندلا دھندلا سا احساس ہے کہ فعل متقلد بھی کوئی شے ہے اور یہ ایک ایسی تکنیک ہے جس سے آرکسٹرا سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے اور اس کو ڈونگ کی زبان میں فردیت (Individuation) کہتے ہیں۔ یہ واضح طور پر محض آغازی ہے۔ اگلا قدم یہ ہے کہ ان بکھرے بکھرے ہوئے سازندوں کو ساتھ ملا کر کوئی عظیم آرکسٹرا بنائے اور بہت سی نہ بھٹائی جاسکتے والی دھنیں تشکیل دے۔ غالباً ڈونگ بھی کچھ کہنا چاہتا تھا جب اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کیا تھا۔ ”شعور اعلیٰ ترین حالت یا مفاہمت کنندہ (Arbiter) ہے۔“

اس کتاب کو ختم کرتے ہوئے مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے اسے کسی مایوسی یا قنوطیت پر ختم نہیں کیا۔ پچھلی کئی کتابوں میں کوشش کے باوجود میں رجحانیت کو بروئے کار نہیں لاسکا تھا۔ اس کی وجہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا مزاج نہیں، کیونکہ اگر میرے اپنے مزاج کے اندر قنوطیت اس قدر رہتی ہوتی تو میں اسے Enjoy کرتا مگر ہوا یہ ہے کہ ہر کتاب گھسنے کے بعد میں یہ سوچتا رہا ہوں کہ کیا یہ قنوطیت ہمیشہ کام کر سکتی ہے، بعض اوقات ہمیں کے سامنے چیزوں کا تاریک رخ اس لئے بھی دکھایا جاتا ہے کہ روشن پہلو کو تلاش کرنے کی خواہش ان کے دلوں کے اندر بیدار ہو۔

ڈونگ ہمیشہ میرے لئے روشنی کا ایک چنار رہا جب میں کالج کے زمانے میں میری طرح تفکیک کا شکار ہوا تھا تو مجھے اس دامن سے نکالنے والے ڈونگ اور اقبال تھے پھر زندگی

کے ہر موڑ پر میرا ان سے ساتھ رہا مگر میں نے ان دونوں کو اپنے لئے ماڈل نہیں بنایا، ان کے راستے پر چلنے کو اپنی تقدیر نہیں سمجھا بلکہ کوشش کی ہے کہ میں اپنی راہ خود حصین کر دوں۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ اپنی راہ انسان کبھی خود حصین نہیں کرتا۔ بہت سے عوامل پیش اسے ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانے میں مدد ہوتے ہیں یا اس کا راستہ روکتے ہیں، اور پھر یہ بھی ہے کہ پچھلے چند برس میں دنیا اس قدر بدل گئی ہے کہ اس کا اندازہ پہلے سے کرنا ممکن نہیں تھا۔ ڈوگ اس دوران فرسودہ تو نہیں ہوا مگر اس کو دیکھنے کے زاویے بہت حد تک تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ عقلی علوم کے بارے میں عام رویہ حیرت انگیز حد تک بدلا ہے اور اب بہت سے سائنس دان اس میدان میں سرگرم عمل ہیں۔ لہذا ڈوگ کے وہ پہلو سامنے آ رہے ہیں جن پر اس کی زندگی میں زیادہ توجہ نہیں کی گئی تھی۔ ویسے بھی ڈوگ کی نفسیات اس قدر پلودار ہے کہ وہ مستقبل قریب میں شاید اور بھی زیادہ بدل بدل دکھائی دے۔ ڈوگ ان لوگوں میں ہے جنہوں نے انسان کو زندہ رہنے کا جواز فراہم کیا ہے۔ فراہم اگرچہ ڈوگ کا استاد بھی ہے اور جدید ہمیت نفسیات کا بانی بھی ہے مگر اس کے رویے میں ایک درد انگیز باجی کا عنصر نمایاں ہے۔ شاید اسی لئے لوگ اس کے بارے میں بار بار کہتے ہیں کہ وہ فرسودہ ہو چکا ہے۔ وہ اس کے بارے میں شدید ردِ عمل کا اظہار بھی کرتے ہیں اور کبھی کبھی اس کے حلقے میں ہونے والے جلسوں کو بھی ناگہیاب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ڈوگ کی کچھ کمیاں، کچھ اخلاقی مشکلات اور کچھ سمجھ میں نہ آنے والے رویے، اس کی موت کے بعد بہت نمایاں کئے گئے ہیں مگر اس سے ڈوگ کو زیادہ فرق نہیں پڑا۔ وہ بہتر مستقبل کی خبر دینے والا نفسیات دان ہے، جو چاہتا ہے کہ انسان اپنے خفیہ گوشے دریافت کرے اور اس دریافت سے اس کے لئے زندگی میں آسائیاں پیدا ہوں۔ وہ اقبال کی طرح زندگی کو ایک کھلا امکان سمجھتا ہے اور اب تو سائنس بھی نیوٹن کے زمانے کی طرح میکا کی نہیں رہی، اس نے بھی اصولی لائحہ دریافت کر لیا ہے اور دواجی منطق کی وہ زنجیریں توڑ دی ہیں جو اس کی پرواز کے راستے میں حائل تھیں۔ ایک بار پھر عرض کر دوں کہ یہ کتاب ڈوگ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرتی اور نہ ہی شاید کوئی ایک کتاب ایسا کر سکتی ہے، مگر یہ کتاب ایک ایسا دروازہ ضرور ہے جو ڈوگ کے امکان کے اندر کھلتا ہے۔

# BIBLIOGRAPHY AND FUTHER READINGS

- |     |                       |   |  |
|-----|-----------------------|---|--|
| 1   | ADLER ALFRED          | <i>UNDERSTANDING<br/>HUMAN NATURE</i>                                       | PERMA BOOKS<br>NEWYORK 1946                      |
| 2.  | ALDER ALFRED          | <i>WHAT LIFE SHOULD<br/>MEAN TO YOU?</i>                                    | GEORGE ALLENS<br>UNWIN LONDON 1980               |
| 3   | BRILL A.A             | <i>BASIC PRINCIPLES OF<br/>PSYSHO-ANALYSIS</i>                              | WASHINGTON'<br>SQUARE PRESS INC<br>NEW YORK 1960 |
| 4   | BROWN<br>VINCENT.     | <i>JUNG: MAN AND MYTH</i>   | GRANDA PUBLISHING<br>LTD UK 1978                 |
| 5.  | BROWN J.A.C:          | <i>FRUED AND POST<br/>FRUEDIANIS</i>  | PENGUIN BOOKS UK<br>1964                         |
| 6   | BUDGE,<br>WALLACE E.A | <i>THE BOOK OF DEAD<br/>(EGYPTIAN)</i>                                      |  |
| 7   | CAMPBELL<br>JOSEPH    | <i>MYTHS, DREAMS AND<br/>RELIGION</i>                                       | DUTTON PAPER<br>BACKS NEWYORK<br>1970            |
| 8.  | CAMPBELL<br>JOSEPH    | <i>THE PORTABLE JUNG</i>  | PANGUINE BOOKS<br>1980                           |
| 9   | CAMPBELL<br>JOSEPH    | <i>THE; MASKS OF GOD<br/>PRIMITIVE<br/>MYTHOLOGY</i><br><br><i>Vol : 1</i>  | PANGUINE BOOKS<br>1982                           |
| 10. | CAMPBELL<br>JOSEPH    | <i>THE; MASKS OF GOD<br/>ORINETAL<br/>MYTHOLOGY</i><br><br><i>Vol : 2</i>   | PANGUINE BOOKS<br>1982                           |
| 11. | CAMPBELL<br>JOSEPH    | <i>THE MASKS OF GOD;<br/>OCCIDENTAL<br/>MYTHOLOGY</i><br><br><i>Vol : 3</i> | PANGUINE BOOKS<br>1982                           |

- |     |                                  |   |   |
|-----|----------------------------------|---|---|
| 12  | CAMPBELL<br>JOSEPH               | <i>THE MASKS OF GOO;<br/>CREATIVE<br/>MYTHOLOGY</i>         | PANGUINE BOOKS<br>1982  |
|     |                                  | <i>Vol : 4</i>  |   |
| 13. | CHUCHAIS<br>WITH<br>WINBERG CHAI | <i>THE STUDY OF<br/>CHINESE<br/>PHILOSOPHY</i>              | WASHINGTON<br>SQUARE PRESS INC<br>NEWYORK 1981                              |
| 14  | CASTUKDEJO<br>CLAREMONT<br>DE    | <i>KNOWING WOMEN</i>  | HARPER COLOPHON<br>BOOKS NEWYORK<br>1974                                    |
| 15. | CAVENDHISH<br>RICHARD            | <i>ENCYCLOPEDIA OF<br/>THE UNEXPLAINED</i>                  | ROUTLEDGF AND<br>KEGAN PAUL<br>LONDON 1974                                  |
| 16. | DAVID- NEAL<br>ALEXANDRA         | <i>MAGIC AND MYSTRY<br/>IN TIBET</i>                        | SOVERNIR PRESS<br>LONDON 1967   |
| 17  | ERNEST<br>JONES                  | <i>LIFE AND WORKS OF<br/>SIGMUNO FREUD</i>                  | PENGUIN BOOKS UK<br>1964  |
| 18. | EINSTEIN<br>ALBERT               | <i>IDEALS AND<br/>OPINIONS</i>                              | RUPA AND CO NEW<br>DELHI 1979   |
| 19. | EVENS-WENTZ<br>W.Y               | <i>BORDO THODOL,<br/>BOOK OF THE DEAO</i>                   | CAU SEWAY BOOKS<br>NEW YORK 1973  |
| 20  | FORDHAM<br>FRIEDA                | <i>AN INTROOOUCTION TO<br/>JUNG'S PSYCHOLOGY</i>            | PENGUIN BOOKS<br>LONDON 1964  |
| 21. | FRUED<br>SIGMUND                 | <i>CIVILIZATION AND IT'S<br/>DISCONTENTS</i>                | THE HOGARTH PRESS<br>AND THE INSTITUTE<br>OF PHYCHO ANALYSIS<br>LONDON 1953 |
| 22  | FRUED<br>SIGMUND                 | <i>ON SEXUALITY</i>   | PENGUIN BOOKS VOL-<br>7 1977  |
| 23  | FRUED<br>SIGMUND                 | <i>INTROOUCTORY<br/>LECTURES ON<br/>PSYCHO-ANALYSIS</i>     | THE HOGARTH PRESS<br>LONDON 1949  |
| 24  | FRUED<br>SIGMUND                 | <i>NEW INTROOUCTORY<br/>LECTURES ON<br/>PSYCHO ANALYSIS</i> | THE HOGARTH PRESS<br>LONDON 1949  |
| 25  | FRUED<br>SIGMUND                 | <i>TOTEM AND TABOO</i>                                      | ROUTLEDGE AND<br>KEGAN PAUL LONDON<br>1950                                  |
| 26. | FRUED<br>SIGMUND                 | <i>FUTURE OF AN<br/>ILLUSION</i>                            | THE HOGARTH PRESS<br>NO 15 LONDON 1949                                      |

- |     |  |  |  |
|-----|--|--|--|
| 27  | FRUED<br>SIGMUND                             | THE INTERPRETATION<br>OF DREAMS                                | GEORGE ALLEN AND<br>UNWIN LTD LONDON<br>1950 |
| 28. | FROMM ERIC                                   | THE CRISIS OF<br>PSYCHO-ANALYSIS                               | FAWEET-PREMIER USA<br>970                    |
| 29  | FROMM ERIC                                   | THE GREATNESS AND<br>LIMITATIONS OF<br>FRUEDS THOUGHT          | MENTOR BOOKS<br>NEWYORK 1981                 |
| 30. | FODOR<br>NANDOR                              | AN ENCYLOPEIDA OF<br>PSYCHIC SCIENCES                          | CITADEL USA 1974                             |
| 31  | FREMANTLE<br>FRANCES                         | THE TIBETAN BOOKS<br>OF OUR TIME                               | SHAMBHALA, BERKLY<br>AND LONDON 1975         |
| 32  | GAY PETER                                    | FRUED- A LIFE OF<br>OUR TIME                                   | PAPER MAC LONDON<br>1988                     |
| 33. | GREYGORY<br>RICHARD                          | THE OXFORD<br>COMPANION TO THE<br>MIND                         | OXFORD UNIVERSITY<br>PRESS NEWYORK<br>1988   |
| 34. | GUILY<br>ROSEMARY                            | ENCHYUCLOPEDIA OF<br>MYSTICAL AND<br>PARANORMAL<br>EXPERIENCE  | GRANGE BOOKS<br>LONDON 1991                  |
| 35. | GALLOP<br>GEORGE JR                          | ADVENTURES IN THE<br>IMMORTALITY                               | CORGI BOOKS 1984                             |
| 36. | HAWKING<br>STEPHEN W                         | A BRIEF HISTORY OF<br>TIME                                     | BANLOOM BOOKS<br>LONDON 1989                 |
| 37. | HOYLE FRED<br>SIR                            | THE INTELLIGENT<br>UNIVERSE                                    | MICHEAL JOSEPH<br>LONDON 1985                |
| 38. | HOYLE FRED<br>CHANDRA<br>WICKER-<br>MASINGHE | EVOLUTION FROM<br>SPACE  | GRANDA LONDON<br>1983                        |
| 39. | HEISENBERG<br>WERNER                         | PHYSICS AND<br>PHILOSOPHY                                      | PENGUIN BOOKS<br>LONDON 1983                 |
| 40  | INGLIS BRAIN                                 | THE PARA NORMAL -<br>AN ENCLOPEDIA OF<br>PSHYCHIC<br>PHENOMENA | GRANDA, NEW YORK<br>1985                     |
| 41  | JACOBI<br>BLANDE                             | THE PSYCHOLOGY OF<br>C.G. JUNG                                 | ROUTLEDGE AND<br>KEGAN PAUL, 1951            |

42	JAYYNES JULIAN	<i>THE ORIGIN OF CONSCIOUSNESS IN THE BREAKDOWN OF BIGMERAL MIND</i>	PENGUIN BOOKS 1982
43	JUNG C.G.	<i>MEMORIES, DREAMS, REFLECTIONS</i>	COLLINS FOUNT PAPER BACKS 1980
44	JUNG C.G.	<i>MAN AND HIS SYMBOLS</i>	DELL PUBLISHING CO NEWYORK 1977
45	JUNG C.G.	<i>COLLECTED WORKS</i>	ROUTLEDGE & KEGAN PAUL, LONDON 1981

VOLUME	1:	<i>PSYCHIATRIC STUDIES</i>
VOLUME	2:	<i>EXPERIMENTAL RESEARCHES</i>
VOLUME	3:	<i>THE PSYCHOGENESIS OF MENTAL DISEASE</i>
VOLUME	4:	<i>FRUED AND PSHYHO ANALYSIS</i>
VOLUME	5:	<i>SYMBOLS OF TRANSFORMATION</i>
VOLUME	6:	<i>PSYCHOLOGICAL TYPES</i>
VOLUME	7:	<i>TWO ESSAYS ON ANALYTICAL PSYCHOLOGY</i>
VOLUME	8:	<i>THE STRUCTURE AND DYNAMICS OF THE PSYCHE</i>
VOLUME	9:	<i>THE ARCHETYPES AND THE COLLECTIVE UNCONCIOUS</i>
VOLUME	10:	<i>CIVILIZATION IN TRANSITION</i>
VOLUME	11:	<i>PSYCHOLOGY AND RELIGION : WEST AND EAST</i>
VOLUME	12:	<i>PSYCHOLOGY AND ALCHEMY</i>
VOLUME	13:	<i>ALCHEMICAL STUDIES</i>

VOLUME	14:	MYSTERIUM CONIUNCTIONS
VOLUME	15:	THE SPIRIT IN MAN, ART AND LITERATURE
VOLUME	16:	THE PRACTICES OF PSYCHOTHERAPY
VOLUME	17:	THE DEVELOPMENT OF PARANALITY
VOLUME	18:	THE SYMBOLIC LIFE MISC WRITINGS
VOLUME	19:	GENERAL BIBLIOGRAPHY OF C.G. JUNG
VOLUME	20:	GENERAL INDEX

- |     |  |  |   |
|-----|--|--|---|
| 46. | KOESTLER<br>ARTHOR                     | THE ROOTS OF<br>COINCIDENCE                    | VINTAGE BOOKS<br>BOOKS NEW YORK<br>1973           |
| 47. | KOESTLER<br>ARTHOR                     | BRICKS TO BABEL                                | PICADOR LONDON<br>1981                            |
| 48. | KRAFT EBING,<br>RICHARD VON            | EXISTANTIALISM<br>RELIGION, AND DEATH          | NEW AMERICAN<br>LIBRARY NEW YORK<br>1976          |
| 49. | KRYSTAL<br>LEONARD                     | THE ABC OF<br>PSYCHOLOGY                       | PENGUIN BOOKS<br>LONDON 1982<br>BOLLINGEN CARVICE |
| 50. | LUNG AND<br>GURTAR                     | ON THE NATURE OF<br>PSHCHE HOLLINGIN<br>SERIES | ROUTLEDGE AND<br>KAGAN PAUL LTD 1973              |
| 51. | LEVITAS. GB                            | THE WORKS OF<br>PSYCHOLOGY (TWO<br>VOLUMES)    | AMBASSADOR BOOKS<br>TORONTO 1970                  |
| 52. | LINGS MARTIN                           | SYMBOLS AND<br>ARCHETYPES                      | QUINTA ESSENTIA<br>CAMBRIDGE. 1991                |
| 53. |  | THE MACMILLAN<br>ENCYCLOPEDIA                  | MACMILLAN LTD<br>LONDON 1986                      |
| 54. | MACGUIRE<br>WILLIAM AND<br>R.E.C. HULL | C.G. JUNG SPEAKINGS                            | PAN BOOKS UK 1980                                 |
| 55. | MOODY A.<br>RAYMOND M.D.               | LIFE AFTER LIFE                                | BANTOM BOOKS 1975                                 |

- |  |   |   |
|--|---|---|
| 56. MOODY A<br>RAYMOND                 | <i>REFLECTIONS ON LIFE<br/>AFTER LIFE</i>                                     | BANTOM BOOKS USA<br>1978                          |
| 57. MAY ROLLO                          | <i>EXISTANTIAL<br/>PSYCHOLOGY</i>   | RANDOM HOUSE NEW<br>YORK 1969                     |
| 58. MOHAMMAND<br>IQBAL ALLAMA          | <i>THE<br/>RECONSTRUCTION OF<br/>RELIGIOUS THOUGHT<br/>IN ISLAM</i>           | INSTITUTE OF ISLAMIC<br>CULTURE LAHORE<br>1980    |
| 59. NEEDLE MAN<br>JACOB                | <i>THE SWORD OF<br/>GNOSIS</i>  | ARKANA LONDON.<br>BOSTON, HENBEY<br>1986          |
| 60. NUEMAN<br>ERICH                    | <i>THE ART AND THE<br/>CREATIVE<br/>UNCONCIOUS</i>                            | PRINCETON<br>UNIVERSITY PRESS,<br>PRINCETON. 1969 |
| 61. PARRAGOFF<br>IRA, PHD              | <i>THE DEATH AND<br/>REBIRTH OF<br/>PSYCHOLOGY</i>                            | THE LUBIAN PRESS<br>INC NEWYORK 1956              |
| 62. PARRAGOFF<br>IRA PHD               | <i>JUNG'S PSYCHOLOGY<br/>AND ITS SOCIAL<br/>MEANINGS</i>                      | GROVE PRESS NEW<br>YORK 1963                      |
| 63. POST<br>LAWRANCE<br>VANDER         | <i>JUNG AND THE STORY<br/>OF OUR TIME ZEN<br/>AND</i>                         | PENGUIN BOOKS 1979                                |
| 64. PIRRING<br>ROBERT M.               | <i>THE ART OF<br/>MOTORCYCLE<br/>MAINTENANCE</i>                              | BLACK SWAN<br>LONDON 1989                         |
| 65. LEDGE JAMES<br>(TRANSLATION<br>BY) | <i>I CHING, THE BOOK<br/>OF CHANGE</i>  | A DROVER EDITION                                  |
| 66. LAWRANCE<br>D.H.                   | <i>FANTASIA OF THE<br/>UNCONCIOUS :<br/>PSYCHO ANALYSIS OF<br/>UNCONCIOUS</i> | PENGUIN BOOKS<br>LONDON 1978                      |
| 67. RANK OTTO                          | <i>BEYOND<br/>PSYCHOLOGY</i>  | PENGUIN BOOKS<br>LONDON 1978                      |
| 68. RANK OTTO                          | <i>THE MYTH OF THE<br/>BIRTH OF THE HERO</i>                                  | VINTAGE BOOKS<br>NEWYORK 1964                     |
| 69. RIECH<br>WILHELM                   | <i>MASS PSYCHOLOGY<br/>OF FASCISM</i>   | PANGUIN BOOKS 1978                                |
| 70. REIK<br>THOEDORE                   | <i>OF LOVE AND LUST</i>   | BANTAN BOOKS NEW<br>YORK 1967                     |



- |                                     |   |   |
|-------------------------------------|---|---|
| 71. ROAZEN PAUL                     | <i>FRUED AND ITS FOLLOWERS</i>  | PENGUIN BOOKS<br>LONDON 1979                              |
| 72. ROBERT<br>MACHE                 | <i>THE PSYCHO-ANALYTICAL<br/>REVOLUTION</i>                                 | DISCUSS BOOKS NEW<br>YORK 1968                            |
| 73. SALAM ABDUS                     | <i>IDEALS AND<br/>REALITIES</i>   | WORLD SCIENTIFIC<br>SINGAPORE 1987                        |
| 74. SULLIVAN<br>JACK                | <i>THE PENGUINE<br/>ENCYCLOPEDIA OF<br/>HORROR AND THE<br/>SUPER NORMAL</i> | VIKING USA 1986   |
| 75. STERN PAUL J.                   | <i>THE HAUNTED PROFIT</i>   | DELL PUBLICATIONS<br>NEW YORK 1977                        |
| 76. THOMAS<br>ROBERT                | <i>THE PELICAN HISTORY<br/>OF PSYCHOLOGY</i>                                | PENGUIN BOOKS UK<br>1968                                  |
| 77. TAYLOR JOHN                     | <i>SCIENCE AND THE<br/>SUPER NATURAL</i>                                    | GRAND BOOK NEW<br>YORK 1980                               |
| 78. TALBOT<br>MICHEAL               | <i>MYSTICISM AND THE<br/>NEW PHYSICS</i>                                    | ROUNDLEGE AND<br>KEGAN PAUL,<br>LONDON AND HANLEY<br>1981 |
| 79. TOYNBEE<br>ARNOLD AND<br>OTHERS | <i>MAN'S CONCERN WITH<br/>DEATH</i>   | HODDER AND<br>STOUGHTON 1969                              |
| 80. UNDERWOOD<br>PETER              | <i>DICTIONARY OCCULT<br/>&amp; SUPER NATURAL</i>                            | FANTANA/COLLINS<br>GLASGOW 1979                           |
| 81. UNDERWOOD<br>PETER              | <i>DEEPER INTO<br/>OCCULT</i>   | HARRAP LONDON<br>1975                                     |
| 82. WITTEL FRETZ                    | <i>SINMUND FRUED, HIS<br/>PERSONALITY<br/>TEACHING, HIS<br/>SCHOOL</i>      | GEORGE ALLEN<br>SWINWIN LTD LONDON<br>1924                |
| 83. WILSON COLIN                    | <i>THE MISFITS</i>  | GRAFTON BOOKS<br>LONDON 1989                              |
| 84. WILSON COLIN                    | <i>THE OCCULT</i>   | GRANDA BOOKS<br>LONDON 1979                               |
| 85. WILSON COLIN                    | <i>MYSTRIES</i>   | GRANDA BOOKS<br>LONDON 1978                               |
| 86. WILSON COLIN                    | <i>THE ESSENTIAL COLIN<br/>WILSON</i>                                       | GRAFTON BOOKS<br>LONDON 1987                              |
| 87. WILSON COLIN                    | <i>AFTER LIFE</i>   | GRAFTON BOOKS<br>LONDON 1987                              |

88. WILSON COLIN	ACCESS TO INNER WORLDS	RIDER LONDON 1983
89. WILSON COLIN	PSYCHIC DETECTIVE	PAN BOOKS LTD LONDON 1984
90. WILSON COLIN	ORIGIN OF THE SEXUAL IMPULSE	PANTHER BOOKS LONDON 1988
91. WILSON COLIN	THE ENCYCLOPEDIA OF UNSOLVED MYSTERIES	HARRAP LONDON 1988
92. WEALDER ROBERT	PSYCHO-ANALYTICAL AVENUE TO ART	HOGARTH PRESS LONDON 1985
93. THORNE KIPS	BLACK HOLE AND TIME WARPS	PAPER MAC NEW YORK 1994
94. ZALESKI CORD	OTHER WORLD JOURNEY	OXFORD UNIVERSITY PRESS NEWYORK 1987

۹۵۔ ڈاکٹر محمد اجمل، تحلیل نفسیات (ایک قصیدہ نگارشات) لاہور۔

۹۶۔ ڈاکٹر محمد اجمل (ترجمہ شہزاد احمد) نفسی طریق علاج میں مسلمانوں کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

۱۹۸۸ء

۹۷۔ سہیل احمد خان، ڈونک کے نفسیاتی نظریات، ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۸۷ء

۹۸۔ پروفیسر لطیف اللہ، قصوف اور مہکت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۰ء

۹۹۔ خواجہ شام محمد عبدالصمد، اصطلاحات صوفیہ، مکہ مکرمہ لاہور۔

۱۰۰۔ سید محمد لدائی، سر دلبردار، محفل ذوقیہ کراچی ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۹۸۶ء

۱۰۱۔ ڈاکٹر عبدالسلام (ترجمہ شہزاد احمد) اربابِ نور حقیقت، گورا پبلشرز لاہور ۱۹۹۶ء

۱۰۲۔ شہزاد احمد فراہی کی نفسیات کے دو دور، سبک سہیل پبلیکیشنز لاہور۔ ۱۹۹۳ء

۱۰۳۔ شہزاد احمد، دو سرا رخ، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔ ۱۹۹۰ء

۱۰۴۔ شہزاد احمد، تیسری دنیا کے مسائل اور سائنسی انتخاب، سبک سہیل پبلیکیشنز لاہور۔ ۱۹۹۶ء

